جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ داستان

وہ اپنے جرم کا ہر ثبوت مٹا دیتا تھا

پہلی قسط

ترجمہ : محمود احمد مودی

ALCAPONE

الکپون

الکپون کون تھا؟

الکپون کا دور گو کہ خاصا پرانا ہے اور اسے اس دنیا سے رخصت ہوئے کافی سال گزر چکے ہیں لیکن دنیا بھر میں اس کے نام کی بازگشت اب بھی سنائی دیتی ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ اس کا نام گویا ضرب المثل بن گیا ہے۔ فلپائن کے آنجہانی صدر مارکوس پر جب بدعنوانی اور دیگر جرائم کے سلسلے میں مقدمے چل رہے تھے تو استغاثہ کے وکیل نے اپنے دلائل کے دوران عدالت کو مخاطب کرکے ان کے بارے میں کہا تھا: "حضور والا! مارکوس تو اپنے دور کا الکپون بن گیا تھا۔"

دنیا میں جب بھی کسی کو بہت بڑے مجرم، دہشت گرد، گینگسٹر، چور، قاتل اور گروہ باز کی مثال دینا ہوتی ہے تو وہ عموماً کہتا ہے۔ "ارے بھئی، وہ تو الکپون بن گیا ہے۔"

الکپون کو امریکا میں منظم جرائم، ناجائز دھندوں اور بدمعاشوں کے گروہ تشکیل دینے کے معاملے میں بادشاہ ہی کا نہیں، بلکہ بانی کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے کردار اور اسی کی داستان حیات سے متاثر ہو کر "گاڈ فادر" اور اس طرح کے دوسرے کئی مشہور عالم ناول لکھے گئے جن میں افسانہ طرازی کم اور حقائق زیادہ تھے۔ ان ناولوں اور ان پر بننے والی فلموں نے دنیا میں دھوم مچا دی۔ کہتے ہیں، حقیقت افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ الکپون کی زندگی کی سچی کہانی اس کا ثبوت ہے۔ اس میں کسی قسم کی رنگ آمیزی اور داستان طرازی کے بغیر بھی دلچسپی کا اس قدر سامان موجود ہے کہ ہر چند سال بعد اس کی سوانح عمری کا نیا ایڈیشن شائع ہو جاتا ہے۔ اس کی داستان حیات پر کسی ایک مصنف یا حقیقت نگار نے ہی طبع آزمائی نہیں کی، بلکہ کئی مصنفین اور مؤلفین نے طویل عرصے کی محنت اور عرق ریزی سے کئی کتابیں ترتیب دی ہیں۔ ان صفحات پر شروع کی جانے والی یہ سچی کہانی ان سب کا نچوڑ ہے۔ اس غیر معمولی شخص کی زندگی پر کئی فلمیں بھی بن چکی ہیں اور کئی فلموں کی کہانیاں اسی کی ذات سے متاثر ہو کر لکھی گئیں لیکن ڈیڑھ دو گھنٹے کی فلم میں الکپون جیسے شخص کی زندگی کو سمونا تقریباً ناممکن ہی ہے۔

گیبریل کپون نے جب اٹلی سے امریکا کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا تو اسکے ملک کے حالات بھی خراب تھے اور خود اسکے اپنے حالات نے بھی اسے پریشان کیا ہوا تھا۔ ظاہر ہے، برے حالات ہی انسان کو ہجرت پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر حالات اچھے ہوں تو کون اپنا گھر بار اور اپنا وطن چھوڑے؟

گیبریل کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی۔ ابھی وہ نوجوان ہی تھا، اٹھائیس سال کا تھا۔ اس کی بیوی ٹریسا صرف 23 سال کی تھی۔ ان کا ایک سال کا ایک بیٹا تھا اور ان کے ہاں دوسرے بچے کی آمد متوقع تھی۔ ان کا گاؤں اٹلی کے شہر نیپلز سے سولہ میل کے فاصلے پر تھا جسے وہ خیرباد کہنے لگے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے اپنے ملک کے حالات تو خراب ہیں ہی...... لیکن جہاں وہ جا رہے ہیں وہاں بھی ایک بڑا معاشی بحران آنے والا ہے۔ ظاہر ہے، آنے والے کل کا تو کسی کو پتہ نہیں ہوتا لیکن ان کے خیال میں ان کے اپنے ملک سے زیادہ خراب حالات تو کہیں کے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

وہ 1893ء کا زمانہ تھا اور امریکا میں وہ معاشی بحران آنے والا تھا جس نے کئی سال تک ملک کو متزلزل سی حالت میں رکھا۔ گیبریل اور اس کی بیوی ٹریسا نے اپنا گاؤں چھوڑا اور بحری جہاز میں بیٹھ کر نیویارک آ گئے۔ گیبریل نے عقلمندی یہ کی کہ رہنے کے لئے بروکلین کے علاقے کا انتخاب کیا۔ اس نے ملبیری بینڈ کا رخ کرنے کی کوشش نہیں کی جو مین ہٹن کا زیریں علاقہ تھا۔ وہاں اطالوی تارکین وطن بڑی تعداد میں آباد تھے۔ اس لئے غیر رسمی طور پر اسے اٹالین کالونی ہی کا نام دے دیا گیا تھا۔

ظاہر ہے، جن علاقوں میں دوسرے ممالک سے آ کر وہ تارکین وطن آباد ہوتے ہیں جن کے مالی حالات ابتر ہوتے ہیں اور جو معاشرے کے ذرا بہتر طبقوں سے تعلق نہیں رکھتے، ان علاقوں کا حال باقی شہر کے مقابلے میں برا ہی ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے گیبریل نے گویا عقلمندی ہی کی تھی کہ اس علاقے کا رخ نہیں کیا تھا جہاں اس کے ہم وطن اکثریت میں تھے۔

تاہم معاشی بحران تو پورے ملک میں ہی آ رہا تھا۔ بروکلین کا علاقہ بھی اس سے بچ تو نہیں سکتا تھا۔ کام کرنے والے لوگوں میں سے جلد ہی کم از کم ایک چوتھائی تو بے کار اور بے روزگار ہو گئے۔ اچھے بھلے ہنرمندوں کو ملازمتیں ملنا محال ہو گیا تھا۔ بے ہنر اور ان پڑھ لوگوں کا تو ذکر ہی کیا! جبکہ اٹلی سے ہجرت کر کے آنے والوں میں سے تو اکثریت بے ہنر اور ان پڑھ لوگوں کی تھی۔ انہیں اچھی ملازمتیں ملنے کا امکان نہ ہونے کے برابر تھا۔

ویسے تو دنیا بھر میں صنعتی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا لیکن وہ بیچارے جن علاقوں سے آئے تھے وہاں انہوں نے کارخانوں اور فیکٹریوں کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ ان میں سے تقریباً 97 فیصد دہقان اور معمولی درجے کے کاشتکار تھے۔

یہ سوال خاصا دلچسپ محسوس ہوتا تھا کہ اگر وہ لوگ دہقان اور کاشت کار تھے، کھیتی باڑی جانتے تھے تو ایسے علاقوں کا رخ کیوں نہیں کرتے تھے جہاں زرعی زمینیں موجود تھیں اور کھیتی باڑی ہوتی تھی؟ وہاں انہیں کام ملنے کا زیادہ امکان تھا۔

اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ زیادہ تر انسان جو زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، وہ اس سے بیزار ہوتے ہیں۔ گاؤں دیہات میں رہنے والے بڑے شہروں کی طرف رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہاں رہنے والا ہر انسان بڑے مزے کی زندگی بسر کر رہا ہے، اسے ہر طرح کی آسائشیں اور تفریحات حاصل ہیں جبکہ بڑے شہروں میں رہنے والے افراد کی اکثریت اپنی زندگی سے بیزار ہوتی ہے۔ شہروں کے جھمیلوں، روزمرہ زندگی کی مارا ماری اور مسائل کی وجہ سے وہ اپنے روز و شب کو کچھ زیادہ پرکشش محسوس نہیں کرتے۔ یہ صورت حال آج کے دور میں پیدا نہیں ہوئی جب بڑے بڑے شہروں کی آبادیاں بہت بڑھ گئی ہیں اور مسائل ناکافی پڑ گئے ہیں...... بلکہ یہ صورت حال بہت پرانے وقتوں سے چلی آ رہی ہے کیونکہ اپنے وقت کے حساب سے بڑے شہر ہمیشہ ہی پرہجوم اور وہاں کی زندگی ہنگامہ خیز بھی جاتی رہی ہے۔ وہاں کے لوگ عام طور پر گاؤں دیہات اور خاص طور پر پہاڑی مقامات کی طرف رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہاں زندگی کتنی پرسکون اور ہنگاموں سے پاک ہے۔

دوسری طرف گاؤں دیہات والے جب شہری زندگی پر رشک کرتے ہیں اور ہجرت کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ یہ فیصلہ بھی کر چکے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنا طرز زندگی ترک کرنا ہے، اب انہیں "شہری" بننا ہے۔ اگر کھیتی باڑی اور کاشت کاری ہی کرنی ہو تو پھر شہر جانے کا کیا فائدہ؟

اسی پس منظر اور اسی نفسیاتی کیفیت کے ساتھ گیبریل بھی شہر آیا تھا۔ اسکے پاس شہر کا رخ کرنے کا ایک اور جواز بھی تھا۔ اسے ایک ایسا ہنر آتا تھا جو گاؤں کے ساتھ ساتھ شہر میں بھی کارآمد تھا۔ دراصل وہ پیشے کے اعتبار سے حجام تھا۔ اس کے خیال میں یہ پیشہ گاؤں سے زیادہ شہر میں فائدہ مند تھا۔ اس زمانے میں لوگ حجام یا نائی کے پاس صرف بال کٹوانے یا شیو بنوانے ہی نہیں جاتے تھے بلکہ جونکیں لگوانے اور چھوٹی موٹی جراحی کرانے بھی جاتے تھے۔

جونکیں لگوا کر خون چسوانے کو اس زمانے میں...... اور بعض علاقوں میں ابھی تک، بہت سے امراض کا علاج سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے خیال میں جونکیں گندا یا فاسد خون چوس لیتی ہیں تو اسکے ساتھ ہی کئی امراض بھی جسم سے نکل جاتے ہیں۔ حجام نہ صرف جونکیں لگاتے تھے بلکہ چیر پھاڑ اور مرہم پٹی کے ایسے کام بھی کرتے تھے جنہیں آج کل "مائنر سرجری" کہا جاتا ہے اور ان کے لئے بھی اچھے خاصے سرجنز کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ گیبریل جس زمانے میں اٹلی سے امریکا آیا، اس وقت تو دانت نکالنے کا کام بھی حجام کرتے تھے اور اس کے لئے دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس جانے کا کوئی تصور نہیں تھا کیونکہ الگ اور خاص طور پر دانتوں کے ڈاکٹر تھے ہی نہیں۔

تاہم گیبریل لانچ نما بحری جہاز سے اترتے ہی اپنا کام شروع نہیں کر سکتا تھا کیونکہ کوئی دکان کھولنے یا کوئی کاروباری ٹھکانہ بنانے کے لئے اس کے پاس رقم نہیں تھی۔ ان دنوں اٹلی سے امریکا کی طرف ہجرت کر کے آنے والوں کیلئے امریکی حکومت کی طرف سے صرف یہ پابندی عائد تھی کہ ان کے پاس کم از کم سترہ ڈالر موجود ہونے چاہئیں۔ ایک فیملی سترہ ڈالر میں امریکا میں دس بارہ روز گزار سکتی تھی۔

اتنے کم پیسوں کی وجہ سے بھی بعض لوگ کھیتی باڑی کا ارادہ رکھنے کے باوجود دیہی علاقوں تک کا سفر کرنے اور وہاں کام ڈھونڈنے کی ہمت ہی نہیں کر پاتے تھے۔ وہ ساحل پر اترتے ہی کام ڈھونڈنا شروع کر دیتے تھے کیونکہ زیادہ تر لوگوں کی جیب میں دس بارہ دن ہی گزارا کرنے کے لائق رقم ہوتی تھی۔ وہ ادھر ادھر بھٹکنے کا خطرہ مول ہی نہیں لیتے تھے اور جلد از جلد جو کام مل جاتا تھا، وہی شروع کر دیتے تھے۔ بے ہنر یا معمولی ہنر جاننے والے اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے زندگی اس وقت بھی کٹھن تھی۔ ہجرت اسے اور کٹھن بنا دیتی تھی۔

اطالوی تارکین وطن کو کام خود اپنی کوششوں سے بھی نہیں ملتا تھا۔ اس کے لئے بھی انہیں ٹھیکیدار کی خدمات حاصل کرنا پڑتی تھیں۔ یہ ٹھیکیدار انہیں "کم سے کم اجرت اور زیادہ سے زیادہ مشقت" کے اصول کے تحت مختلف جگہوں پر کھپاتا تھا جہاں کام چل رہا ہوتا تھا اور مزدوروں کی ضرورت ہوتی تھی۔

یہ ٹھیکیدار خود بھی نگراں، سپروائزر یا فورمین کے طور پر ایسی ہی کسی جگہ پر کام کر رہا ہوتا تھا۔ وہ جسے بھی کام دلواتا تھا، اس سے ہفتے میں ایک دن کی مزدوری نذرانے یا کمیشن کے طور پر مستقل وصول کرتا تھا۔ ہر کارکن سنیچر کی شام کو اپنی اس روز کی مزدوری، جو عموماً ایک ڈالر ہوتی تھی، اسکی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ پیر کی صبح اسے ایک عدد مرغی لے کر فورمین کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا تھا تب اسے اس ہفتے کے لئے کام شروع کرنے کا موقع ملتا تھا۔ مرغی نہ لے کر آنے کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ وہ کارکن یا مزدور اپنے آپ کو اس ہفتے کے لئے فارغ سمجھے۔ اینٹیں کمر پر لاد کر اونچائی پر پہنچانے والے مزدوروں کی اجرت دوسروں کے مقابلے میں بہتر تھی۔ انہیں دس گھنٹے کام کرنے کے ڈیڑھ ڈالر ملتے تھے۔

رقم نہ ہونے کی وجہ سے گیبریل اپنی ذاتی دکان کھولنے سے قاصر تھا اور کسی دوسرے کی دکان پر کام کر کے اس کے لئے اپنی بڑھتی ہوئی فیملی کا پیٹ پالنا بہت ہی مشکل تھا کیونکہ اس زمانے میں بال کاٹنے یا شیو بنانے کا معاوضہ صرف ایک 'نکل' ملتا تھا جو اس زمانے کا سب سے چھوٹا، یعنی سب سے کم مالیت کا سکہ تھا۔

آمدنی نہایت کم ہونے کی وجہ سے تارکین وطن رہنے کے لئے بھی کوئی ڈھنگ کی جگہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ چار ڈالر ماہانہ پر کسی عمارت میں چھوٹے چھوٹے دو کمرے مل جاتے تھے جن میں گیس اور بجلی نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی انہیں گرم رکھنے کا کوئی انتظام ہوتا تھا۔ مٹی کے تیل کے جس چولہے پر کھانا پکایا جاتا تھا، وہی اس کمرے کو گرم رکھنے کا ایک ذریعہ ہوتا تھا۔ دوسرے کمرے کو گرم رکھنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس طبقے کے لوگ کھانا پکانے یا کمرے گرم رکھنے کیلئے کوئلہ جلانے کے بھی متحمل نہیں ہو سکتے تھے حالانکہ کوئلے کی سو پونڈ کی بوری ان دنوں صرف 35 سینٹ میں ملتی تھی۔ اس کے باوجود کوئلہ استعمال کرنا گویا ایک طرح کی عیاشی تھی۔ ان دنوں کی یادیں تازہ کرتے ہوئے ایک شخص نے بہت عرصہ پہلے بتایا تھا "سردیوں میں ہمارے کمرے، باہر کھلی ہوا کے مقابلے میں ذرا ہی گرم ہوتے تھے۔ جس کمرے کو گرم رکھنے کیلئے بالکل ہی کوئی بندوبست نہیں ہوتا تھا، اس سے فریج کا کام لیا جا سکتا تھا۔ اس میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ دی جاتی تھیں جو کئی دن تک محفوظ رہ سکتی تھیں۔"

ان دنوں بارہ فٹ لمبے اور دس فٹ چوڑے ایک ایک کمرے میں بیس بیس افراد پر مشتمل فیملیز بھی رہتی تھیں۔ ایسے کمروں میں عام طور پر کسی قسم کا فرنیچر نظر نہیں آتا تھا۔ بہت ہوا تو دو بیڈ یا چارپائیاں ہوتی تھیں، ان کے سوا فرنیچر نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔

گیبریل کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اتنے زیادہ برے حالات کا شکار نہیں ہوا۔ ایک تو اس کی فیملی مختصر تھی۔ دوسرے اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے ایک مزدور کی حیثیت سے دھکے نہیں کھانے پڑے۔ اس کے پاس اپنے اصل ہنر کے علاوہ بھی ایک ہنر یا اہلیت موجود تھی۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ صرف اٹلی میں ہی نہیں، امریکا میں بھی ان پڑھ لوگ جس حجام کے پاس بال کٹوانے یا شیو بنوانے جاتے تھے، اس سے یہ توقع بھی رکھتے تھے کہ وہ انہیں، ان کے نام آنے والے خط بھی پڑھ کر سنا دے گا۔

اپنی اس "قابلیت" کی بنیاد پر گیبریل کو ایک گروسری اسٹور میں ذرا بہتر ملازمت مل گئی۔ اس ملازمت کے دوران اس نے کفایت شعاری...... بلکہ کنجوسی سے کام لیتے ہوئے اتنی رقم جمع کر لی کہ باربر کے طور پر کام کرنے کے لئے اپنی دکان کھول سکے۔ اس مقصد کے لئے اس نے پارک ایونیو کے مقام پر ایک غریبانہ سی عمارت میں چھوٹی سی دکان لے لی۔

گیبریل نے حجام کے طور پر کام شروع کر دیا۔ گزر بسر ہونے لگی۔ اس کے ہاں دوسرے اور پھر تیسرے بچے کی آمد ہوئی۔ وہ دونوں میاں بیوی اپنے بچوں کے نام تو اطالوی ہی رکھ رہے تھے لیکن وہ تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد خود بخود امریکی ہوتے جا رہے تھے۔ مثلاً ان کا پہلا بیٹا جو 1891ء میں گیبریل کی شادی کے بعد اٹلی میں ہی پیدا ہوا تھا، اس کا نام ونزو تھا لیکن امریکا آنے کے بعد وہ جمی کہلانے لگا تھا۔

1893ء میں وہ لوگ امریکا آئے تھے۔ اس کے کچھ دنوں بعد ان کا دوسرا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ انہوں نے اس کا نام رافیلو رکھا تھا مگر وہ رالف کہلاتا تھا۔ پھر 1895ء میں ان کے ہاں تیسرا بیٹا پیدا ہوا۔ انہوں نے اس کا نام سلواڈور رکھا مگر وہ فرینک کے نام سے جانا گیا۔

پھر 17 جنوری 1899ء کو منگل کے روز جبکہ موسم زیادہ سرد نہیں تھا، ٹریسا نے اپنے چوتھے بیٹے کو جنم دیا۔ اس کا نام انہوں نے الفانسو رکھا۔ کپون ان کا خاندانی نام تھا۔ یوں اس کا پورا نام الفانسو کپون ہو گیا مگر بعد میں الفانسو مختصر ہو کر صرف 'ال' رہ گیا اور اسے صرف اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ اگر کبھی اسے پورے نام سے مخاطب کرنے کی ضرورت پیش آتی تو کہا جاتا۔

7 فروری کو ٹریسا اسے بپتسمہ دلوانے چرچ لے گئی۔ صوفیہ نامی ایک خاتون، رسم کے مطابق بچے کی سرپرست بن کر ان کے ہمراہ گئی۔ اس موقع پر سرپرست بن کر ساتھ جانے والی عورت کو گاڈ مدر اور مرد کو گاڈ فادر کہا جاتا ہے۔ اس بچے پر زندگی بھر کیلئے اس عورت اور مرد کا احترام لازم ہو جاتا ہے۔

ٹریسا ایک نیک، سیدھی سادی اور گھریلو عورت تھی۔ چرچ کے سرد تہہ خانے میں اپنے بچے کو پادری سے بپتسمہ دلوانے کی مذہبی رسم کی ادائیگی کے بعد اس نے کچھ دیر عبادت کی پھر بڑی رقت قلب اور عاجزی سے دعا مانگی کہ گاڈ اس کے بیٹے کو ایک نیک اور کامیاب انسان بنائے۔

جب الکپون پیدا ہوا، ان دنوں اس کے والدین نیوی اسٹریٹ کی ایک عمارت میں رہ رہے تھے۔ یہ گلی "نیویارک نیول شپ یارڈ" سے تقریباً پانچ فرلانگ کے فاصلے پر تھی جسے قدرے تبدیلی کے ساتھ "بروکلین نیول یارڈ" کہا جاتا تھا۔

صرف نیول یارڈ ہی نہیں بلکہ اسکے آس پاس کی تمام گلیاں وغیرہ نیوی ہی کے علاقے میں شمار ہوتی تھیں اور یہ کوئی اچھا علاقہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ سستے شراب خانے، اور ان سے بھی سستے، جسم فروشی کے اڈے یہاں موجود تھے۔ راتوں کو اکثر نیوی کے ملاح شراب خانوں سے لڑکھڑاتے باہر آتے اور ادھر ادھر آوارہ گردی کرتے دکھائی دیتے تھے۔

قحبہ خانوں اور شراب خانوں کے علاوہ یہاں جسم گودنے، یعنی جسم پر ٹیٹو بنانے کی دکانیں تھیں۔ پرانی چیزیں فروخت کرنے اور رہن رکھنے کی دکانیں تھیں۔ عارضی طور پر گھوڑے کھڑے کرنے کے لئے اصطبل تھے۔ چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ایسی عمارتیں تھیں، جن میں روزانہ، ہفتہ وار اور ماہانہ بنیادوں پر کمرے کرائے پر دیئے جاتے تھے۔ جیب جتنی اجازت دے، اتنی مدت کے لئے کمرہ لیجئے اور جو دل چاہے کیجئے...... ان کمروں کو گرم رکھنے کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ شرفاء ان کمروں میں کم ہی پائے جاتے تھے۔

اطالوی اس علاقے میں بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے لیکن اتفاق سے جس طرف کپون فیملی رہتی تھی، ادھر اطالوی نہ ہونے کے برابر تھے۔ الکپون کی پیدائش کے کچھ عرصے بعد ہی گیبریل کو اپنی دکان کے اوپر ہی ایک اپارٹمنٹ مل گیا اور وہ اپنی بیوی، بچوں کو لے کر وہاں منتقل ہو گیا۔ پارک ایونیو کے علاقے میں جا کر گیبریل اپنے ہم وطنوں سے اور بھی دور ہو گیا۔

کرائے کا بوجھ کم کرنے کے لئے اس نے اپارٹمنٹ میں دو ذیلی کرائے دار بھی رکھ لئے تھے۔ ان میں سے ایک تو اس کا ہم پیشہ اور نائب تھا جو اسی کی دکان میں 'کاریگر' کے طور پر کام کرتا تھا۔ دوسرا اطالوی ہی تھا۔ وہ نیا نیا اٹلی سے آیا تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وہ سازندہ تھا اور کسی گروپ میں شامل تھا۔ وہ بھونپو نما باجا بجاتا تھا۔

اس علاقے میں ہر ملک اور قوم کے باشندے آباد تھے۔ جرمن، چینی، ہسپانوی، سویڈ، بھی پائے جاتے تھے۔ الکپون نے اپنی زندگی کے ابتدائی چھ سات برس، یعنی بچپن اسی علاقے میں گزارا۔ گویا ہوش سنبھالتے ہی اس نے اپنے اردگرد اجنبی چہرے دیکھے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ جو لوگ ایسے علاقوں میں پرورش پاتے ہیں جہاں انہیں اپنے اردگرد غیر ملکی چہرے نظر آتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اس ملک میں اجنبی محسوس کرتے ہیں۔ زندگی بھر انہیں یہی احساس رہتا ہے کہ وہ غیر ملکیوں کے درمیان رہ رہے ہیں۔ اس سرزمین سے ان کا رشتہ گہرا نہیں ہو پاتا۔ الکپون کو جرائم کی دنیا کا بے تاج بادشاہ بنانے میں شاید اس احساس نے بھی کوئی کردار ادا کیا ہو جس کی جڑیں اس کے بچپن کے دور میں پیوست تھیں۔

1881ء سے 1911ء کے درمیان جو اطالوی، امریکا آ کر آباد ہوئے ان میں سے بیشتر کپون فیملی ہی کی طرح افلاس زدہ علاقوں سے آئے تھے۔ وہ علاقے صرف معاشی طور پر ہی تباہ حالی کا شکار نہیں تھے بلکہ وہاں اور بھی طرح طرح کی شورشیں برپا تھیں۔ کسی قسم کا سیاسی استحکام نہیں تھا۔ امن و امان کی حالت تباہ تھی۔ حکومت نظر ہی نہیں آتی تھی۔ خصوصاً جنوبی اٹلی اور سسلی کا تو بہت ہی برا حال تھا۔

وہاں کے لوگوں نے اکثر چھاپے، گرفتاریاں اور بدامنی ہی دیکھی تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے اکثر اپنے ہاں غیر ملکیوں کو یلغار کرتے دیکھا تھا اور وہ انہیں ہی اپنے اکثر مسائل اور مصائب کا ذمے دار سمجھتے تھے۔ ان میں یونانی، عرب، رومن، ہسپانوی، فرانسیسی اور نارمنڈی وغیرہ کے باشندے شامل تھے۔ اطالویوں نے ان کے ہاتھوں ہمیشہ تکلیفیں ہی اٹھائی تھیں۔ چنانچہ غیر ملکیوں سے نفرت گویا ان کے کچلے ہوئے اور بدنصیب لوگوں کے خون میں شامل ہو گئی تھی۔

انہیں اپنی تاریخ سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اور انہیں اپنے ثقافتی اثاثے کے بارے میں بھی کوئی علم نہیں تھا۔ اپنے ملک کے مشہور عالم مصور اور مجسمہ ساز مائیکل اینجلو اور مونا لیزا جیسی شہرہ آفاق تصویر کے خالق لیونارڈو ڈاونچی کے بارے میں بھی ان تارکین وطن نے اپنے ملک میں کچھ نہیں سنا تھا، جو کچھ بھی سنا وہ امریکا آ کر سنا۔

وہ کولمبس کا مجسمہ دیکھتے تھے تو وہ بھی انہیں کوئی غیر ملکی غاصب لگتا تھا۔ ان کے نزدیک تاریخ بس ظلم اور ناانصافیوں سے لبریز ایک کہانی تھی۔ بروکلین میں رہنے والا ایک تارک وطن اپنے بھتیجے کو سلانے اور بہلانے کے لئے یوں کہانی سنانا شروع کرتا تھا۔ "کوئی زمانہ تھا جب سسلی میں بہت ساری زرعی زمین، حسین باغات اور جاگیریں تھیں۔ لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ طرح طرح کے پھلوں، پھولوں اور اناج کی فصلیں اگاتے تھے۔ پھر ایک غیر ملکی غاصب جنگجو آیا جو اپنے آپ کو نپولین کہتا تھا...... اور پھر سب کچھ تباہ ہو گیا......"

یہاں آ کر تارکین وطن کے لئے گویا کہانی ختم ہو جاتی تھی بلکہ کہانی کیا، ان کے نزدیک گویا کل تاریخ یہی تھی۔ اس سے پہلے، یعنی 1700ء اور 1800ء کے درمیان اٹلی کا نقشہ کچھ ایسا تھا جیسے لوگوں نے کسی بکرے کو ذبح کر کے اس کے حصے بخرے کر لئے ہوں۔ ٹانگیں ہسپانویوں کے ایک قبیلے کے پاس تھیں تو دھڑ کا کچھ حصہ دوسرے قبیلے کے پاس...... کندھے آسٹریا کے قبضے میں تھے اور درمیانی حصے پر پوپ کا قبضہ تھا۔

اطالویوں کی اپنی حکومت ملک کے بہت کم حصے پر تھی۔ اٹلی کو اگر کچھ عرصے کیلئے متحد کیا...... تو وہ بھی غیر ملکی غاصبوں نے ہی آ کر کیا اور خود ہی بڑے بڑے عہدے سنبھال لئے۔ یہ مضحکہ خیز اتحاد واٹرلو کی جنگ کے بعد ختم ہوا تو آسٹریا والوں نے اٹلی کو زبردست سیاسی خلفشار کی حالت میں چھوڑ دیا۔ مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے کہ اٹلی پر خود اطالویوں کو راج کرنے کا موقع کم ہی ملا۔ بہت بعد میں جا کر روم میں قائم ہونے والی حکومت بھی انہیں اپنی نہیں لگتی تھی کیونکہ اس نے ملک کے دوسرے حصوں میں بسنے والے لوگوں کے لئے کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ بدستور غربت، جہالت اور بدامنی کے جہنم میں زندگی گزار رہے تھے۔ ان کی شنوائی کہیں بھی نہیں تھی اور انہیں سبھی غیر لگتے تھے۔

شاید اس پس منظر کی وجہ سے بیشتر اطالویوں اور خاص طور پر سسلی کے باشندوں کی یہ فطرت سی بن گئی تھی کہ وہ سبھی کو غیر سا محسوس کرتے تھے، کسی کیلئے بھی اپنے دل میں اپنائیت محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے ہم وطنوں کو بھی اپنا محسوس نہیں کرتے تھے۔ کسی پر اعتبار نہیں کرتے تھے۔

یہ احساس شاید کمسن الکپون کو بھی اپنے والدین سے ورثے میں ملا تھا۔ ویسے بھی اس نے تو آنکھ ہی ایسے ماحول میں کھولی تھی جہاں اسے چاروں طرف "غیر" ہی غیر نظر آتے تھے۔ اس کی آئندہ زندگی میں بھی اس احساس کے اثرات نظر آتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ وطن، زبان یا مذہبی عقیدے کی بنیاد پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا تھا۔ کسی سے محبت نہیں کرتا تھا...... لیکن

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ داستان

وہ اپنے جرم کا ہر ثبوت مٹا دیتا تھا

شاید یہ ایک اچھی بات تھی کہ وہ ان بنیادوں پر کسی سے نفرت بھی نہیں کرتا تھا۔ اسکے اپنے مفادات، نظریات اور اپنے اصول تھے لیکن ایک قدرے عجیب بات یہ تھی کہ مجموعی طور پر وہ ایک سنگدل، سفاک اور بے حس انسان نظر آنے کے باوجود محض انسانی بنیادوں پر کسی کیلئے بہت مہربان اور مشفق بھی ثابت ہوسکتا تھا۔ ان عوامل نے اس کی "کامیابیوں" میں بے حد اہم کردار ادا کیا۔

☆.....☆.....☆

25 مئی 1906ء کو کبریل نے مقامی حکام کو امریکا کی شہریت کیلئے درخواست دی جس میں اس نے اس وقت کے قانونی تقاضوں کے مطابق اٹلی کی حکومت اور وہاں کے بادشاہ سے اعلان لاتعلقی کیا۔ نتھا الکپون اور اس کے دوسرے بھائی جو امریکا میں پیدا ہوئے تھے، انہیں خود بہ خود ہی امریکی شہریت مل چکی تھی۔

ٹریسا کے ہاں دو بیٹے اور پیدا ہوئے تھے۔ 1901ء میں ارمینو پیدا ہوا تھا جسے امریکا میں جون عرف جمی کے نام سے پکارا گیا۔ اس کے بعد پیدا ہونے والے بیٹے کا نام والدین نے البرٹو رکھا تھا لیکن اسے ہمیشہ البرٹ کے نام سے پکارا جاتا رہا۔

1907ء تک اس کنبے کے افراد کی تعداد آٹھ ہو چکی تھی۔ ہونی تو تو چاہئے تھی لیکن کبریل کا ایک بیٹا جمی اس دوران گھر سے بھاگ گیا تھا۔ برسوں تک اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ والدین اور بھائیوں سے اس کا کوئی رابطہ نہیں ہوا لیکن پھر ایک روز وہ بالکل فلمی انداز میں لوٹ آیا۔ اس وقت تک وہ نہ صرف جوان ہو چکا تھا بلکہ خبر اسکا میں تعلیم حاصل کر کے وکیل بن چکا تھا۔

پارک ایونیو میں مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگوں کی کھچڑی سی پکی ہوئی تھی۔ بہرحال بال کٹوانے، شیو بنوانے یا داڑھی کی کاٹ چھانٹ کرانے کی ضرورت تو سبھی کو پڑتی ہے۔ چنانچہ اس علاقے میں کبریل کا کام اچھا چل نکلا تھا۔ تاہم ٹریسا جو ابھی تک انگریزی بہتر طور پر نہیں سیکھ پائی تھی، کسی ایسے علاقے میں رہنے کی خواہش رکھتی تھی جہاں زیادہ تر اطالوی ہی آباد ہوں۔

1907ء میں ان کے مالی حالات بہتر ہوئے تو وہ بروکلین کے علاقے میں ایک بہتر گھر میں منتقل ہو گئے۔ یہاں آکر ٹریسا کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی کہ وہ اطالویوں کے درمیان رہے۔ یہ علاقہ اطالویوں کی اکثریت کی وجہ سے "لٹل اٹلی" کہلاتا تھا۔ قریب ہی آئرش لوگوں کی آبادی تھی جو "ریڈ ہک" کہلاتی تھی۔

وہ لوگ یہاں منتقل ہوئے تو کمسن الکپون کو اسکول بھی بدلنا پڑا۔ پہلے وہ "جون جے" اسکول میں پڑھ رہا تھا۔ یہاں آکر اسے "ولیم ہنٹر" اسکول میں داخلہ لینا پڑا۔ چھٹے گریڈ تک وہ اوسط درجے کا طالب علم رہا اور عموماً بی گریڈ میں پاس ہوتا رہا لیکن اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایک ذہین لڑکا تھا کیونکہ وہ پڑھائی کو اتنا وقت بھی نہیں دیتا تھا کہ بی گریڈ میں پاس ہوسکتا۔ اس کی زیادہ توجہ ہمیشہ غیر نصابی سرگرمیوں کی طرف رہتی تھی۔ کھیل کود کا اسے کافی شوق تھا۔

آخرکار اس کا یہ شوق اسکی پڑھائی پر اثر انداز ہونے لگا۔ ایک ٹرم ایسی بھی آئی جس میں اس کی صرف تیس حاضریاں تھیں جبکہ قواعد کے مطابق اس کی نوے حاضریاں ہونی چاہئے تھیں۔ اس ٹرم کا امتحان دینے پر وہ ریاضی اور گرامر میں فیل ہو گیا۔ اسے اس ٹرم کا امتحان دوبارہ دینا تھا لیکن اس کی نوبت نہیں آسکی۔

ہوا یوں کہ ایک روز اس کے ٹیچر نے اس کی بے قاعدگیوں پر اسے خوب لتاڑا۔ الکپون کی عمر اس وقت صرف چودہ سال تھی لیکن قد کاٹھ اس نے خوب نکال لیا تھا۔ اس کمسنی میں ہی اس پر شدید غصے کے دورے پڑتے تھے اور کبھی کبھی وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ اس عمر میں ہی اس کا قد پانچ فٹ سات انچ ہو چکا تھا اور وہ خوب تگڑا دکھائی دیتا تھا۔

ٹیچر جب الکپون پر زیادہ ہی گرجنے برسنے لگا تو الکپون کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ پھر ٹیچر نے کوئی ایسا لفظ بولا کہ ضبط کا دامن الکپون کے ہاتھ سے بالکل ہی چھوٹ گیا۔ اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور دوسرے ہی لمحے ایسا زوردار گھونسا ٹیچر کے جبڑے پر پڑا کہ وہ الٹ کر پیچھے جا گرا۔

توہین، ذلت کا احساس اور تکلیف تو اپنی جگہ تھی لیکن اس کی اس حرکت پر ٹیچر سخت حیرت زدہ بھی رہ گیا۔ ابھی ایسا زمانہ نہیں آیا تھا کہ شاگرد، استادوں پر ہاتھ اٹھانے لگتے..... اور وہ بھی اتنا کم عمر شاگرد.....!

اس سے پہلے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ ٹیچر جب سنبھلنے میں کامیاب ہوا تو اس نے جا کر پرنسپل کو اس واقعے سے آگاہ کیا۔ الکپون کو پرنسپل نے اپنے کمرے میں طلب کیا اور اس کے ہاتھوں پر چند بید رسید کئے گئے۔

بس..... وہ اسکول میں الکپون کا آخری دن تھا! اس کے بعد وہ کبھی اسکول گیا ہی نہیں۔

کبریل کپون کے بیٹوں میں اسکول جانے کی روایت پروان چڑھ ہی نہیں سکی تھی۔ الکپون کا بڑا بھائی فرینک تو چھٹے گریڈ تک بھی نہیں پہنچ پایا تھا۔ اس نے اس سے پہلے ہی اسکول چھوڑ دیا تھا۔ کبریل کا صرف آخری بیٹا جو 1908ء میں پیدا ہوا تھا اور جسے میتھیو کے نام سے پکارا جاتا تھا، ہائی اسکول تک پہنچنے اور وہاں کی تعلیم مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔

والدین نے الکپون کو دوبارہ اسکول بھیجنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر انہوں نے صبر کر لیا۔ الکپون اپنے والد کے ساتھ علاقے کے پول ہال میں اسنوکر اور بلیئرڈ وغیرہ کھیلنے کے لئے جانے لگا۔

کبریل کا کام اب اور اچھا چل رہا تھا۔ اس نے دو تین ملازم رکھ لئے تھے۔ وہ اب کبھی کبھار شام کو تفریح کا متحمل ہو سکتا تھا۔ پاس پڑوس کے کچھ ہم پیشہ لوگ اس کے دوست بھی بن گئے تھے۔ اس علاقے میں زیادہ تر حجام اطالوی ہی تھے۔ اطالویوں کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اچھے حجام سمجھا جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بالوں کو عمدگی سے تراشنے کا وصف ان میں قدرت کی طرف سے موجود تھا۔

الکپون اپنے باپ کے ساتھ اسنوکر وغیرہ خوب اچھی طرح کھیل لیتا تھا۔ وہ چار دیواری کے اندر کھیلے جانے والے اس قسم کے کھیلوں میں ہی ماہر نہیں تھا، بیس بال بھی بہت عمدہ کھیل لیتا تھا۔ اس کا قد کاٹھ بھی اس قسم کے کھیلوں کیلئے موزوں تھا۔ اسکول چھوڑنے کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں اس کا قد چھ فٹ کے قریب ہو گیا تھا۔

کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ بیس بال کا پیشہ ور کھلاڑی بن جاتا لیکن اس معاملے میں بھی اس کی مشتعل مزاجی رکاوٹ بن گئی تھی۔ جلد اشتعال میں آجانا اور دوسروں سے لڑ بیٹھنا اس کی عادت تھی۔ بہرحال اپنی ابتدائی عملی زندگی میں اس نے کچھ ایسے کام بھی کئے جن میں اچھا قد کاٹھ اور مضبوط جسم کام آتا تھا۔ وہ "بال روم ڈانسر" اور "بار روم باؤنسر" بھی رہا۔

بال روم اس دور کی رقص گاہیں تھیں جہاں رقص کے شائقین جمع ہوتے تھے۔ عموماً ان میں داخلے کے لئے ٹکٹ لینا پڑتا تھا۔ یہ نائٹ کلبوں کی ابتدائی شکل تھی۔ جن لوگوں کے ساتھ رقص کرنے کے لئے ساتھی یا پارٹنر نہیں ہوتا تھا، انہیں بال روم کی طرف سے ہم رقص فراہم کیا جاتا تھا جو مرد بھی ہوسکتا تھا اور عورت بھی۔ اکیلی آنے والی عورت کو مرد ہم رقص فراہم کیا جاتا تھا اور مرد کو خاتون ہم رقص۔

ظاہر ہے اس مقصد کیلئے دونوں ہی کا اچھی شخصیت کا مالک ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ عورت حتی الامکان خوبصورت اور اسمارٹ ہوتی تھی جبکہ مرد صحت مند، وجیہہ اور دراز قد..... الکپون اس پیمانے پر پورا اترتا تھا اس لئے وہ کچھ عرصہ بال روم ڈانسر کے طور پر کام کرتا رہا۔ یہ کام اپنی جگہ پرلطف بھی تھا اور معاوضہ الگ ملتا تھا۔

"بار روم باؤنسر" والی ملازمت البتہ ذرا ناخوشگوار اور مشکل تھی لیکن الکپون کی شخصیت اور مزاج اس کے لئے بھی بے حد موزوں ہوتا تھا۔ باؤنسر دراصل وہ شخص ہوتا تھا جو شراب خانے میں نشے میں دھت ہو کر الٹی سیدھی حرکتیں یا ہنگامہ کرنے والوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا تھا۔ بار کا مالک صرف اسی مقصد کے لئے اسے ملازم رکھتا تھا۔ ظاہر ہے اس کیلئے اس شخص کا بارعب، تگڑا، مضبوط اور باحوصلہ ہونا ضروری تھا۔ الکپون میں یہ تمام صفات موجود تھیں۔ اس زمانے میں باکسنگ کے عالمی چیمپئن جم جفری کا قد صرف پانچ فٹ آٹھ انچ اور وزن محض 175 پونڈ تھا۔

اس قسم کی ملازمتوں کے علاوہ الکپون نے کچھ شریفانہ ملازمتیں بھی کیں۔ وہ ایک کینڈی اسٹور میں کاؤنٹر پر سیلز مین بھی رہا اور بچوں کو چاکلیٹ، ٹافیاں اور اس طرح کی دوسری چیزیں دیتا رہا۔ بولنگ ایلی، جہاں لوگ بھاری سی بال کو انگلیوں میں پھنسا کر ایک مخصوص راستے پر پھینکتے ہیں اور لکڑی کی لمبوتری پتلی نما چیزوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں گرانے کا مقابلہ کرتے ہیں، الکپون نے وہاں بھی کام کیا۔ وہ اس مشغلے کے لئے آنے والوں کو بال اٹھا اٹھا کر پکڑاتا اور ان کا اسکور تیار کرتا رہا۔

وہ کچھ عرصہ ایک اسلحہ ساز فیکٹری میں بھی ملازم رہا جہاں اسے 23 ڈالر فی ہفتہ تنخواہ ملتی تھی۔ اس نے ایک پریس کے بائنڈنگ کے شعبے میں بھی کام کیا۔ یہ ملازمت اسے اسکے بڑے بھائی رالف نے دلائی تھی جو ایک اخبار کے پرنٹنگ پریس میں کام کرتا تھا۔

یہ سب ملازمتیں اپنی جگہ تھیں لیکن نوجوان الکپون کو زندگی کا اصل تجربہ گلی کوچوں میں حاصل ہو رہا تھا جہاں وہ کافی وقت گزارتا تھا اور بھانت بھانت کے لوگوں میں اس کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا۔

ویسے تو بروکلین کے علاقے میں رہنے والے زیادہ تر تارکین وطن اپنا کافی وقت گلی کوچوں میں ہی گزارتے تھے لیکن اطالوی کچھ زیادہ ہی گزارتے تھے۔ اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی تھی کہ ان کے گھر چھوٹے ہوتے تھے اور کنبے بڑے..... ان کی زیادہ تر سرگرمیاں گلی کوچوں میں ہی جاری رہتی تھیں اور ان کا دل بھی وہیں زیادہ لگتا تھا۔ ان کا بس چلتا تو شاید وہ کھانا کھانے اور سونے کے لئے بھی گھر نہ جاتے۔ اکثر وہ اپنی مرغوب روٹی "پزا" بھی باہر ہی کہیں کھا لیتے تھے۔ جو بھی "شغل میلہ" ممکن ہوتا تھا، وہ دوستوں اور پڑوسیوں کے ساتھ مل کر گلی کوچوں میں ہی کر لیتے تھے۔

الکپون نے جن گلی کوچوں میں ہوش سنبھالا۔ ان پر نوعمر لڑکوں کے گروہوں کا راج تھا۔ تاہم موجودہ دور کی طرح یہ گروہ خطرناک لڑکوں کے نہیں تھے۔ وہ لوگوں کو تھوڑا بہت پریشان ضرور کرتے تھے لیکن زیادہ گزند نہیں پہنچاتے تھے۔

ان میں سے بعض کی بدمعاشی محض اتنی تھی کہ اکٹھے ہو کر سینہ تان کر، دادا گیروں کے انداز میں گلیوں کا گشت کر لیا، راستے میں کسی پھل والے کا ٹھیلا یا خوانچہ الٹ دیا، کسی دکان سے پیسٹر کا ڈبا یا ڈبل روٹی اچک لی یا کسی بوڑھے کو دھکا دے دیا۔

کوئی گروہ ذرا زیادہ تعداد میں دکانوں سے مٹھائیاں، چاکلیٹ یا دوسری چیزیں اٹھا کر لے جاتا تھا۔ کچھ لڑکے پتھر مار کر کسی دکان کا شیشہ توڑ دیتے تھے۔ اسٹریٹ لائٹس کے بلب توڑنا بھی بعض لڑکوں کا مشغلہ تھا۔ کچھ لڑکے لوگوں کے گھروں کے آگے لگی ہوئی باڑھ یا پودوں کے پاس سے خشک ٹہنیاں اور پتے جمع کر کے کہیں آگ لگا دیتے تھے، آنے جانے والوں کو تنگ کرتے تھے اور خوب شور مچاتے تھے..... لیکن ایک پولیس والا بھی آجاتا تھا تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے تھے۔ یہ لڑکے گرجا گھروں کا بھی احترام نہیں کرتے تھے۔ ان کی کھڑکیوں پر بھی پتھر پھینکتے تھے اور جب اندر لوگ عبادت میں مصروف ہوتے تھے تو یہ باہر شور مچاتے تھے۔

جن لڑکوں کو گروہ بنائے ذرا زیادہ عرصہ گزر چکا ہوتا تھا وہ اپنا کلب ہاؤس بھی قائم کر لیتے تھے۔ یہ کلب ہاؤس عموماً کسی متروک اور کھنڈر نما عمارت کا کوئی کمرہ ہوتا تھا جسے یہ لوگ اپنا اڈہ بنا لیتے تھے۔ اگر ایسا کوئی مفت کا ٹھکانہ میسر نہیں آتا تھا اور دادا گیری سے بھی کام نہیں چلتا تھا تو معمولی کرائے پر کوئی چھوٹا موٹا کمرہ لے لیتے تھے۔ سگریٹ نوشی اور کپ بازی کا شغل بھی ہو جاتا تھا۔ ان لڑکوں میں ان دنوں سگریٹ کا ایک برانڈ سب سے زیادہ مقبول تھا۔ اس کا نام "امریکن بیوٹی" تھا۔ ایک پیٹی میں یہ چار سگریٹ مل جاتے تھے اور گیارہ بارہ سال کے لڑکے اس کے کش لگا کر اپنے آپ کو بہت بڑا بدمعاش محسوس کرتے تھے۔

لڑکے صرف مختلف مشاغل کے لئے ہی گروہ میں شامل نہیں ہوتے تھے بلکہ گروہ کا ممبر بن کر انہیں ایک قسم کے تحفظ کا بھی احساس ہوتا تھا۔ اکیلے دکیلے لڑکے کو مار پیٹ اور لڑائی جھگڑے سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا۔ آئرش لڑکوں پر تو کچھ زیادہ ہی نزلہ گرتا تھا۔ وجہ شاید وہی نفسیاتی تھی۔ اطالویوں کو وہ کچھ زیادہ ہی "غیر" لگتے تھے۔ بہرحال..... دس بارہ سال یا اس سے کچھ زیادہ عمر کے ایک لڑکے کو اوسطاً ہفتے میں دو تین مرتبہ تو ضرور لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ سے واسطہ پڑتا تھا۔ یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ کمزور لڑکے کو طاقتور لڑکے گھیر کر مارتے۔ بعض اوقات تو جاندار لڑکا زیادہ نشانہ بنتا تھا۔ اگر کسی تگڑے لڑکے کا کسی گروہ سے تعلق نہیں ہوتا تھا تو اس کی ذات دوسروں کے لئے گویا ایک قسم کا "چیلنج" ہوتی تھی۔ اسے سبق سکھانا زیادہ ضروری ہو جاتا تھا۔

"ایک کے مقابلے میں ایک" والی لڑائیاں بھی ہوتی تھیں اور گروہوں کے درمیان بھی تصادم ہو جاتا تھا۔ گروہوں میں تصادم عام طور پر ایک دوسرے کی حدود میں مداخلت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کوئی گروہ دوسرے گروہ پر اپنی طاقت کی دھاک بٹھانے کے لئے بھی اس پر چڑھ دوڑتا تھا۔

آئرش لڑکے بھی لڑائی بھڑائی میں تیز تھے۔ بعض اوقات تو وہ صرف شغل کی خاطر دوسروں سے ٹکراتے تھے۔ یہودی لڑکوں کے گروہ عموماً صرف اپنے دفاع کیلئے لڑتے تھے لیکن وہ اپنے علاقے میں دوسروں کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ کوئی غیر یہودی لڑکا اگر ضرورتاً یا یونہی بے مقصد بھی ان کے علاقے سے گزرتا تھا تو وہ اس سے بھی الجھ جاتے تھے اور اسے وہاں سے بھگا دیتے تھے۔ اس دور کی یادیں تازہ کرنے والوں اور یادداشتیں رقم کرنے والوں کی تحریروں سے ان سب باتوں کی تصدیق ہوتی ہے اور اس دور کے ریکارڈ کھنگالنے سے ان تمام حالات کی تصویر سامنے آتی ہے۔

الکپون کا شمار بھی اپنی عمر کے حساب سے تگڑے لڑکوں میں ہوتا تھا۔ تحفظ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے وہ بھی نوعمری میں ہی ایک گروہ میں شامل ہو گیا جس کا نام "ساؤتھ برو کلین" ریپرز" تھا۔ کافی بعد میں جا کر ایک جھگڑے میں اس کے چہرے پر زخم کا ایک لمبا سا نشان آگیا تھا جس کی وجہ سے وہ "اسکارفس" کی عرفیت سے بھی مشہور ہوا..... یعنی ایسا آدمی جس کے چہرے پر زخم کا نشان موجود ہو۔ اگر وہ اپنے پرانے محلے میں رہ رہا ہوتا تو شاید اس کے چہرے پر بہت پہلے زخم کا نشان آچکا ہوتا کیونکہ وہاں کا ماحول زیادہ خطرناک تھا۔

وہ جس گروہ میں شامل ہوا اس میں گیارہ سال تک کی عمر کے لڑکے بھی موجود تھے۔ یہ لوگ زیادہ مین ہٹن کے زیریں مشرقی علاقے میں منڈلاتے تھے جہاں الکپون کا بھائی رالف بھی سرگرم عمل تھا اور چوری کی ایک گاڑی بیچنے کے چکر میں پولیس کی نظر میں بھی آچکا تھا۔

الکپون نے ایک انفرادیت یہ بھی قائم کی کہ کچھ دنوں بعد وہ ایک اور گروہ میں بھی شامل ہو گیا جو "چالیس چور" کہلاتا تھا۔ یہ نام "علی بابا چالیس چور" والی کہانی سے لیا گیا تھا۔ الکپون شاید اس علاقے کا واحد لڑکا تھا جو بیک وقت دو گروہوں کا ممبر تھا۔ اس کی دوسرے گروہ کی ممبر شپ زیادہ اہمیت کی حامل تھی کیونکہ "چالیس چور" درحقیقت ذرا بڑی عمر کے لڑکوں اور نوجوانوں کے گروہ کی ایک شاخ یا ذیلی گروہ تھا۔ اس کا ممبر بننے کے بعد، آگے چل کر پندرہ سولہ سال کی عمر میں سینئر لڑکوں کے گروہ کا ممبر بننا بالکل آسان تھا۔ یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے آپ ایک ایسے اسکول کے پرائمری سیکشن میں پڑھ رہے ہیں جس میں سیکنڈری سیکشن بھی موجود ہے۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد آپ آسانی سے اسی اسکول کے سیکنڈری سیکشن میں چلے جائیں گے۔

اس زمانے میں نیویارک اور شکاگو وغیرہ میں بڑی تعداد میں کمسن اور ذرا بڑی عمر کے نوجوانوں کے گروہ موجود تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان شہروں میں اس سے بھی تقریباً سو سال پہلے یعنی 1800ء کے آغاز سے ہی گروہ بازی کا رواج شروع ہو گیا تھا۔ گلی کوچوں میں چھوٹوں اور بڑوں کے، طرح طرح کے گروہ پائے جانے لگے تھے جن میں سے بیشتر کی سرگرمیاں کافی حد تک مجرمانہ تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ رجحان بڑھتا گیا اور گروہوں کی سرگرمیاں بھی زیادہ سے زیادہ خطرناک ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ کتنی ہی قسم کی مافیائیں وجود میں آگئیں جو اتنی مضبوط ہو گئیں کہ حکومتوں کے لئے بھی اپنے تمام تر وسائل کے باوجود ان سے نمٹنا مشکل ہو گیا۔

الکپون کے لڑکپن کے دور میں بھی اس کے چاروں طرف کتنے ہی گروہ موجود تھے۔ جب وہ دو گروہوں کا ممبر بن گیا تو کچھ گمنام سا ہو گیا۔ اس کے بعد کے خاصے طویل دور میں اس کی موجودگی اور سرگرمیوں کا کوئی خاص سراغ نہیں ملتا۔ البتہ جب اس نے جرائم کی دنیا میں کافی کامیابیاں حاصل کر لیں اور وہ کافی "مشہور" ہو گیا تو اس کے لڑکپن کے دور کے کئی شناسا اس کا وہ زمانہ یاد کر کے بڑی حیرت سے کہتے تھے۔ "ارے..... یہ وہ الکپون ہے! یہ تو کوئی ایسا غیر معمولی لڑکا نہیں ہوا کرتا تھا۔ عام سا لڑکا تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ اتنی بڑی چیز بن جائے گا.....!"

اس دور کے دو گروہوں کے سربراہوں کا مختصر تذکرہ ضروری ہے کیونکہ الکپون کی آئندہ زندگی میں ان کا کردار خاصی اہمیت کا حامل رہا۔ ان میں سے ایک کا نام جان ٹوریو تھا۔ جان ٹوریو جسمانی طور پر کوئی طاقتور یا لحیم شحیم آدمی نہیں تھا البتہ اس کے پاس ایک تیز و طرار اور شاطر دماغ ضرور موجود تھا اور اس دماغ کے سہارے ہی اس نے اپنا گروہ منظم کیا اور جرائم کی دنیا میں پاؤں جمائے۔

جان ٹوریو 1882ء میں اٹلی کے شہر نیپلز سے ساٹھ میل دور ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ وہ دو سال کا تھا جب اس کی ماں ماریا اسے گود میں اٹھائے ہجرت کر کے نیویارک پہنچی۔ اس کا شوہر اس سے پہلے ہی ایک حادثے میں مارا جا چکا تھا۔

نیویارک آنے کے بعد ماریا دو سال تک اپنے بھائی کے پاس رہی اور ایک فیکٹری میں سلائی کا کام کر کے اپنا اور اپنے بچے کا پیٹ پالتی رہی۔ پھر اس نے کپوٹو نامی ایک آدمی سے شادی کر لی۔

جان ٹوریو بچپن ہی سے بے پناہ شاطر اور چرب زبان تھا۔ وہ موقع محل کی مناسبت سے کوئی بھی کہانی فوری طور پر گھڑ کر سنا سکتا تھا جو اس کے حق میں مفید ثابت ہوتی۔ وہ جب چاہتا، مظلوم بن کر سامعین یا کسی عدالت کے جج کی ہمدردیاں حاصل کر سکتا تھا اور جب چاہتا، کسی معاملے میں قصوروار ہونے کے باوجود اپنی چرب زبانی سے خود کو بے قصور ثابت کر سکتا تھا۔

تقریباً چھ سال کا ہونے کے بعد اس نے صرف تیرہ ماہ تعلیم حاصل کی۔ اس کا سوتیلا باپ ایک ایسی دکان چلاتا تھا جو باہر سے گروسری اسٹور، یعنی سودے سلف کی دکان نظر آتی تھی لیکن اندر وہ گاہکوں کو شراب پلاتا تھا جو غیر قانونی طریقے سے تیار کی گئی ہوتی تھی اور جس پر کوئی ٹیکس ادا نہیں کیا جاتا تھا۔ پینے والوں کو یہ شراب بہت سستی مل جاتی تھی۔

جان ٹوریو اپنے باپ کے گروسری اسٹور کی آڑ میں چلنے والے اس خفیہ شراب خانے میں سات سال کی عمر میں ویٹر کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی "تربیت" کس عمر سے شروع ہو گئی تھی۔ اس شراب خانے پر چھاپہ پڑا تو سات سالہ جان ٹوریو نے خود اپنے باپ کے خلاف گواہی دی اور رقت آمیز لہجے میں عدالت کو بتایا کہ وہ اپنے سوتیلے باپ کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔

(جاری ہے)

جان ٹوریو کا بچپن اور لڑکپن جیسے تیسے بیت گیا۔ 1901ء میں وہ جب اُنیس سال کا تھا تو باکسنگ کا پروموٹر بن گیا۔ نیویارک میں ان دنوں صرف شوقیہ طور پر باکسنگ کی اجازت تھی۔ پیشہ ورانہ طور پر، یعنی معاوضہ لے کر باکسنگ لڑنا ممنوع تھا۔ ظاہر ہے، اس صورت میں ایسے مقابلے بھی منعقد نہیں ہو سکتے تھے جن کے ٹکٹ فروخت ہوتے۔

مقامی انتظامیہ نے یہ پابندی اسلئے عائد کی تھی کہ بیچ فکسنگ کا دھندہ شروع نہ ہو لیکن جان ٹوریو ایسا "فنکار" تھا کہ وہ شوقیہ باکسنگ کی آڑ میں بھی بیچ فکسنگ کرتا تھا۔ یہ کام وہ ایک اور آدمی کے تعاون سے کرتا تھا جس کا نام میکارتھی تھا۔ دکھاوے کیلئے انہوں نے شوقیہ باکسرز کا ایک کلب بنایا ہوا تھا۔ اس کی آڑ میں وہ باکسنگ کے مقابلوں کی تشہیری مہم چلا سکتے تھے اور پوسٹر وغیرہ چھاپ سکتے تھے۔

اس دھندے میں کچھ مال کمانے کے بعد ٹوریو نے جیمس اسٹریٹ پر ایک بار خرید لیا۔ اس بار سے کچھ کمائی ہوئی تو اس نے قریب ہی واقع چھوٹی سی ایک عمارت ٹھیکے پر لے لی جو ایک ایک کمرے کے فلیٹوں پر مشتمل تھی۔ اس عمارت کو اس نے جسم فروش عورتوں سے بھر دیا۔ اس کے شراب خانے میں جس قسم کے لوگوں کی آمد و رفت تھی یا ویسے بھی اس سے جو لوگ ملنے ملانے آتے تھے، ان کو دیکھتے ہوئے جان ٹوریو کیلئے یہی دھندہ مناسب تھا۔ وہ تقریباً سب کے سب ایسی عورتوں کے طلبگار تھے۔

ایسے لوگوں کی تعداد بڑھانے کے لئے اس نے جلد ہی ایک قریبی اسٹور خرید کر اسے پول ہال میں تبدیل کر دیا۔ یوں گویا اس کی ایک چھوٹی سی سلطنت بنتی جا رہی تھی۔ اس قسم کی چھوٹی بڑی سلطنتوں کو چلانے کے لئے خاص طرح کے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے پاس پہلے ہی اس قسم کے لوگ موجود تھے۔

وہ نوجوانوں کے ایک گروہ کے سرغنہ کا نائب تھا جو "فائیو پوائنٹس" کہلاتا تھا۔ اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ الکپون کم عمر لڑکوں کے ایک گروہ کا ممبر بنا تھا جو "چالیس چور" کہلاتا تھا۔ یہ گروہ درحقیقت نوجوانوں کے ایک گروہ کی شاخ تھی۔ ایک طرح سے اس کا ذیلی گروہ تھا۔ نوجوانوں کا وہ گروہ جو ذرا اونچی اور برتر قسم کی چیز تھا، درحقیقت اسی کا نام "فائیو پوائنٹس" تھا۔ گویا "چالیس چور" میں شامل لڑکے جونیئر تھے اور "فائیو پوائنٹس" میں شامل نوجوان سینئر..... جان ٹوریو اسی "فائیو پوائنٹس" کا کرتا دھرتا تھا۔

ٹوریو کے کاروبار کی جو نوعیت تھی، ظاہر ہے اس قسم کے گروہوں کی مدد سے اسے بہت ہی "اچھے" طریقے سے چلایا جا سکتا ہے۔ ٹوریو اس قسم کے نوجوانوں کو دھندے سے لگائے رکھتا تھا۔ جیمس اسٹریٹ ایسی جگہ تھی جہاں بہ وقت ضرورت اس قسم کے مزید نوجوان بھی آسانی سے دستیاب تھے۔ ضرورت پڑنے پر ٹوریو اس طرح کے مزید نوجوانوں کو بھی بھرتی کر لیتا تھا۔

اس قسم کے لڑکوں کا وہ بہت اچھا سرپرست تھا۔ وہ نہ صرف انہیں "روزگار" فراہم کرتا تھا بلکہ روزگار کو ترقی اور وسعت دینے کے سلسلے میں انہیں "رہنمائی" بھی فراہم کرتا تھا۔ چوری چکاری اور لوٹ مار کے ذریعے وہ لڑکے جو چیزیں سمیٹ کر لاتے تھے، جان ٹوریو انہیں ٹھکانے لگانے کا بندوبست بھی کر دیتا تھا۔

یوں اس کی ان مخصوص حلقوں میں بڑی "عزت" تھی۔ بے ایمانی کے کام وہ بڑی ایمانداری سے کرتا تھا۔ ناجائز دھندوں کے معاملے میں وہ بڑا بااصول تھا۔ ہر ایک کو اس کا مناسب حصہ دیتا تھا۔ کبھی کسی کا "حق" مارنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ جو وعدہ کرتا تھا، اسے پورا کرتا تھا۔ کسی کو دھوکا دینے یا کسی کا مال ہضم کرنے کی قطعی کوشش نہیں کرتا تھا۔

اس کا ایک اصول تھا جس پر وہ زندگی بھر کاربند رہا۔ وہ اصول یہ تھا۔

"مل بانٹ کر کھاؤ تو سب کو کھانے کے لئے بہت کچھ مل جائے گا۔"

بہت کم گروہوں کے سرغنہ اس خیال کے حامی تھے۔ جان ٹوریو کو اور بھی بہت سی باتوں کی وجہ سے اپنے جیسے لوگوں پر برتری حاصل تھی حالانکہ جسمانی طور پر وہ قطعی برتر نظر نہیں آتا تھا۔ وہ سوکھے سے چہرے اور چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیروں والا ایک دبلا پتلا سا آدمی تھا لیکن اس کی چھوٹی سی کھوپڑی میں بہت بڑا دماغ چھپا ہوا تھا۔

وہ بلا کا شاطر تھا اور بے حد مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ کمزور نظر آنے کے باوجود جب وہ برہمی کی نظر سے کسی لمبے تڑنگے، مضبوط اور طاقتور آدمی کی طرف دیکھتا تھا تو وہ اپنی جگہ گویا سکڑ سمٹ جاتا تھا اور چوہا سا دکھائی دینے لگتا تھا۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ کس سے کب تک تعلق برقرار رکھنا چاہئے، کب اسے لات مار کر بھگا دینا چاہئے، کب کس سے نئے رابطے استوار کرنے چاہئیں اور کب تعلق توڑ کر منہ پھیر لینا چاہئے۔ کم و بیش یہی خصوصیات ایک بڑے اور کامیاب کاروباری آدمی میں پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہی تھا کہ جان ٹوریو ایک گروہ باز تھا اور اس کے بیشتر دھندے غیر قانونی تھے..... لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یہ لوگ انہی دھندوں کو اپنا کاروبار سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو ذرا الگ طرح کا "بزنس مین" ہی سمجھتے تھے۔

جان ٹوریو مین ہٹن کے زیریں علاقے میں اپنے دھندے چلا رہا تھا۔ "فائیو پوائنٹس" میں اس کی پوزیشن تقریباً باس ہی کی تھی لیکن اصل باس پال کیلی تھا۔ تاہم پال کیلی بھی جان ٹوریو کا احترام کرتا تھا اور اس کی قدر کرتا تھا۔ درحقیقت دونوں ہی نے ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھا تھا کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف خصوصیات کے مالک تھے۔

پال کیلی بھی کوئی دراز قد آدمی تو نہیں تھا لیکن وہ نہایت مضبوط، ٹھوس اور ورزشی جسم کا مالک تھا۔ وہ عمدہ سوٹ پہنتا تھا، عمدہ موسیقی سنتا تھا اور معیاری قسم کے گانے گنگناتا تھا جو نہایت باذوق شرفاء میں پسند کئے جاتے تھے اور اوپیرا میں گائے جاتے تھے۔ وہ انگریزی اور اطالوی کے علاوہ ہسپانوی اور فرانسیسی بھی بول لیتا تھا۔ غرضیکہ وہ مکمل طور پر ایک معزز آدمی دکھائی دیتا تھا۔

جان ٹوریو نے اس سے یہی طور طریقے سیکھے تھے اور اس کی دیکھا دیکھی وہ بھی عمدہ لباس پہننے اور معزز نظر آنے کی کوشش کرنے لگا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ جو گروں جیسا لباس پہنتا تھا۔ بڑے چیک کا سوٹ پہن لیتا تھا، سر پر ترچھی پی کیپ رکھ لیتا تھا اور نوکیلے جوتے پہن لیتا تھا۔ اس کا قصور نہیں تھا۔ اس دور کے زیادہ تر بدمعاش اسی قسم کا لباس پہنتے تھے اور اسی کو اپنے شایان شان سمجھتے تھے۔

ایک تیسرا آدمی ایسٹ مین تھا۔ وہ اس دور کا ایک روایتی قسم کا گینگ لیڈر تھا۔ قد تو اس کا صرف ساڑھے پانچ فٹ تھا لیکن خوب ٹھوس، ورزشی جسم کا مالک تھا۔ آدمی کیا تھا، پتھر کی چلتی پھرتی سل معلوم ہوتا تھا۔ وہ بڑے فخر سے کہا کرتا تھا کہ عورت کے منہ پر گھونسا رسید کرنے سے پہلے وہ اپنے ہاتھ پر سے پیتل کا خول ضرور اتار لیتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ اس کی رحمدلی اور شائستگی کا بہت واضح ثبوت تھا۔ اپنی رحمدلی اور شائستگی کا مزید ثبوت وہ یہ دیتا تھا کہ عورت خواہ اسے کتنا بھی غصہ دلاتی لیکن وہ اسے ڈنڈے سے نہیں پیٹتا تھا۔ مردوں کی بات اور تھی۔ اپنے ہاتھ پر پیتل کا مخصوص خول چڑھا کر وہ ان کے جبڑے توڑ سکتا تھا۔ کھوپڑی پچکا سکتا تھا اور ڈنڈے سے ان کی باقی ہڈیاں توڑ سکتا تھا۔

ایسٹ مین کے گروہ کی "فائیو پوائنٹس" گروہ سے مستقل دشمنی تھی اور ان کے درمیان آئے دن میدان کارزار گرم رہتا تھا۔ ایک دوسرے کی حدود کی خلاف ورزی اکثر اس جنگ و جدل کی وجہ بنتی تھی۔ ایک بار تو تصادم کچھ زیادہ ہی سنگین ہو گیا۔ خوب گولیاں چلیں۔ تین آدمی مر گئے اور بیس سے زیادہ زخمی ہو گئے جن میں چند راہ گیر بھی شامل تھے جو بیچارے بروقت کسی چیز کی آڑ نہیں لے سکے تھے۔

پولیس چیف پر زلہ گرا۔ اس نے تھوڑی بہت پکڑ دھکڑ کی اور پھر دونوں گروہوں میں جلدی سے "جنگ بندی" کرائی۔ یہ جنگ بندی زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہو سکی۔ اسکے بعد بھی گاہے گاہے "سرحدی جھڑپیں" ہوتی رہیں۔

جان ٹوریو نے محسوس کیا کہ حالات بدستور خرابی کی طرف جا رہے تھے اور ان میں بہتری کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ بنیادی طور پر جرائم کی دنیا کا ایک کافی حد تک امن پسند "بزنس مین" تھا۔ اس نے اپنے جیمس اسٹریٹ والے اثاثے فروخت کر دیئے۔ اپنے کارکنوں کو خدا حافظ کہا اور پال کیلی سے اجازت طلب کی۔ بوجھل دل کے ساتھ اس علاقے کو خیرباد کہہ کر اس نے بروکلین کا رخ کیا۔ اسے اُمید تھی کہ وہاں رہنے والے اطالوی اس کیلئے نسبتاً بہتر لوگ ثابت ہوں گے اور وہ وہاں امن سکون سے "بزنس" کر سکے گا۔

امریکا میں اور خصوصاً نیویارک میں اطالویوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ تقریباً سو سال سے ان کی ہجرت کا سلسلہ جاری تھا۔ 1875ء تک ہجرت کر کے آنے والے ان لوگوں کے ساتھ امریکا کا رویہ ہمدردانہ اور مشفقانہ تھا۔ وہ اُن لٹے پٹے لوگوں کو مظلوم سمجھتا تھا اور انہیں آسانیاں فراہم کرنے کی اپنی سی کوشش کرتا تھا۔ یہاں کے لوگ انہیں اپنے معاشرے میں سمونے سے بھی گریزاں نہیں ہوئے۔ اٹلی میں ان کے دو بڑے لیڈر غیر ملکی تسلط سے چھٹکارے کیلئے جدوجہد کر رہے تھے، اسے امریکا میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ امریکی شاید یہ محسوس کرتے تھے کہ اطالوی معاشرہ بھی شکست و ریخت کے اسی عمل سے گزر رہا تھا جس سے امریکا گزر چکا تھا۔

امریکا میں دوسرے تارکین وطن کیخلاف بعض اوقات ردعمل شروع ہو جاتا تھا لیکن اطالویوں کے خلاف نہیں ہوتا تھا۔ انہیں گویا غیر ملکی محسوس ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ امریکیوں میں ان کے لئے اپنائیت پائی جاتی تھی۔ ان میں سے بعض تو وہاں کے مشاہیر بھی تھے اور بعض نے امریکا آنے کے بعد آرٹ، موسیقی، اداکاری اور دوسرے شعبوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ ہجرت کر کے آنے والوں کی تعداد روز بہ روز بڑھتی گئی۔

شروع شروع میں اطالوی مسکینوں اور مظلوموں ہی کی طرح رہے۔ ان میں سے بیشتر ان پڑھ اور باقی نہایت کم پڑھے لکھے ہوتے تھے۔ انہیں کوئی خاص ہنر بھی نہیں آتا تھا۔ ان کے اور دیگر تارکین وطن کے آنے سے روزگار کے مسائل بھی پیدا ہوئے لیکن اطالوی ہر حال میں بقاء کی جنگ لڑنا جانتے تھے۔ وہ سب سے کم اجرت پر ہر کام کرنے کیلئے تیار رہتے تھے۔ گلیوں کی نالیاں اور گندگی تک صاف کر لیتے تھے۔ کچرے کے ڈھیروں کو بھی کریدتے رہتے تھے اور ان میں سے جو ذرا بھی کام کی چیزیں مل جاتی تھیں، انہیں جمع کر کے کباڑیوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے۔ لوگ جو چیزیں بے کار سمجھ کر پھینک دیتے تھے، وہ ان کے لئے کارآمد ہو جاتی تھیں۔

امریکیوں کو ان سے اسلئے بھی ہمدردی محسوس ہوتی تھی کہ انہوں نے اس سے پہلے کسی سفید فام قوم کو اتنے زیادہ برے حال میں اور اتنے زیادہ مصائب کا شکار نہیں دیکھا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اگر اعداد و شمار کے حساب سے دیکھا جاتا تو جرائم میں ملوث ہونے کا اطالویوں کا تناسب دیگر قوموں کے تارکین وطن کے مقابلے میں کم تھا لیکن وہ چونکہ تعداد میں ان سب لوگوں سے کہیں زیادہ تھے۔ اسلئے جرائم میں ملوث ہونے اور گرفتار ہونے والے ان کے لوگوں کی تعداد بھی زیادہ محسوس ہوتی تھی۔

ان باتوں اور روزگار کے مواقع کم ہو جانے کی وجہ سے 1891ء میں ایکبارگی اطالویوں کیخلاف امریکیوں میں غم و غصہ بھی پیدا ہو گیا۔ اطالویوں کے لئے ان کی محبت اور شفقت ان دنوں نفرت میں بدل گئی اور نیو آرلینز میں ان کے ایک کیمپ پر حملہ ہو گیا۔ کیمپ کو آگ لگا دی گئی۔ کئی اطالوی مارے گئے۔

صرف یہی نہیں بلکہ غم و غصہ اس حد تک بڑھا کہ ایک جیل پر بھی حملہ کر دیا گیا جہاں اطالوی قید تھے۔ وہاں نو اطالوی مافیا گیروں کو گولی مار دی گئی اور دو کو پھانسی دے دی گئی۔ ہجوم نے قانون کو مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ان دنوں شاید اطالویوں کو اندازہ ہوا ہو کہ امریکیوں کی محبت کو نفرت میں بدلتے دیر نہیں لگتی۔

بہرحال ان کیفیات میں مدوجزر آتا رہتا تھا۔ اسی ماحول میں جان ٹوریو نے بروکلین کے علاقے میں منتقل ہو گیا۔ ایک مارکیٹ کے قریب اس نے ایک عمارت کے سیکنڈ فلور پر اپنا دفتر بنا لیا جس کی کھڑکی کے بڑے سے شیشے پر پیتل کے موٹے موٹے حروف میں "جان ٹوریو ایسوسی ایشن" کا نام چمکتا تھا۔ محض نام سے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ جان ٹوریو ایسوسی ایشن کیا کام کرتی تھی لیکن پیتل کے بڑے بڑے چمکتے حروف اور دفتر کے رکھ رکھاؤ سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا مالک ایک خوشحال آدمی تھا۔ جو لوگ جان ٹوریو کے پس منظر سے واقف ہوں گے، شاید وہ اس کا دفتر دیکھ کر سوچتے ہوں کہ ناجائز دھندوں میں بہرحال کمائی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ زندگی کی دوڑ میں آگے آنے کیلئے بعض اطالوی ناجائز دھندوں اور جرائم کے راستوں کو کچھ زیادہ برا نہیں سمجھتے تھے۔

جان ٹوریو نے جہاں اپنا آفس قائم کیا تھا وہاں سے الکپون کے باپ گیبریل کی باربر شاپ دور نہیں تھی۔ ممکن ہے ٹوریو بال کٹوانے وہاں جاتا ہو اور الکپون نے کبھی اسے دیکھا ہو لیکن اس کے ساتھ رابطہ استوار ہونے سے پہلے ایک اور شخص الکپون کو عملی زندگی میں لانے کا ذریعہ بنا۔

اس کا نام فریک ییل تھا۔ ییل (YALE) امریکا کی ایک قدیم اور نہایت مشہور یونیورسٹی کا بھی نام ہے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ ان دنوں شراب خانوں، نائٹ کلبوں اور اس طرح کی دوسری تفریح گاہوں کے نام بڑی اور مشہور درسگاہوں کے نام پر بھی رکھ دیئے جاتے تھے۔ مثلاً ساؤتھ بروکلین کے علاقے کے سب سے مقبول نائٹ کلب کا نام "کالج ان" تھا۔

انہی دنوں فریک ییل نے ایک شراب خانہ کھولا۔ غنیمت تھا کہ اس نے اپنے نام پر اس کا نام "ییل بار" نہیں رکھ دیا۔ تاہم اس نے ایک دوسری بڑی درسگاہ کو نہیں بخشا۔ اس نے شراب خانے کا نام "ہارورڈ ان" رکھ دیا۔ ہارورڈ بھی، ظاہر ہے ایک بڑی اور قدیم یونیورسٹی کا نام ہے۔

ییل نے یہ شراب خانہ 1917ء میں کھولا تھا۔ اس وقت وہ چونتیس سال کا تھا۔ ییل دراصل اسی گینگ کا آدمی تھا جس کی چھوٹی شاخ میں الکپون شامل ہوا تھا۔ اسی گروہ کی بڑی شاخ میں الکپون کو لانے والا ییل ہی تھا اور جب اس نے یہ خاصا بڑا شراب خانہ کھولا تو اس میں بار ٹینڈر کے طور پر الکپون کو رکھا جو اس وقت اٹھارہ سال کا تھا!

کمسن لڑکوں اور پھر نوجوانوں کے گروہ میں شامل ہونے کے بعد الکپون نے مسلسل ایک پرخطر زندگی ہی گزاری تھی۔ زیادہ تر اسے ایسے ہی حالات کا سامنا رہا تھا جب رگوں میں لہو گرم ہی رہتا ہے۔ شاید اسی لئے وہ وقت سے کچھ پہلے ہی جوان ہو گیا تھا اور ذہن میں پختگی آ گئی تھی۔

ییل نے اسے جس عملی زندگی میں ڈالا تھا، اس میں بھی ہر دم خطرات ہی خطرات اور اعصابی تناؤ سے واسطہ تھا۔ ییل کا گروہ "فائیو پوائنٹس" تو کافی حد تک زوال کا شکار تھا لیکن اس کا کاروبار تیزی سے ترقی کرنے لگا۔ اس نے خاصی تیزی سے اسے پھیلا لیا اور کئی دوسرے دھندے بھی شروع کر دیئے۔

اس نے ایک عمارت میں ایک سردخانہ قائم کر لیا جس میں عارضی طور پر اور اضافتاً لاشیں محفوظ رکھی جا سکتی تھیں۔ گھوڑوں پر شرطیں لگوانے اور سٹہ کھلانے کا کام شروع کر دیا۔ اسکے زیر انتظام تقریباً ہر کھیل پر سٹہ کھیلا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک چھوٹا سا نائٹ کلب بھی کھول لیا۔

بنیادی طور پر یہ تمام دھندے ایسے تھے جو طاقت اور بدمعاشی کے سر پر چلتے تھے۔ صرف یہی نہیں، ییل نے وہ دھندہ بھی شروع کر دیا تھا جو براہ راست ہی طاقت اور بدمعاشی کے ذریعے چلتا تھا۔ یہ دھندہ بھتہ خوری کا تھا۔ بھتے کو معززانہ نام دینے کیلئے "پروٹیکشن منی" یعنی تحفظ فراہم کرنے کا معاوضہ کہا جاتا تھا۔

علاقے میں کام یا کاروبار کرنے والے لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ انہیں کوئی پولیس والا، کسی محکمے کا کوئی آدمی، کوئی غنڈہ بدمعاش یا کسی دوسرے گروہ کا آدمی تنگ نہیں کرے گا مگر اس کیلئے انہیں ایک مقررہ معاوضہ باقاعدگی سے ییل کے گروہ کو ادا کرنا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ ییل کا گروہ کاروبار کرنیوالوں کو ان لوگوں کے شر سے ہر ممکن حد تک بچاتا تھا لیکن درحقیقت یہ معاوضہ خود ییل کے گروہ کے شر سے بچنے کے لئے ہوتا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ اگر انہوں نے بھتہ نہ دیا تو انہیں خواہ کسی پولیس والے، کسی محکمے کے آدمی یا کسی دوسرے گروہ کے آدمی کے ہاتھوں تکلیف پہنچے یا نہ پہنچے لیکن ییل کا گروہ ضرور انہیں سبق سکھائے گا۔

ییل نے تو بھتہ اور کمیشن بٹورنے کا ایک نیا طریقہ بھی ایجاد کیا تھا۔ وہ علاقے کے برف فروشوں اور اس طرح کی بعض دوسری اشیائے ضرورت بیچنے والے تاجروں سے مل کر ان چیزوں کی قیمت اس سے کچھ زیادہ مقرر کرا دیتا تھا جتنی درحقیقت ہونی چاہئے تھی۔ اس طرح تاجروں اور دکانداروں کو کچھ ناجائز منافع خوری کا موقع مل جاتا تھا۔ انہیں جو اضافی رقم حاصل ہوتی تھی، اس میں سے کچھ حصہ وہ ییل کے گروہ کو پہنچا دیتے تھے۔ دونوں کو، بیٹھے بٹھائے فائدہ ہو جاتا تھا۔

ییل کا گروہ شریفانہ اور جائز کاروبار یا تجارت کرنے والوں سے ہی نہیں، مشکوک، معیوب اور ممنوع قسم کے دھندے کرنے والوں سے بھی بھتہ وصول کرتا تھا۔ ییل کے اپنے کچھ جائز اور قانونی بزنس بھی تھے لیکن وہ انہیں بھی بدمعاشی اور طاقت کے بل پر چلاتا تھا۔ مثلاً اسکے پاس بعض برانڈ کے سگاروں کی ایجنسیاں تھیں۔ وہ علاقے کے تمام سگار اسٹورز پر اپنے سگار بکواتا تھا اور دکاندار مجبور تھے کہ اسکے سگاروں کو شیلفوں میں سب سے اوپر اور کاؤنٹر پر سب سے آگے رکھیں۔

اسکے علاوہ وہ علاقے کے کسی بھی کلب یا تھیٹر ہال میں ہونیوالے ڈانس کے پروگرام یا کسی شو کی سرپرستی خود پہ خود اپنے ذمے لے لیتے تھے۔ ییل کے آدمی ان پروگرامز کی ٹکٹوں کی گڈیاں لے کر علاقے کے دکانداروں اور خوشحال افراد کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ ہر آدمی کی حیثیت دیکھتے ہوئے وہ اسکے سامنے کافی تعداد میں ٹکٹ رکھ دیتے۔ اب خواہ اس آدمی کو اس شو یا ڈانس میں جانا ہو یا نہ ہو، اسے اس طرح کے پروگرامز سے کوئی دلچسپی ہو یا نہ ہو لیکن ٹکٹ اسے ہر حال میں خریدنا پڑتے اور ادائیگی کرنی پڑتی۔ بھلا کون انکار کی جرأت کر سکتا تھا؟

ییل کے بدمعاش کسی سے یہ تو نہیں کہتے تھے۔ "تمہیں ڈانس کے اس پروگرام میں جانا پڑے گا ورنہ تمہاری ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔" لیکن ان کہے الفاظ کا اس قسم کا مفہوم خود بہ خود سامنے والے شخص تک پہنچ جاتا تھا۔

اس قسم کے بدمعاشوں کی شہر میں کمی نہیں تھی۔ کوئی بھی طاقتور اور پیسے والا شخص ان کی خدمات حاصل کر سکتا تھا۔ ییل کو تو اس کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس تو بنے بنائے گروہ موجود تھے۔ المیہ یہ تھا کہ اس طرح کے لوگ جوں جوں زیادہ طاقتور ہو جاتے تھے، سیاستدان بھی ان کے گرد جمع ہونے لگتے تھے۔ وہ ان سے اپنی ضرورت کے مطابق کام لیتے تھے اور انہیں ان کی ضرورت کے مطابق تحفظ فراہم کرتے تھے۔ اس کے لئے وہ اپنا سیاسی اثر رسوخ استعمال کرتے تھے اور اگر حکومت میں ہوتے تھے تو اپنے عہدے اور مقام کو بھی بدمعاشوں کے لئے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ یہ امداد باہمی کا ایک گھناؤنا فارمولا تھا جس کے اثرات بے چارے عوام بھگتتے تھے۔

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ داستان

وہ اپنے جرم کا ہر ثبوت مٹا دیتا تھا

ترجمہ: محمود احمد مودی

قسط: 2

الکپون بڑے صحیح وقت پر بیل کے ساتھ شامل ہوا۔ اس وقت بیل ایک "بڑا" اور "طاقتور" آدمی بننے کے عمل سے گزر رہا تھا۔ اس کی "ترقی"

پسندیدہ استاد کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ کم از کم اس زمانے میں بیل ہی الکپون کا آئیڈیل تھا۔

جو لوگ بیل کی عزت کرتے تھے اور مصیبت کے وقت میں مدد کے

کا سفر جاری تھا۔ ساحلی علاقہ بہت طویل و عریض اور گنجان آباد تھا۔ وہاں تیزی سے بیل کے قدم جم رہے تھے اور الکپون چونکہ ہر کام میں اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا، اسلئے بیل کی نظر میں اس کی اہمیت بڑھ رہی تھی۔

اخبارات، جرائم پیشہ اطالویوں کے تمام گروہوں کو "بلیک ہینڈ گینگ" لکھتے تھے۔ "سیاہ ہاتھ" کی یہ اصطلاح اتنی مشہور ہو چکی تھی کہ یہ الفاظ سنتے ہی ہر شخص سمجھ جاتا تھا کہ اس سے مراد جرائم پیشہ اطالوی ہیں۔

جرائم کی دنیا میں آئرلینڈ سے آئے ہوئے تارکین وطن بھی بہت آگے تھے۔ امریکا میں ان کی آمد کا سلسلہ اطالوی تارکین وطن سے بھی پہلے سے جاری تھا۔ نیویارک میں بھی کئی آئرش گینگ موجود تھے۔ اطالویوں کے سب سے بڑے حریف یہی تھے۔ ان کے گروہوں کے لئے اخبارات "وائٹ ہینڈ گینگ" کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔

آئرش اور اطالین گروہ جہاں جہاں بھی موجود تھے، ایک دوسرے کو علاقے سے نکالنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے ان کوششوں کے نتیجے میں لڑائی جھگڑے اور مسلح تصادم ہوتے تھے۔ لوگ زخمی ہوتے تھے۔ مرتے تھے لیکن اس سے گویا کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ جو بدمعاش مرتے تھے، نئے بدمعاش ان کی جگہ لے لیتے تھے۔ پرانے بدمعاشوں کے مرنے سے نئے بدمعاشوں کی کھپت ہو جاتی تھی۔ کچھ "بیروزگاروں" کو روزگار مل جاتا تھا اور کم کمانے والے بعض کارندوں کو زیادہ کمانے کے مواقع میسر آ جاتے تھے۔

الکپون ان حالات میں بڑے اچھے طریقے سے اپنی "اہلیت" اور قابلیت ثابت کر رہا تھا۔ بیل سارے کام اپنے کارندوں سے لیتا تھا۔ وہ کسی کام میں اپنے ہاتھ "گندے" نہیں کرتا تھا اور ایک معزز باس کی طرح شان سے رہتا تھا۔ الکپون کو اس کے نائب کی سی حیثیت حاصل ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے "ہارورڈ ان" کو کافی ترقی دی تھی۔

اس زمانے میں کونی آئی لینڈ کو ایک مقبول تفریحی مقام کی حیثیت حاصل ہوتی جا رہی تھی جہاں لوگ چھٹیاں گزارنے جاتے تھے۔ وہاں ہر طرح کی تفریح گاہیں موجود تھیں اور مزید سر ابھار رہی تھیں۔ تاہم ان دنوں ذرائع آمد و رفت زیادہ نہیں تھے اور جو تھے، وہ بھی زیادہ ترقی یافتہ اور تیز رفتار نہیں تھے اس لئے کونی آئی لینڈ کی ترقی کی رفتار بھی تیز نہیں تھی۔ زیادہ تر لوگ "ہارورڈ ان" جیسی تفریح گاہوں پر ہی قناعت کر لیتے تھے۔

الکپون میں یہ خوبی تھی کہ وہ صرف باس کی طرح شان سے ہی نہیں رہتا تھا بلکہ ایک بارٹینڈر کی حیثیت سے بار میں پیش آنے والے ناخوشگوار واقعات سے بھی نمٹ لیتا تھا۔ وہ ایک دراز قد، مضبوط اور بے خوف آدمی تھا۔ وہ اپنے سامنے کسی کی بدمعاشی چلنے نہیں دیتا تھا۔ وہ بیل کے اس حد تک قریب ہو گیا تھا کہ اگر "ہارورڈ ان" میں ناخوشگوار حالات کی وجہ سے رات گئے یا علی الصباح اپنے گھر نہیں جا پاتا تھا تو سڑک کے کونے پر ہی واقع، بیل کے گھر بھی جا کر سو سکتا تھا۔ بیل کی بیوی اور بچے اسے اچھی طرح جاننے لگے تھے۔

الکپون کا کام آسان نہیں تھا۔ جس قسم کا کاروبار وہ چلا رہا تھا، اسے پرسکون اور ہموار انداز میں رواں رکھنے کیلئے صرف بدمعاشی اور طاقت ہی کی نہیں، ذہانت اور عمدہ حکمت عملی کی بھی ضرورت ہوتی تھی۔ گڑبڑ کرنے والوں کے ساتھ الکپون "آہنی ہاتھ" کے ساتھ نمٹتا تھا اور یہ سچ مچ کا آہنی ہاتھ ہوتا تھا۔ محض اس طرح کا سیاسی بیان والا آہنی ہاتھ نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر بعض پسماندہ ملکوں کی حکومتوں کے عہدیدار آئے دن اپنے بیانات میں کرتے رہتے ہیں۔

تاہم الکپون کا کام محض یہ نہیں تھا کہ وہ گڑبڑ کرنے والوں اور ماحول کو خراب کرنے والوں کی ہڈی پسلی ایک کر کے، ان کا دماغ ٹھکانے پر لے آئے۔ اسے یہ خیال بھی رکھنا ہوتا تھا کہ کام بڑے "سلیقے" سے انجام پائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گاہک ان کے نائٹ کلب نما شراب خانے میں آتے ہی گھبرانے لگیں کہ وہاں تو دنگا فساد ہوتا ہے۔

وہ جب کسی کی پٹائی کرتا تھا یا کسی کو اٹھا کر نائٹ کلب سے باہر پھینکتا تھا تو اسے مار کھانے والوں اور تماشا دیکھنے والوں، دونوں ہی کے ذہنوں میں یہ تاثر اجاگر کرنا ہوتا تھا کہ جو غلطی کر رہا تھا، ماحول کو خراب کر رہا تھا، سزا صرف اسی کو ملی ہے، امن پسند گاہکوں اور صرف تفریح کے لئے آنے والوں کو کوئی خطرہ نہیں، بلکہ انہیں مکمل تحفظ حاصل ہے، اگر کوئی ان کا مزا کرکرا کرنے کی کوشش کریگا تو اس کا دماغ فوراً درست کر دیا جائے گا۔

یہ ایک نازک ذمہ داری تھی اور الکپون اسے عمدگی سے ادا کر رہا تھا۔ اس لئے بیل کی نظر میں اس کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ الکپون کی زیر نگرانی کاروبار روز بہ روز ترقی کر رہا تھا۔ ان دنوں ساؤتھ بروکلین اور آس پاس کے تمام گنجان آباد علاقوں میں اس طرح کی تفریح گاہوں کی بھرمار تھی۔ کم سے کم آمدنی والے بھی کوئی نہ کوئی "شغل میلہ" تو کر ہی سکتے تھے۔ ہر طبقے، ہر حیثیت اور ہر ذوق کے آدمی کے لئے کچھ نہ کچھ موجود تھا۔

شراب خانے تھے، قحبہ خانے تھے، قمار خانے تھے، چھوٹے موٹے یا اونچے اور مہنگے، ہر طرح کے نائٹ کلب تھے۔ جو آدمی نائٹ کلب میں جانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا وہ کسی شراب خانے میں بیٹھ کر محض شراب کی ادائیگی کر کے، اس کے ساتھ کسی متناسب الاعضا اور خوش شکل رقاصہ کا ڈانس مفت میں دیکھ سکتا تھا اور نہ وہاں "مدروے مین" نامی ایک خاتون کا نائٹ کلب بھی تھا جس میں پرنسس زاز ارقص کرتی تھی جو سچ مچ ایک زوال زدہ ملک کی شہزادی تھی۔ اس کے رقص کی بڑی دھوم تھی۔

"ہارورڈ ان" کے ماحول کو پرسکون رکھنے کے لئے اگر طاقت کے استعمال کی ضرورت پڑتی تھی تو عموماً اس کے لئے اکیلا الکپون ہی کافی رہتا تھا۔ اگر وہ کسی کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا تو غرگوں کی کمی نہیں تھی۔

مار دھاڑ سے خود بیل بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ یہ درست تھا کہ وہ ڈاکے مارنے، لوٹ مار کرنے یا اس طرح کی دوسری سرگرمیوں میں حصہ لینے بذات خود نہیں جاتا تھا لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ کوئی نفیس اور نستعلیق آدمی تھا۔ وہ عمدہ لباس ضرور پہنتا تھا اور شان سے رہتا تھا لیکن اندر سے بہرحال ایک خاص بدمعاش تھا اور غصے کا بھی بہت تیز تھا۔ ایک بار اس نے اپنے چھوٹے بھائی کو اتنا مارا تھا کہ وہ اسپتال پہنچ گیا تھا۔

بیل خوب سفاک بھی تھا اور غصے میں ہوتا تھا تو گالیاں بھی بے حساب بکتا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رحم دل بھی تھا۔ کمزوروں اور مظلوموں کی مدد کرنے کے لئے بھی کمربستہ رہتا تھا۔ کسی غریب اور تنگدست کی مالی مدد کرنے کے معاملے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتا تھا۔ اس کی شخصیت متضاد خصوصیات کا مجموعہ تھی اور یہی خصوصیات کافی حد تک الکپون میں بھی موجود تھیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ الکپون اس کی طرف کچھ ایسی ہی نظر سے دیکھتا تھا جیسی نظر سے کوئی شاگرد اپنے

لئے اس کے پاس دوڑے آتے تھے۔ انہیں وہ مایوس نہیں کرتا تھا۔ بعض اوقات تو ان کی فریاد لے کر آنا بھی ضروری نہیں ہوتا تھا۔ بیل خود ہی ان کی مدد کو پہنچ جاتا تھا۔

ایک بار کھانے پینے کی چیزوں کی ایک چھوٹی سی دکان چلانے والے کو کوئی لوٹ کر لے گیا۔ غریب سادہ سا دکاندار روز کی کمائی سے گھر بھی چلاتا تھا اور اسی رقم سے اگلے دن کی دکانداری کے لئے سامان بھی خریدتا تھا۔ ڈکیتی کی وجہ سے اس کے اور اس کی فیملی کے لئے گویا فاقوں کی نوبت آ گئی۔ ایک چلتا ہوا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

بیل کو پتہ چلا تو اس شخص کی دکان میں گیا اور خاموشی سے کاؤنٹر پر اتنی رقم رکھ کر آ گیا کہ وہ دو چار دن آسانی سے کاروبار جاری رکھ سکے۔ اسی طرح ایک اور شخص جو ٹھیلے پر مچھلیاں بیچتا تھا، اس کا ٹھیلا کوئی چرا کر لے گیا۔ وہ بے چارہ بہت پریشان ہوا۔ جتنی مچھلیاں وہ بیچنے کے لئے نکلتا تھا، ان کا وزن خاصا ہوتا تھا۔ انہیں خود اٹھا کر پھیری لگانا اس کے لئے بہت مشکل تھا۔

بیل نے اسے تین سو ڈالر دیئے اور کہا۔ "اب ایک گھوڑا گاڑی خرید لو اور اس میں رکھ کر مچھلیاں بیچا کرو۔ تم بوڑھے ہو گئے ہو، مچھلیوں کا ٹھیلا دھکیلتے پھرنا بھی تمہارے لئے کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

ایک قریبی ریسٹورنٹ میں گاہکوں کے ہیٹ اور اوورکوٹ سنبھالنے والا ایک غریب مگر خوش مزاج سا ملازم بیل کا شناسا تھا۔ اس کی خوش مزاجی کی وجہ سے سبھی اس کو پسند کرتے تھے۔ وہ اپنی غربت کے باوجود کبھی اپنے حالات کا رونا روتا نظر نہیں آتا تھا اور ہمیشہ سب کو ہنسانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

اس غریب کو بھی ایک بار راستے میں دو تین ایسے چور اچکوں نے لوٹ لیا جن کا تعلق کسی گروہ سے نہیں تھا۔ اسے اسی روز تنخواہ ملی تھی۔ معمولی سی رقم تھی مگر وہ بے چارہ پورا مہینہ اسی میں گزارتا تھا۔ وہ فوراً فریاد لے کر بیل کے پاس پہنچا۔

بیل نے چند منٹ میں ہی ان رہزنوں کو تلاش کرا لیا اور خود اپنے ہاتھوں سے ان کی ایسی دھنائی لگائی کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ بیل نے اس غریب ملازم کو نہ صرف اس کی رقم واپس دلائی بلکہ اپنے پاس سے بھی کچھ رقم دی۔

کچھ اسی طرح کی متضاد خصوصیات الکپون میں بھی تھیں۔ وہ بھی بیک وقت رحم دل بھی تھا اور سفاک بھی...... کبھی ایک سچے کاروباری آدمی کی طرح ٹھنڈے دل و دماغ سے ہر بات کے بارے میں سوچ کر فیصلہ کرتا تھا اور کبھی اس کی آنکھوں میں اچانک خون اتر آتا تھا۔ پھر وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا اور فائدے نقصان کی پروا کئے بغیر بھی کوئی قدم اٹھا لیتا تھا۔ شاید اپنی انہی مشترکہ خوبیوں اور خامیوں کی وجہ سے بیل اور الکپون دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ بیل کو زیادہ غرض تو اس بات سے تھی کہ الکپون کاروبار کو عمدہ طریقے سے چلا رہا تھا۔

مگر جوانی بہرحال جوانی ہوتی ہے۔ الکپون کی عمر اٹھارہ سال تھی اور وہ ایک بھرپور جوان تھا۔ ایک بار جوانی کے جذبات اس کی ساری کاروباری مصلحتوں پر غالب آ گئے اور مزید ستم یہ ہوا کہ جوانی کے جذبات میں اس کا روایتی غصہ بھی شامل ہو گیا۔

علاقے میں ایک نوجوان تھا جس کا نام تو ذرا لمبا تھا لیکن اختصار سے اسے گالچ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ کم عمری میں وہ مچھلیاں پکڑنے کا کام کرتا تھا۔ کچھ عرصہ اس نے ایک حجام کی دکان پر بھی اس کے شاگرد کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر کسی طرح اس کی رسائی "جینوویز" فیملی تک ہو گئی جو اس دور کی مافیا فیملی تھی اور بہت طویل عرصے تک جرائم کی دنیا پر راج کرنے والی فیملیز میں سے ایک رہی۔ امریکا میں اب بھی اس کی باقیات موجود ہیں اور جرائم کی دنیا سے ان کا تعلق بھی ہے البتہ وہ پہلی سی باتیں نہیں رہیں۔

گالچ اس فیملی کا کارندہ بن گیا تھا اور اب اپنی جگہ ایک اچھا خاصا بدمعاش تھا۔ 1917ء کے موسم گرما کی ایک شام وہ قدرے لڑکھڑاتے قدموں سے "ہارورڈ ان" میں داخل ہوا۔ اس کی گرل فرینڈ ماریا اس کے ساتھ تھی اور اسکے بازو پر تقریباً لٹکی ہوئی تھی۔ ماریا کے علاوہ گالچ کی بہن بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ ان دونوں کے پیچھے پیچھے گویا بادل نخواستہ چلی آ رہی تھی۔ اس کا نام لینا تھا۔ اسے دیکھ کر اٹھارہ سالہ الکپون کا دل کچھ غیر معمولی انداز میں دھڑکنے لگا۔

اس کا معمول تھا کہ وہ نائٹ کلب کے اندر چکر لگاتا رہتا تھا۔ گاہکوں کے درمیان گھومتا رہتا تھا اور جائزہ لیتا رہتا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے یا نہیں؟ کسی مہمان یا گاہک کو کوئی مسئلہ تو درپیش نہیں؟ لیکن اس روز اس نے لینا کی آمد کے بعد سے میزوں کے درمیان چکر لگانے شروع کئے تو اس کے انداز میں بڑی تبدیلی آ چکی تھی۔ ہر چکر میں وہ لینا کی میز کے قریب رک جاتا اور اس سے بات چیت کرنے کی کوشش کرتا۔

اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سے راہ و رسم پیدا کرنا چاہتا تھا۔ بے تکلف ہونا چاہتا تھا مگر لینا اس کی ذات میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ وہ رکھائی سے بات کر رہی تھی۔ ایک آدھ مرتبہ تو اس نے اچھی خاصی ناگواری بھی ظاہر کی اور ڈانٹنے کے سے انداز میں بات کا جواب دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ بھائی کے ساتھ تھی اور بھائی اسی میز پر موجود تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے الکپون کی شخصیت اور انداز اچھا نہ لگا ہو۔

اس کا بھائی گالچ وہاں آنے سے پہلے ہی نشے میں تھا اور وہاں پہنچنے کے بعد مزید پی چکا تھا، اس لئے اس کے حواس زیادہ اچھی طرح کام نہیں کر رہے تھے۔ وہ پہلے یہی سمجھا کہ شاید اس کی بہن الکپون کو جانتی ہے۔ وہ خود الکپون کو نہیں جانتا تھا اور نہ ہی اس کی حیثیت سے واقف تھا۔

اس نے جب کئی بار اپنی بہن کو ناگواری اور تختی سے الکپون سے بات کرتے دیکھا تو اس کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند کچھ چھٹی اور اسے احساس ہوا کہ بات وہ نہیں ہے جو وہ سمجھ رہا ہے۔ کوئی اجنبی زبردستی اس کی بہن سے بے تکلف ہونے اور اس کے سر پر سوار ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔

پھر بھی اس نے احتیاطاً بہن سے پوچھ لیا۔ "کیا تم اس نوجوان کو جانتی ہو؟"

"ہرگز نہیں......" لینا نے جواب دیا۔ "میں نے آج سے پہلے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں...... بہت ہی ڈھیٹ معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہی، پھر بھی سر پر سوار ہوا جا رہا ہے۔ شاید اس کی سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آ رہی کہ میں اس سے کلام کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے وہ بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ اس کے یوں بار بار مجھ سے بات کرنے سے مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔ تم اسے سمجھانے اور اس حرکت سے باز

رکھنے کی کوشش کرو۔ اس سے کہو، اسے ہماری میز پر آنے کی ضرورت نہیں...... لیکن دیکھو...... ذرا نرمی سے بات کرنا...... تختی سے پیش آنے اور بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔"

الکپون نے ایک بار پھر ان کی میز کا رخ کیا۔ گالچ کا ارادہ یہی تھا کہ وہ اسے آرام سے ایک طرف لے جائے گا اور نرمی سے کہے گا۔ "دیکھو مسٹر...... وہ میری چھوٹی بہن ہے اور وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہی۔ اس لئے مہربانی کرو اور اس کا پیچھا چھوڑ دو......"

لیکن اسکے یہ کہنے کی نوبت نہیں آ سکی۔ الکپون نے اس بار ادھر کا چکر لگایا تو اس کی زبان بالکل ہی بے لگام ہو چکی تھی۔ اس نے آتے ہی لینا کی تعریف میں ایک جملہ بول دیا۔ کم از کم اپنی دانست میں تو اس نے تعریف ہی کی تھی لیکن بات اتنی بے ہودہ تھی کہ اس پر کوئی طوائف بھی خوش نہیں ہو سکتی تھی۔ اوپر سے الکپون کی آواز اتنی اونچی تھی کہ آس پاس کی میزوں والوں نے بھی سن لیا ہوگا۔ یہ بات گالچ کے لئے اور بھی زیادہ ناقابل برداشت تھی۔

اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ وہ اچھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا تھا۔

"میں اس طرح کی بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں......" گالچ چلایا۔ "فوراً میری بہن سے معافی مانگو۔ سنا تم نے......؟"

اب الکپون کو ذرا جھٹکا لگا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ لڑکی گالچ کی بہن ہوگی۔ وہ دونوں ہی لڑکیوں کو اس کی دوست سمجھ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ خون کے رشتوں میں عزت کا معاملہ آن پڑتا ہے۔ وہ فوراً کچھ سنبھل گیا۔

دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "اوہ...... معاف کرنا...... مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔ ویسے بھی میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تم اسے سنجیدگی سے مت لو۔"

"لعنت ہو تم پر...... اور تمہارے مذاق پر......" گالچ کا غصہ برقرار رہا کیونکہ الکپون کے معافی مانگنے کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

اب الکپون کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ گالچ چلایا۔ "تمہیں میری بہن سے معافی مانگنی پڑے گی۔" ساتھ ہی اس نے الکپون کو موٹی سی گالی دی۔

الکپون کی آنکھوں میں شعلہ سا لپکا اور وہ قدم جما کر گالچ کی طرف بڑھا۔ گالچ کوئی قد آور آدمی نہیں تھا اور نہ ہی وہ جسیم تھا۔ وہ صرف ساڑھے پانچ فٹ کا تھا۔ اس کا جسم گو کہ ورزشی تھا لیکن الکپون جیسے کیم شحیم آدمی کے سامنے وہ خاصا حقیر لگ رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اگر اس نے الکپون پر وار کرنے میں پہل کر بھی دی تب بھی ہاتھ پاؤں کی لڑائی میں وہ الکپون سے مار کھائے گا۔

چنانچہ جونہی الکپون اس کے قریب پہنچا، اس نے پھرتی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر کھٹکے دار چاقو نکالا اور بجلی کی سی تیزی سے الکپون کے چہرے پر وار کیا۔ اس رد عمل کی الکپون کو توقع نہیں تھی کیونکہ وہ بھی گالچ کو نہیں جانتا تھا۔ وہ اسے کوئی عام سا آدمی اور "شریف شہری" سمجھ رہا تھا۔

گالچ کے چاقو نے الکپون کے کان کی لو سے لے کر ہونٹوں کے کونے تک اس کا رخسار چیر ڈالا۔ اس قطعی غیر متوقع وار نے شاید الکپون کا ذہن ایک لمحے کیلئے ناکارہ کر دیا۔ اس کے علاوہ شاید اسے لاشعوری طور پر بھی توقع نہ رہی ہو کہ گالچ ایک وار پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ فوراً ہی دوسرا اور پھر تیسرا وار بھی کرے گا۔

وہ اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ گالچ کے دوسرے وار نے اس کے چہرے پر ایک اور چیرا لگا دیا جو پہلے زخم سے مل گیا۔ اس کے تیسرے وار نے چھوٹا زخم ڈالا مگر الکپون کا پورا چہرہ بہرحال خون میں لتھڑ گیا تھا اور بڑا سا ایک خون آلود گولا معلوم ہو رہا تھا۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس پر آنکھیں کہاں ہیں، ہونٹ کہاں اور ناک کہاں......

یہ بات قدرے عجیب سی تھی کہ گالچ نے اس کے صرف چہرے پر ہی وار کئے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انسان جب کسی سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے تو سب سے زیادہ اس کی شکل ہی بری لگتی ہے۔ شاید اسی لئے گالچ نے الکپون کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کی تھی۔

الکپون لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا تو کسی کرسی میں الجھ کر گر پڑا۔ خون اسکی آنکھوں میں بھی بھر گیا۔ اسے صحیح طور پر نظر آنا بھی بند ہو گیا۔ وہ اندھوں کی طرح ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ گالچ نے اس دوران ماہرانہ اور مشاقانہ پھرتی سے چاقو بند کر کے جیب میں رکھا۔ اپنی محبوبہ اور بہن کا بازو پکڑا اور تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔

جب تک نائٹ کلب کے دوسرے ملازموں نے آ کر الکپون کو اٹھایا تب تک گالچ دونوں لڑکیوں سمیت غائب ہو چکا تھا۔ الکپون کی حالت دیکھ کر دوسرے گاہکوں نے دہشت زدہ ہو کر نہایت عجلت میں وہاں سے رخصت ہونا شروع کر دیا۔

الکپون کو جلدی سے کونی آئی لینڈ ہاسپٹل لے جایا گیا جہاں ڈاکٹروں نے اسے فوراً سنبھالا۔ الکپون کے چہرے پر تیس ٹانکے آئے۔ غنیمت یہ تھا کہ اس کی آنکھ ضائع ہونے سے بچ گئی تھی۔ ایک زخم اس کی بائیں آنکھ کے بالکل قریب سے شروع ہوا تھا۔

الکپون کے زخم صحیح ہونے اور ٹانکے کھلنے میں چند دن لگے۔ نشان ابھی تازہ تھے اور نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی وجہ سے چہرہ کچھ بھیانک لگنے لگا تھا۔ الکپون نے ان نشانات کے ہلکے پڑنے کا انتظار نہیں کیا اور گالچ کی تلاش شروع کر دی۔

گالچ کو جلد ہی پتہ چل گیا کہ ایک کیم شحیم نوجوان جس کے چہرے پر زخموں کے تازہ نشان ہیں، اسکے بارے میں پوچھتا پھر رہا ہے اور سرگرمی سے اسے تلاش کر رہا ہے۔ اسے یہ بھی پتہ چلا کہ وہ نوجوان اپنے آپ کو فرینک بیل کا آدمی بتاتا ہے۔ یہ بھی اس زمانے کا ایک طریقہ تھا۔ کوئی بدمعاش اپنے بارے میں واضح طور پر یہ نہیں کہتا تھا کہ اس کا تعلق فلاں گینگ سے ہے۔ وہ صرف یہ کہتا تھا کہ وہ فلاں کا آدمی ہے۔ اس سے اس کی حیثیت واضح ہو جاتی تھی۔

گالچ کو اندازہ ہو گیا کہ وہ لاعلمی میں ایک خطرناک گروہ کے آدمی پر حملہ کر کے اس کا چہرہ بگاڑ بیٹھا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس مسئلے کا حل تلاش کئے بغیر چین سے شہر میں نہیں رہ سکے گا۔ وہ فریاد لے کر دوڑا دوڑا جوزف میسیریا کے پاس گیا جو پورے نیویارک کی مافیا کا باس تھا۔ مختصراً اسے "جو...... دی باس" کہا جاتا تھا۔

"جو...... دی باس" نے فوراً پنچایت بلا لی۔ یہ پنچایت "ہارورڈ ان" میں ہی بیٹھی۔ جرائم کی دنیا کے چند بڑے اس پنچایت میں شریک تھے۔ دونوں فریق یعنی گالچ اور الکپون ان کے سامنے پیش ہوئے۔ سارا قصہ سنا گیا۔ گویا مقدمے کی سماعت ہوئی۔

طے یہ پایا کہ غلطی بہرحال الکپون کی تھی۔ چنانچہ اسے انتقام لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا البتہ اس غلطی پر گالچ کا رد عمل ضرورت سے زیادہ شدید تھا، اسلئے اسے الکپون سے معذرت کرنی چاہئے تھی۔

گالچ نے جب "بقائمی ہوش و حواس" آمنے سامنے بیٹھ کر الکپون کے چہرے پر اپنے لگائے ہوئے زخموں کے نشان دیکھے تو اسے خود بھی احساس ہو گیا کہ اس کا رد عمل واقعی ضرورت سے زیادہ شدید تھا، چنانچہ اس نے معذرت کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔

الکپون نے اس فیصلے کو قبول کر لیا۔ بعد کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے خوشدلی سے اس فیصلے کو قبول کیا تھا کیونکہ آنے والے دنوں میں کئی بار اس کا اور گالچ کا آمنا سامنا ہوا لیکن الکپون نے اس پر کسی بھی قسم کا حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حتیٰ کہ اس کیلئے کوئی برا لفظ بھی استعمال نہیں کیا۔

اس کا جب بھی گالچ سے سامنا ہوا، اس نے بس گہری نظروں سے، پرخیال انداز میں اس کا جائزہ لینے پر اکتفا کیا!

(جاری ہے)

الکپون نے زندگی بھر گاہک کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ بعد میں جب الکپون شکاگو چلا گیا اور وہاں "ترقی" کر کے "بہت بڑا" آدمی بن گیا تو جب بھی اس کا نیویارک چکر لگتا تھا، وہ یہاں گاہک کی خدمات باڈی گارڈ کے طور پر حاصل کرتا اور اسے سو ڈالر یومیہ کے حساب سے معاوضہ ادا کرتا۔

بعد میں تو اسے یہ احساس بھی ہو گیا تھا کہ غلطی اس کی اپنی تھی۔ ایک بھائی کے سامنے اس کی بہن کے بارے میں بیہودہ بات کرنا بہرحال ایک غلطی تھی۔ اس نے گاہک کے سامنے اپنی اس غلطی کا اعتراف بھی کر لیا۔

اس کے چہرے پر زخم کے نشان وقت کے ساتھ ساتھ کافی ہلکے پڑ گئے تھے لیکن بہرحال نظر آتے تھے۔ ان کی وجہ سے اسکی عرفیت "اسکارفیس" ہو گئی تھی۔ یعنی ایسا آدمی جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہو۔ پیٹھ پیچھے اسے لوگ اس نام سے بھی پکارتے تھے۔ زخموں کے ان نشانات کے بارے میں بعد میں اس نے کہانی گھڑ لی تھی کہ وہ اسے پہلی جنگ عظیم کے دوران آئے تھے، وہ اس بٹالین میں شامل تھا جو "گمشدہ بٹالین" کے نام سے مشہور ہوئی تھی کیونکہ اس کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ اس کا کیا بنا اور وہ کہاں گئی لیکن بعد میں اس کے کچھ فوجی زندہ واپس آنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جب لوگ الکپون کے ساتھ پیش آنے والے اصل واقعے کو بھول بھال چکے تھے یا وہ ان لوگوں کے درمیان ہوتا تھا جنہیں اس واقعے کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تھا، تو وہ اطمینان سے یہ قصہ سنایا کرتا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ کبھی فوج میں گیا ہی نہیں تھا۔ وہ جبری بھرتی کی زد میں بھی نہیں آیا تھا۔

بہرحال گاہک کے ہاتھوں اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے بیل کی نظر میں اس کا مقام اور قدر و منزلت کم نہیں ہوئی تھی۔ اسکے مزاج کی تیزی نے بھی اسے بیل کی نظر میں ناپسندیدہ نہیں بنایا۔ بیل اسے اپنا ایک ہونہار شاگرد سمجھتا تھا۔ اسی زمانے میں الکپون کے ہاتھوں دو قتل بھی ہو گئے۔ تب بھی بیل کی پیشانی پر شکن نہیں آئی۔ اس کے خیال میں شاید یہ سب باتیں خامیاں نہیں، خوبیاں تھیں۔ خاص طور پر اسلئے بھی کہ قتل کی دونوں وارداتوں کے سلسلوں میں الکپون پکڑا نہیں گیا تھا۔ یہ اس کے "فنکار" ہونے کی دلیل تھی اور بیل کے خیال میں وہ لوگ جس قسم کے کاروبار کر رہے تھے، ان میں ایسے ہی "فنکاروں" کی ضرورت تھی۔

قتل کی ان دونوں وارداتوں میں سے صرف ایک کے بارے میں شواہد دستیاب ہیں۔ دوسرے کی تفصیلات اندھیرے ہی میں رہ گئیں۔ جس قتل کے بارے میں، سنی سنائی باتوں کے ذریعے کچھ ریکارڈ سامنے آتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ الکپون سوچ سمجھ کر، نہایت ٹھنڈے دل سے بھی کسی کو قتل کرنے کا فیصلہ کر سکتا تھا۔ صرف وقتی اشتعال کے تحت آگ بگولا ہو کر ہی کسی کو موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتا تھا۔

ہوا یہ کہ علاقے کا ایک آدمی جوئے میں پندرہ سو ڈالر جیت گیا۔ اس زمانے میں پندرہ سو ڈالر بہت بڑی رقم تھی۔ حتیٰ کہ الکپون کے لئے بھی یہ کوئی چھوٹی رقم نہیں تھی۔ اوپر سے اتنی بڑی رقم جیت کر وہ گویا "ہارورڈ ان" کو بھی نقصان پہنچا کر جا رہا تھا جہاں اوپر کی منزل پر جوا کھلایا جاتا تھا۔

الکپون اس شخص کے پیچھے پیچھے باہر چلا گیا اور جب وہ ایک تاریک گلی سے گزرنے لگا تو الکپون نے آگے بڑھ کر اس کی پسلیوں پر گن رکھ دی اور رقم اس سے لے لی۔

اس شخص نے رقم تو دیدی لیکن ساتھ ہی بول اٹھا۔ "یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس کی آواز غم و غصے سے لبریز تھی۔

تب الکپون نے ایک لفظ کہے بغیر ٹریگر دبا دیا۔

بعد میں اس نے بیل کے سامنے گویا صفائی پیش کرتے ہوئے پرزور انداز میں کہا۔ "اس احمق کو ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔ اگر وہ مجھے پہچانتا تھا تو اسے چپ رہنا چاہئے تھا۔ بعد میں وہ میرے خلاف گواہی دے سکتا تھا اور پولیس کے سامنے مجھے شناخت کر سکتا تھا..... لیکن میرے سامنے بکواس کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟ میں یہ جاننے کے بعد بھلا اسے کیسے زندہ چھوڑ سکتا تھا کہ وہ مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے؟ میں اسے چھوڑ کر گویا خود اپنی گرفتاری کا سامان کر لیتا۔ وہ احمق تھا۔ میں تو احمق نہیں تھا۔ وہ خود اپنی غلطی کی وجہ سے مارا گیا۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔ میرے لئے اس کو گولی مارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔"

یہ اس کا دلیل دینے کا انداز تھا۔

بیل نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کے لئے تو شاید یہ خوشی کی بات تھی کہ الکپون قتل کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ ان کے کاروبار میں قتل کرنے کے قابل ہونا گویا "اضافی کوالیفکیشن" تھی۔ الکپون سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے کی غرض سے پولیس ضرور آئی مگر اس سے آگے کچھ نہیں ہوا۔ ظاہر ہے، کسی نے کچھ دیکھا نہیں تھا، کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ موقع کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ الکپون صاف بچ گیا۔ اس بات کی بیل کو اور بھی زیادہ خوشی ہوئی۔

☆.....☆.....☆

1918ء میں ایک ڈانس ہال میں الکپون کی ملاقات ایک آئرش لڑکی سے ہوئی اور وہ اسکی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ وہ تھی بھی بے پناہ خوبصورت۔ چھریرا جسم مگر دلکش نشیب و فراز، بیضوی چہرہ، گلاب کی سی رنگت، بڑی بڑی آنکھیں، سنہرے بال..... اُسے دیکھتے ہی الکپون کا دل ہاتھ سے چلا گیا۔

اس کا نام تو میری تھا لیکن مختصراً اسے صرف 'مے' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ وہ ایک مزدور کی بیٹی تھی جو زیادہ تر تعمیراتی کام کرتا تھا۔ اس کا نام مائیکل کف لن تھا۔

مے، الکپون سے دو سال بڑی تھی لیکن الکپون کو اس کی بھی پروا نہیں تھی البتہ لوگوں کے سامنے ذرا شرمندگی کا امکان ہو سکتا تھا، چنانچہ شادی کے سر یفکیٹ پر مے نے اپنی عمر ایک سال گھٹا کر اور الکپون نے ایک سال بڑھا کر لکھوائی۔ یوں دونوں برابر ہو گئے۔

ان دنوں اطالویوں اور آئرش لوگوں کے درمیان شادیاں کم ہی ہوا کرتی تھیں۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ اطالوی مرد نوجوانی اور کم عمری میں ہی شادی کر لیا کرتے تھے جبکہ آئرش مرد اس معاملے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے اور عمر پختہ ہونے کا انتظار کرتے تھے۔ شاید اسی لئے جب کسی آئرش لڑکی کو اطالوی نوجوان میسر آتا تھا تو وہ زیادہ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی۔ شاید وہ سوچتی تھی کہ کوئی آئرش مرد تو نہ جانے کب اس سے شادی پر آمادہ ہو۔

الکپون آئرش اور اطالوی کے معاملے میں کسی قسم کے فرق، امتیاز اور تعصب کا قائل نہیں تھا۔ لڑکی کے والدین شاید اس شادی کی اجازت دینے کے معاملے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہوتے لیکن اس کی بڑی وجہ الکپون کا ذریعۂ معاش اور وہ لوگ ہوتے جن کے درمیان الکپون دن رات رہتا تھا۔

تاہم یہ سب باتیں دھری رہ گئیں۔ سب کو اس شادی پر آمادہ ہونا ہی پڑا کیونکہ مے درحقیقت شادی سے پہلے ہی الکپون کے بچے کی ماں بن چکی تھی۔ الکپون نے اس بچے کی ولدیت سے انکار نہیں کیا اور اسے اپنایا۔ بچے کی پیدائش کے آٹھ دن بعد ان کی شادی ہوئی اور اٹھارہ دن بعد بچے کے بپتسمے کی رسم ہوئی جس میں الکپون نے بچے کی ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھوایا۔ بچے کا نام البرٹ فرانسس الکپون رکھا گیا تاہم وہ زندگی بھر سنی کے نام سے جانا پہچانا گیا۔

ایک روز ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے الکپون کی زندگی کا رخ بدل دیا۔ شادی کے بعد اس کے مزاج میں ذرا نرمی تو آئی تھی لیکن کبھی کبھی اس کا بے پناہ غصہ عود کر آتا تھا۔ اس کی مشتعل مزاجی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی اور شاید ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اس کی فطرت میں شامل تھی۔

ایک روز وہ وصولی کی مہم پر نکلا ہوا تھا۔ واپسی پر وہ راستے میں ایک ڈرنک لینے کے ارادے سے بندرگاہ کے علاقے میں رک گیا اور ایک بار میں چلا گیا۔ وہاں آرتھر نامی ایک آئرش نوجوان بھی چلا آیا۔ اس کا تعلق می ہان کے گروہ سے تھا۔ آئرش گروہوں کو مجموعی طور پر "وائٹ ہینڈ" کہا جاتا تھا جبکہ اطالویوں کے گروہ "بلیک ہینڈ" کہلاتے تھے۔ وائٹ ہینڈ گروہوں میں می ہان کا گروہ سب سے زیادہ خطرناک تھا۔

اس وقت تک آرتھر اور الکپون دونوں ہی اتنے مشہور نہیں ہوئے تھے کہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے۔ آرتھر تو خیر بعد میں بھی کبھی مشہور نہیں ہوا۔ اس کی بہت سی خرابیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ جہاں کسی ایسے آدمی کو دیکھ لیتا تھا جس کے بارے میں اسے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ اطالوی ہے، اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیتا تھا۔

اس کی شامت آئی تھی کہ اس روز اس نے برا بھلا کہنے کیلئے الکپون کو تاڑ لیا۔ الکپون نے جواب میں کچھ نہیں کہا اور اس پر کوئی ہتھیار بھی استعمال نہیں کیا۔ اس نے بس خاموشی سے آرتھر کو گردن سے پکڑ کر اس کے اسٹول سے اٹھایا اور مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا۔ اپنے خیال میں تو اس نے آرتھر کو جان سے ہی مار دیا تھا۔

بعد میں جب آرتھر کو اسپتال پہنچایا گیا تو کچھ دیر تک ڈاکٹر بھی اسے مردہ ہی سمجھتے رہے۔ پھر اس میں زندگی کی رمق محسوس ہوئی تو اسکی جان بچانے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اسے کئی ہفتے اسپتال میں گزارنے پڑے۔

پولیس کی طرف سے الکپون کو کسی مسئلے کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ ایسے معاملات میں لوگ جانتے بوجھتے بھی انجان بن جاتے تھے۔ اول تو لوگ جائے وقوعہ سے ہی غائب ہو جاتے تھے۔ اگر کوئی موجود بھی رہتا تھا تو ظاہر ہے وہ کسی بھی قسم کی گواہی کے چکر میں ہرگز نہیں پڑتا تھا۔ کسی سے بھی پوچھا گیا تو اس نے یہی کہا کہ اسے تو کچھ معلوم نہیں، اس نے تو کچھ دیکھا ہی نہیں۔

یوں پولیس کی طرف سے تو الکپون جیسے لوگوں کی جان بچ جاتی تھی لیکن کوئی بھی گروہ اپنے مخالف یا حریف گروہ کے ساتھ کچھ کرتا تھا تو اسے اس کا نتیجہ تو بھگتنا پڑتا تھا۔ اپنے حساب وہ خوب برابر کرتے تھے۔ الکپون نے جو کچھ کیا تھا اس کے بعد اسے می ہان کے گروہ کے عتاب کا سامنا تھا۔

می ہان سے زیادہ اس کا نائب ولیم خطرناک تھا۔ آئرش لوگوں کے گروہ، جو وائٹ ہینڈ کے نام سے جانے جاتے تھے، ان سب میں بھی ولیم کی دہشت تھی اور دوسرا کوئی عام آدمی، جس میں ذرا سی بھی عقل ہوتی، وہ چند لمحے اس کے قریب رہنے کے بعد اس سے خوف کھانے لگتا تھا۔ اس میں ایسی کوئی بات تھی جو دوسروں کو خوفزدہ کر دیتی تھی۔

حالانکہ دیکھنے میں اس کی شخصیت میں خوفزدہ کر دینے والی کوئی بات نہیں تھی۔ وہ خوفناک شکل صورت کا کوئی لحیم شحیم آدمی نہیں تھا۔ اس کا قد صرف ساڑھے پانچ فٹ اور وزن ڈیڑھ سو پونڈ تھا۔ وہ کافی حد تک نازک سا آدمی لگتا تھا لیکن وہ پہلی عالمگیر جنگ میں خدمات انجام دے چکا تھا اور اسے بہادری کا ایک تمغہ بھی ملا تھا جو سروس کراس کہلاتا تھا۔ فوج میں اس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے موت کے منہ میں کود پڑتا تھا اور اپنی اسی خصوصیت کے تحت اس نے ایک بڑے حملے میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا۔

اس کی موجودگی میں اس کے دوست اور ہم نوا بھی دبے قدموں چلتے تھے۔ اسکے غصے سے سب خوف کھاتے تھے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ایک بار اس نے صرف اس لئے ایک آدمی کو گولی ماردی تھی کہ وہ بلی کی دم کھینچ رہا تھا۔ انسان کا خون بہانے میں تو وہ ایک لمحے کی تاخیر نہیں کرتا تھا لیکن کمزور اور چھوٹے جانوروں کو وہ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

گینگ لیڈر یا گروہوں کے سردار اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ باڈی گارڈز لے کر ضرور چلتے تھے لیکن ولیم 1920ء میں می ہان کے قتل کے بعد جب اپنے گینگ کا لیڈر بن گیا تب بھی وہ اکیلا ہی ہر جگہ آتا جاتا رہا۔ وہ اپنے پاس ریوالور ضرور رکھتا تھا۔ یہ تو ایک طرح سے اس کی عادت بن چکی تھی۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ محض ٹیڑھی نظر سے دیکھنے پر بھی کسی کو پلک جھپکتے میں گولی مار سکتا تھا۔ وہ واقعی ایک خطرناک آدمی تھا اور عدم ثبوت کی بناء پر چونکہ اسے کبھی کوئی سزا نہیں مل سکی تھی، اسلئے وہ زیادہ بے خوف ہو گیا تھا۔ بے خوفی کے اس احساس نے اسے زیادہ خطرناک بنا دیا تھا۔

آرتھر، جس کا الکپون نے مار مار کر بھرکس نکال دیا تھا، اپنے گروہ میں کوئی اہم آدمی تو نہیں تھا، پھر بھی ولیم کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ کوئی اطالوی ان کے کسی آدمی کو مار مار کر اسپتال پہنچا دے جہاں وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو۔ اطالویوں کو وہ ویسے ہی گھٹیا اور حقیر سمجھتے تھے۔

اس واقعے پر ولیم کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ الکپون کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ لحیم شحیم سا وہ نوجوان کون تھا جو آرتھر کی ہڈی پسلی ایک کر کے رخصت ہو گیا تھا۔ تاہم ولیم کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بیل کا آدمی تھا۔ صرف یہ معلوم کرنا باقی تھا کہ وہ بیل کا کون سا آدمی تھا؟

جلد ہی بیل کو پتہ چل گیا کہ ولیم نے اپنے آدمیوں کو اس آدمی کی شناخت کی خصوصی مہم پر لگا دیا ہے۔ بیل کو معلوم تھا کہ چہرے پر زخموں کے نشانات کی وجہ سے الکپون کو پہچاننا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ اسکی نشاندہی میں زیادہ دن نہیں لگنے تھے اور پھر اس کا بچنا بہت مشکل تھا۔ اسکے بعد شاید خونریزی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا۔ موت گویا الکپون کے تعاقب میں تھی۔ اب الکپون اکیلا بھی نہیں تھا۔ وہ شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ تھا۔

بیل نے اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کیا۔ وہ الکپون کو بہت پسند کرتا تھا اور اسے خواہ مخواہ موت کے منہ میں جاتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آخر اسے جان ٹوریو کا خیال آیا جو شکاگو جا چکا تھا اور وہاں اپنا "کاروبار" جما چکا تھا۔ الکپون اس کی نظر میں بھی اچھا اور بھروسے کا آدمی تھا۔ ایسے نوجوان کے لئے ٹوریو آسانی سے شکاگو میں بھی اپنے ہاں جگہ نکال سکتا تھا۔ الکپون جیسے نوجوان کے لئے تو بیل اور ٹوریو جیسے لوگوں کے پاس ہمیشہ ہی جگہ موجود رہتی تھی۔

چنانچہ بیل نے الکپون کو شکاگو بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایک دو سال شکاگو میں رہے گا تو معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ ولیم اس کی تلاش ترک کر دیگا اور اس بات کو بھول بھال جائے گا۔ اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ تب الکپون کو واپس بلوا لیا جائے گا۔

چنانچہ 1919ء کے اواخر میں بیل نے الکپون کو شکاگو روانہ کر دیا.....!

☆.....☆.....☆

الکپون کے لئے شکاگو سے بہتر شہر کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ شکاگو تو گویا آباد ہی الکپون کے لئے ہوا تھا۔ جس طرح کسی پودے کے لئے کسی مخصوص علاقے کی مٹی بہت زرخیز اور وہاں کی آب و ہوا نہایت موزوں ہوتی ہے، اس طرح یہ شہر الکپون کے لئے گویا خوابوں کی سرزمین تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر جیسے الکپون کو اپنے سینے میں سمو لیا۔

شکاگو کا تلفظ وقت کے ساتھ ساتھ دو تین مرتبہ تھوڑا سا بدلا ہے تاہم اس میں زیادہ فرق نہیں آیا۔ امریکا کے اصل باشندوں یعنی ریڈ انڈینز نے یہ نام درحقیقت یہاں بہنے والے ایک دریا کا رکھا تھا جس کی ایک شاخ کی وجہ سے بہت بڑی کھاڑی نما ایک جھیل بھی بنی ہوئی تھی۔ اس جھیل میں اکثر جنگلات کا بہت سا کوڑا کرکٹ اور جانوروں کی غلاظت آ کر گر جاتی تھی جس سے بڑی بدبو پیدا ہوتی تھی۔ شکاگو کے ایک معنی 'بدبو' بھی ہیں۔

1670ء میں ایک فرانسیسی تاجر نے اس دریا کے کنارے بڑا سا ایک جھونپڑا نما مکان تعمیر کر کے رہائش اختیار کر لی۔ اس وقت یہ علاقہ نیو فرانس میں شامل تھا۔ اس تاجر نے یہاں شکاگو کی دو مشہور روایات کا آغاز کیا جو آگے چل کر خوب پھلی پھولیں۔ اس نے ریڈ انڈینز کی تیار کردہ روایتی شراب کی تجارت شروع کر دی جو ایک غیر قانونی کام تھا لیکن مورے نامی یہ تاجر یہ کام یہاں کے گورنر کاؤنٹ فرنٹی کے تعاون سے کرتا تھا جو ایک بدعنوان آدمی تھا۔

یوں مورے گویا یہاں کا پہلا آدمی تھا جس نے شراب کی غیر قانونی تجارت کو فروغ دیا اور کاؤنٹ فرنٹی پہلا کرپٹ سرکاری افسر تھا۔ غیر قانونی شراب کی تجارت اور سرکاری افسروں کی کرپشن، یہ دونوں روایات آگے چل کر اتنی پھلی پھولیں جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ایک درخت کی طرح تھیں جن سے بعد میں جرائم کی اتنی شاخیں پھوٹیں جنہوں نے شکاگو کو ایک عجیب شہر بنا دیا۔

شکاگو کا دریا دوشاخہ تھا اور جس مقام پر یہ دو شاخوں میں تقسیم ہوتا تھا اسے "لوپ" کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہاں بہت آبادی ہوئی اور ایک طویل و عریض علاقہ لوپ ہی کہلاتا رہا۔ 1825ء میں آبادی اتنی ہو گئی کہ یہاں پولیس کی ضرورت محسوس کی جانے لگی چنانچہ ایک کانسٹیبل کا تقرر کیا گیا تاہم 1833ء تک یہاں کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

اسی سال یہاں شہر کیلئے کچھ قوانین اور ضابطے تیار کئے گئے۔ انہی کے تحت سب سے پہلے ایک آوارہ گرد اور ایک چور کی گرفتاری عمل میں آئی جنہیں عارضی طور پر تیار کی گئی ایک جھونپڑی نما جیل میں رکھا گیا۔ اس سے اگلے سال یہاں پہلا ایسا قتل ہوا جس کی باقاعدہ قانونی کارروائی ہوئی جو نہایت دلچسپ تھی۔ ایک آئرش نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا۔ اس کا جرم نہایت واضح تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ وہی اپنی بیوی کا قاتل ہے لیکن جج صاحب نے معاملے کو خواہ مخواہ الجھاتے ہوئے اسے رہا کر دیا۔

مارچ 1837ء میں شکاگو کو ایک باقاعدہ شہر کی حیثیت دی گئی۔ اسکے تین سال بعد یہاں پہلی بار ایک مجرم کو پھانسی کی سزا دی گئی۔ اس نے ایک عورت کی عزت لوٹنے کے بعد اسے قتل کر دیا تھا۔ گرفتاری کے بعد اس نے معصوم بنتے ہوئے کہا کہ وہ تو جائے وقوعہ سے صرف اس لئے پکڑا گیا ہے کہ وہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اگر وہ وہاں سے گزر رہا تھا تو اس نے وہاں کیا دیکھا؟ اس پر اس نے کہا کہ اگر اسے معلوم بھی ہے کہ مجرم کون ہے، تب بھی وہ نہیں بتائے گا، اپنی زبان بند رکھے گا۔ اس پر شاید جج صاحب نے غصے میں آ کر اسے پھانسی دے دی ورنہ اس سے پہلے اس کے خلاف کئی ثبوت اور شواہد موجود تھے لیکن جج صاحب اس کے ساتھ مسلسل نرمی برت رہے تھے۔

اسی زمانے میں یہاں قمار بازی کی وبا عام پھیل گئی۔ پادریوں کے مسلسل شور مچانے کی وجہ سے جوئے کو خلاف قانون تو قرار دے دیا گیا تھا لیکن لوگ کسی نہ کسی قانونی سقم اور لچک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مختلف چیزوں کی آڑ میں جوا کھیلتے تھے۔ شہر میں جگہ جگہ بڑے بڑے ہال تعمیر ہو گئے تھے جن میں جوا کھیلا جاتا تھا۔ انتظامیہ اس علت کو زیادہ خطرناک محسوس نہیں کرتی تھی اسلئے اس معاملے میں نرمی برتتی تھی اور چشم پوشی سے کام لیتی تھی۔

امریکا کے کسی اور شہر میں جوئے کا اتنا رواج نہیں تھا جتنا شکاگو میں تھا۔ یہی صورتحال جسم فروشی کے دھندے کی تھی۔ قانونی طور پر تو یہ دھندہ بھی

ممنوع تھا مگر 1870ء تک یہ عالم تھا کہ جگہ جگہ جسم فروشی کے اڈے کھل چکے تھے اور اس ضمن میں کسی قسم کی پردہ پوشی کا بھی تکلف نہیں کیا جاتا تھا۔

شہر میں ''ویلز اسٹریٹ'' کے نام سے ایک گلی تھی۔ اس گلی کا نام کیپٹن ویلز کے نام پر رکھا گیا تھا جس نے ریڈ انڈینز سے جنگ کے دوران ملک و قوم کے لئے بیش بہا خدمات انجام دی تھیں اور اپنی جان بھی قربان کر دی تھی۔ 1870ء تک اس گلی میں جسم فروشی کے اتنے اڈے کھل چکے تھے کہ انتظامیہ کو اس بات پر شرم محسوس ہونے لگی کہ گلی کا نام کیپٹن ویلز جیسے آدمی کے نام پر تھا۔ خود کیپٹن ویلز کی روح بھی شاید اپنے نام پر قائم شدہ گلی کا حال دیکھ کر شرمسار ہوتی ہو۔ چنانچہ اس گلی کا نام تبدیل کر کے فقط ایونیو رکھ دیا گیا۔ انتظامیہ جسم فروشی کے اڈے تو ختم نہیں کرا سکی لیکن اس نے آنجہانی کیپٹن کی روح کو شرمندگی سے بچانے کے لئے کم از کم اتنی زحمت تو کر لی کہ گلی کا نام بدل دیا۔

شہر پر قانون کی کوئی خاص عملداری دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ شہر پر غیر ملکیوں اور گرد و نواح سے آنے والوں کی یلغار تھی۔ پولیس پر سیاسی اثر و رسوخ تھا۔ بعض عہدیدار اگر صحیح طریقے سے کام کرنا بھی چاہتے تھے تو اوپر سے دباؤ پڑ جاتا تھا اور گویا ان کے ہاتھ باندھ دیئے جاتے تھے۔ نیچے سے اوپر تک کرپشن عام تھی۔ عالم یہ تھا کہ جوئے کے اڈے چلانے والے ایک شخص ہاٹمن نے جسم فروشی کا اڈہ چلانے والی ایک ''میڈم'' سے شادی کی تو اس تقریب میں پولیس چیف جیک ٹیلسن مہمان خصوصی تھا۔

حالات نے شکاگو کو ''امریکا کے بدترین شہر'' کا خطاب دلوا دیا تھا۔ گو کہ ترقی کا سفر بھی جاری تھا۔ مغرب کی طرف جانے کے لئے یہ شہر گویا دروازے کی حیثیت رکھتا تھا۔ خانہ جنگی کی تباہیوں کے بعد جب تعمیر نو اور ترقی کا سفر شروع ہوا تو شکاگو نے بھی اپنی تمام تر خرابیوں کے باوجود ترقی کی لیکن اگر یہاں اس قدر کرپشن، بے راہ روی اور جرائم کی بھرمار نہ ہوتی تو یہ اس سے کہیں زیادہ ترقی کرتا۔ جوئے اور جسم فروشی کو عام طور پر زیادہ خطرناک محسوس نہیں کیا جاتا اور دنیا کے بہت سے شہروں میں، خواہ پیشانی پر بل ڈال کر ہی سہی، لیکن ان دونوں برائیوں کو بہرحال برداشت کر لیا جاتا ہے۔

لوگوں کو اندازہ نہیں ہوتا کہ ان برائیوں کی کوکھ سے مزید کیسے جرائم جنم لیں گے۔ ان دو برائیوں کی وجہ سے پولیس سب سے پہلے کرپٹ ہوتی ہے اور جب پولیس کرپٹ ہوتی ہے تو ہر طرح کے جرائم کا سیلاب آتا ہی چلا جاتا ہے۔ ماحول ایسا بن جاتا ہے جس میں دیانتدار افسر اور عام لوگ بے وقوف کہلانے لگتے ہیں۔ جو بہتی گنگا میں ہاتھ نہیں دھوتا اسے احمق سمجھا جاتا ہے۔

ان حالات سے گزرتا ہوا شکاگو شہر گویا اپنے آپ کو الکپون کے استقبال کے لئے تیار کر رہا تھا۔ یہ بات نہیں تھی کہ پولیس ڈپارٹمنٹ یا شہر کی انتظامیہ میں قدرے معقول یا اچھے لوگ بالکل ہی نہیں رہے تھے۔ ایسے لوگ بھی تھے لیکن وہ بیچارے سیلاب کے سامنے بے بس ہو گئے تھے۔ تاہم انہوں نے اپنی دانست میں کسی حد تک مسئلے کا حل یہ نکالا تھا کہ وہ برائیوں اور جرائم کو بعض مخصوص علاقوں تک محدود رکھنے اور باقی علاقوں کو ان سے کسی نہ کسی حد تک محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

1893ء میں یہاں کف لین نامی ایک 33 سالہ شخص نے ''ایلڈر مین'' کی نشست کیلئے الیکشن جیتا۔ یہ عہدہ ایک طرح سے شہر کے کسی بڑے علاقے کے نگران کا ہوتا تھا۔ اپنے علاقے میں اس کی حیثیت تقریباً وہی ہوتی تھی جو آج کے دور میں شہروں میں میئر کی ہوتی ہے۔

کف لین کسی زمانے میں ''مالشیا'' کہلاتا تھا۔ وہ اس زمانے میں ایک باتھ ہاؤس یا ''حمام'' چلاتا تھا جہاں وہ گاہکوں کی مالش بھی کیا کرتا تھا۔ اسی کام میں ترقی کر کے اس پر کچھ خوشحالی آئی تھی اور ایلڈر مین بننے کے بعد وہ یقیناً اونچے طبقے میں آ گیا تھا۔ تاہم اس وقت بھی اگر اسے اس کے منہ پر بھی ''مالشیا'' کہا جاتا تو وہ برا نہیں مناتا تھا۔ شکاگو کی کرپٹ سوسائٹی میں وہ پھر بھی ایک قدرے غنیمت آدمی تھا۔

وہ مضبوط تن و توش کا مالک تھا۔ پہلوان معلوم ہوتا تھا لیکن نہایت خوش مزاج اور شیریں زبان آدمی تھا۔ خوشحالی آنے کے بعد وہ بے حد خوش لباس اور فیشن ایبل بھی ہو گیا تھا۔

35 سالہ مائیک کینا اس کا نائب منتخب ہوا تھا۔ اپنے مختصر قد کاٹھ کی وجہ سے اسے ''ہنکی ڈنکی'' کا خطاب ملا ہوا تھا۔ ڈنکی اکثر چھوٹی چیزوں کو کہا جاتا ہے۔ کینا کا قد بہ مشکل پانچ فٹ ایک انچ تھا۔ ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے تھے۔ وہ مجموعی طور پر نازک اندام سا دکھائی دیتا تھا۔

وہ دو سیلون چلاتا تھا۔ سیلون ذرا کشادہ جگہ میں قائم شراب خانے کو کہا جاتا تھا جس میں لوگ پینے پلانے کے علاوہ چھوٹے موٹے مشاغل اور ہلکی پھلکی قمار بازی میں بھی وقت گزار سکتے تھے۔ ستا بھی سکتے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ کینا عرف ہنکی ڈنکی خود شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا تھا اور نہ ہی تمباکو نوشی کرتا تھا۔ اس کے ایک سیلون میں بھوکے اور بے گھر لوگوں کو مفت کھانا بھی ملتا تھا۔ بعض بے ٹھکانا غریبوں کو تو اس کے سیلون کے اوپر والے کمروں میں سونے کے لئے جگہ بھی دے دی جاتی تھی۔

مجموعی طور پر وہ ایک اچھا اور نیک دل آدمی تھا۔ اپنے زمانے کے مشہور مصنف ایچ جی ویلز نے اس کے دونوں سیلونز کا دورہ کرنے کے بعد اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے لکھا تھا: ''اپنی عملداری میں واحد شریف ترین آدمی خود کینا ہی دکھائی دیتا ہے۔''

بعض لوگوں کو تو اس پر بھی حیرت ہوتی تھی کہ ایسا شریف آدمی شکاگو کے مقامی الیکشن میں کیسے جیت گیا تھا؟ لوپ کے علاقے میں، آج کے دور میں ایک بہت بڑے ڈپارٹمنٹ اسٹور نے اپنے تہہ خانے میں واقع بار کا نام اس کے نام پر ''ہنکی ڈنکی بار'' رکھا ہے۔

کف لین اور کینا اپنی جگہ بہتر انسان سہی، لیکن ان کے آنے سے شہر کے حالات میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ کرپشن اسی طرح جاری رہی۔ جرائم اسی طرح پھلتے پھولتے رہے۔ بس سیاسی طور پر فضا میں کچھ استحکام محسوس ہونے لگا۔

1894ء میں جان ہاپکنز شہر کا میئر منتخب ہوا۔ اس وقت شہر میں کرپشن عروج پر تھی۔ سیاستدان، پولیس، وکیل، عدالتیں، تمام سرکاری محکمے، حتیٰ کہ عوام بھی کرپٹ تھے۔ بات صرف موقع ملنے کی تھی۔ جس کو جیسا موقع ملتا تھا، وہ اس سے فائدہ اٹھانے میں تاخیر نہیں کرتا تھا۔ سب آپس میں صرف ایک رشتے سے بندھے ہوئے تھے...... اور وہ تھا بددیانتی کا رشتہ...... بدعنوانی کا رشتہ......!

معاشرے کی حالت عجیب تھی۔ دیانتدار اور اصول پسند آدمی اجنبی دکھائی دینے لگا تھا۔ میئر جان ہاپکنز بڑے نیک ارادوں کے ساتھ آیا تھا لیکن کرپشن کے سیلاب کے سامنے جلد ہی شاید اس نے بھی اپنے آپ کو بے بس پایا۔ ایک بار شہر کے چند شریف معززین نے اسے جوئے خانوں کی ایک فہرست پیش کی اور درخواست کی کہ انہیں بند کرا دیا جائے۔ نیکی اور بدی بہرحال متوازی چلتی ہیں۔ برے سے برے

معاشرے میں بھی شریف اور اچھے لوگ یکسر ختم نہیں ہو جاتے۔ دیانتداری بالکل ہی ناپید نہیں ہو جاتی۔ معاشرے میں چند ایک لوگ ہر دور میں، ہر حال میں اصلاح کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو شاید شکاگو جیسے شہر بالکل ہی تباہ و برباد ہو جائیں، صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں۔

ایسے ہی لوگوں نے میئر کی خدمت میں وہ فہرست پیش کی تھی لیکن میئر کافی دنوں تک ان جوئے خانوں کو بند کرانے کے سلسلے میں کچھ بھی نہ کر پایا۔ جب اس سلسلے میں اس پر شرفاء کا دباؤ بڑھا تو اس نے ذرا شرماتے ہوئے ایک اجلاس میں اعتراف کیا۔ ''ان میں سے کئی جوا خانے میری ہی اجازت سے کھلے ہیں۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ لوگوں کی کتنی بڑی اکثریت اس قسم کی تفریح گاہوں کی حامی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کے پاس اردگرد کے چھوٹے شہروں اور گاؤں دیہات سے کاروباری مہمان آتے ہیں جو شہر کی معاشی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ ان مہمانوں کو خوش کرنے کے لئے اسی طرح کی تفریح گاہوں میں لے جاتے ہیں۔ اگر اس قسم کے اڈے بند ہو گئے تو ان کے پاس اپنی تفریح اور مہمانوں کی خاطر مدارات کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں رہے گا۔ شہر کی معاشی ترقی پر بہت برا اثر پڑے گا اور پھر خود ان ٹھکانوں سے نہ جانے کتنے لوگوں کا روزگار وابستہ ہے۔ ہمیں ہر پہلو کے بارے میں سوچنا ہوتا ہے۔''

پھر میئر نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں مزید کہا۔ ''حضرات! ہمیں حقیقت پسند کر سوچنا ہوگا۔ شہر، کاروباری اور تفریحی مراکز ہی کے سر پر ترقی کرتے ہیں، پھلتے پھولتے ہیں اور وسعت اختیار کرتے ہیں، عبادت گاہوں کے سر پر نہیں......''

شرفاء اور معززین بیچارے اس میئر کو اپنا حامی اور ہمنوا سمجھے تھے مگر اب اس کے بھی خیالات بدل گئے تھے۔ معلوم نہیں پہلے ہی سے اس کے اصل خیالات ایسے تھے یا میئر کی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد تبدیل ہوئے تھے۔ شاید اس دوران اسے بھی کوئی چاٹ لگ گئی ہو جس نے اس کے نظریات میں انقلاب برپا کر دیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے سیلاب کے سامنے خود کو بے بس محسوس کیا ہو اور حالات سے سمجھوتا کر لینا ہی بہتر سمجھا ہو۔

اصلاح پسند اس بات پر حیران ہوتے رہتے تھے کہ انہیں سیاست میں کامیابی کیوں حاصل نہیں ہوتی اور وہ اہم عہدوں پر اپنے آدمی لانے میں کامیاب کیوں نہیں ہوتے...... جبکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر آدمی معاشرے میں اصلاح چاہتا تھا...... مگر عجیب بات تھی کہ اصلاح پسندوں کو ووٹ بہت کم لوگ دیتے تھے۔ گھوم پھر کر برے اور کرپٹ لوگ ہی آگے آ جاتے تھے۔ یہ تاریخ کا ایک عجیب، منفی سا ارتقائی عمل تھا۔ الکپون کے شکاگو میں قدم رکھنے سے پہلے شہر اسی عمل سے گزر رہا تھا۔ وہ جب آیا تو فضا اس کیلئے خوب سازگار تھی۔

سماجیات کے ایک مؤرخ نے ان حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''لوگوں کے سامنے جب ووٹ دینے کا مرحلہ آتا ہے تو ان کے سامنے درحقیقت معاشرے کی اصلاح سے زیادہ اہم سوال آن کھڑے ہوتے ہیں۔ کسی کو اپنے لئے یا اپنے بھائی اور بیٹے کے لئے نوکری درکار ہوتی ہے۔ کسی کو اپنی بیمار ماں کو علاج کے لئے اسپتال میں داخل کرانا ہوتا ہے۔ کوئی اپنے بچے کو پڑھانا چاہتا ہے۔ لوگ بار بار دھوکا کھانے کے باوجود اسی قسم کے مسائل کے حل کیلئے ووٹ دیتے رہتے ہیں اور مسائل ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔''

دوسری طرف الکپون نے ایک مرتبہ کسی سے بات کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''کوئی بھی انسان سو فیصد دیانتدار یا سو فیصد قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ اگر آپ کا باپ، بھائی یا بہن مصیبت میں ہو تو آپ کیا کرتے ہیں؟ اگر آپ کو اسے مصیبت سے نکالنے کے لئے تھوڑی سی بے اصولی، تھوڑی سی بے ایمانی یا تھوڑی سی خلاف قانون حرکت کرنی پڑے تو آپ ضرور کریں گے۔ اگر آپ اسے مصیبت سے نکالنے کی تدبیر نہیں کریں گے تو دنیا آپ کو خود غرض، بے حس اور نہ جانے کیا کچھ کہے گی۔ لوگ کہیں گے، آپ کا خون سفید ہو گیا ہے۔ آپ خود اپنی نظر میں بھی گر جائیں گے۔ چنانچہ کسی شخص کو یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ سو فیصد ایماندار یا سو فیصد پابند قانون ہے۔ جب مسئلہ اپنے مفاد یا خون کے رشتوں کا آتا ہے تو سب باتیں دھری رہ جاتی ہیں۔ انسان کا طرز عمل بالکل مختلف ہوتا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ کی طرح ایماندار، راست باز اور بااصول وغیرہ ہی سمجھ رہا ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے دنیا کے سو فیصد انسان ایسے نہ ہوں لیکن ننانوے اعشاریہ ننانوے فیصد ایسے ہی ہوتے ہیں اور دنیا کا نظام بہرحال اکثریت کے سر پر چل رہا ہے۔''

ایک اور موقع پر الکپون نے کہا۔ ''میں حالات کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں اس کی کوشش بھی نہیں کرتا۔ میں آگے بڑھ کر اپنے آپ کو حالات کے سانچے میں ڈھالتا ہوں۔ پیچھے نہیں ہٹتا۔''

الکپون کو اس قابل بنانے میں ایک شخص کا کردار خاصا اہم تھا۔ اس کا نام جم کولوسمو تھا۔ وہ دس سال کی عمر میں امریکا آیا تھا اور شکاگو کے ایک غریبانہ سے علاقے میں رہنے لگا تھا جسے ''فرسٹ وارڈ'' کہا جاتا تھا۔ لڑکپن میں جم نے جوتے پالش کئے، اخبار بیچے اور ریلوے لائن بچھانے والے مزدوروں کے لئے پانی کی بالٹیاں لے کر جاتا رہا۔

قدرتی طور پر بھی اس کی اٹھان اچھی تھی اور پھر محنت مشقت نے اسے ایک مضبوط نوجوان بنا دیا۔ اس کا جسم ورزشی، کندھے چوڑے اور قد لمبا تھا۔ اس لئے اسے ''بگ جم'' کہہ کر بھی پکارا جاتا تھا۔ وہ ایک وجیہہ آدمی تھا۔ موٹی موٹی مونچھوں کی وجہ سے بارعب بھی دکھائی دیتا تھا۔ تاہم خوش مزاج تھا۔ لوگ اسے پسند کرتے تھے۔

اس میں آگے بڑھنے اور دولت کمانے کی بڑی لگن تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں وہ ایک ''ماہر فن'' قسم کا جیب کترا بن چکا تھا۔ صرف یہی نہیں، اس نے چھ ایسی عورتیں بھی تلاش کر لی تھیں جو اسے پسند کرتی تھیں لیکن وہ ان سے جسم فروشی کا دھندہ کرانے لگا تھا۔ کچھ عرصہ اس نے اطالویوں کے بلیک ہینڈ کہلانے والے گروہوں کے لئے بھتہ جمع کرنے کا کام بھی کیا۔

پھر نہ جانے کیا ہوا...... اس پر اصلاح اور خاکساری کا دورہ پڑا یا اسے قانون کا خوف محسوس ہونے لگا...... بہرحال وہ گلیوں میں جھاڑو دینے والے جمعداروں یا خاکروبوں میں شامل ہو گیا۔ ان میں زیادہ تر اطالوی تھے اور سفید وردی پہن کر کام کرتے تھے۔

بگ جم کی رہنمائی میں وہ کھیل کود اور صحت مندانہ مشاغل میں بھی حصہ لینے لگے۔ جم نے جلد ہی ان کا ایک کلب اور ایک یونین بھی بنا ڈالی۔ یہ 1897ء کا ذکر ہے۔ بگ جم کی عمر اس وقت 26 سال تھی۔ خاکروبوں کی ایک بڑی تعداد اس کے پیچھے تھی اور اس کے کہنے پر چلتی تھی۔ یہ گویا اس کے ''پکے ووٹ'' تھے۔ اس نے یہ ووٹ کف لین اور کینا کے لئے مخصوص کر دیئے تھے جو الیکشن جیت کر علاقے کے ایلڈر مین بن گئے۔

انہوں نے اس سیاسی خدمت کے عوض بگ جم کو پولیس کا کیپٹن اور ایک پولیس اسٹیشن کا انچارج بنا دیا۔ یوں اگر دیکھا جائے تو بگ جم کی زندگی میں بہت جلدی جلدی بڑے دلچسپ اتار چڑھاؤ آئے۔ کبھی اس نے جوتے پالش کئے، کبھی اخبار بیچے، کبھی مزدوروں کے لئے پانی کی بالٹیاں اٹھا کر چکر لگائے، کبھی جیبیں کاٹیں، کبھی عورتوں کا دلال رہا، کبھی خاکروب بن گیا اور آخر میں پولیس آفیسر!

ایک بار پھر اس کی ترقی کا دور شروع ہو گیا۔ اس نے اپنا ایک ذاتی پول ہال کھول لیا۔ اس کے علاوہ ایلڈر مین کے لئے جسم فروشی کے اڈوں، جوا خانوں اور اس طرح کے دوسرے ٹھکانوں سے ''نذرانہ'' جمع کرنے کی خدمت بھی انجام دینے لگا۔ ہر جگہ کی مناسبت سے ان نذرانوں کے باقاعدہ نرخ مقرر تھے۔

جسم فروشی کے اڈے چلانے والی خواتین جو عام طور پر ''میڈم'' کہلاتی تھیں بڑی خوشدلی سے اسے ہفتہ وار یا ماہانہ نذرانہ دیتی تھیں کیونکہ وہ اسے ذاتی حیثیت میں بھی پسند کرتی تھیں۔ وہ جس اڈے پر بھی چلا جاتا تھا وہاں کچھ دیر کے لئے خوشی کی لہر دوڑ جاتی تھی اور رونق سی ہو جاتی تھی۔

ایسے ہی ایک اڈے کی میڈم سے اس نے 1902ء میں شادی کر لی جس پر سب کو حیرت ہوئی۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے کیا دیکھ کر اس سے شادی کی تھی۔ بے کیف سے چہرے اور بے کشش سے خدوخال والی وہ عورت اس سے چھ سال بڑی تھی جبکہ کتنی ہی حسین اور نوجوان لڑکیاں بگ جم پر مرتی تھیں۔

بہرحال، جہاں تک مرنے کا سوال تھا، تو یہ عورت بھی بگ جم پر جان چھڑکتی تھی۔ شادی کے بعد بگ جم نے اس کے اڈے کے دروازے پر اس کے نام کی تختی لگوا دی۔ اب وہ بے خطر اپنا دھندہ چلا سکتی تھی۔ آخر وہ علاقے کے پولیس آفیسر کی بیوی تھی! اس کا نام وکٹوریہ تھا۔

شاید بعد میں لوگوں کی سمجھ میں آ گیا ہو کہ وکٹوریہ کی شکل میں بگ جم نے درحقیقت ''ترقی'' کا ایک اور راستہ تلاش کیا تھا۔ جلد ہی میڈم وکٹوریہ کے دو اڈے ہو گئے اور خود بگ جم نے بھی ایک اور پول ہال کھول لیا جو ایک طرح کا سیلون بھی تھا۔ دوسری طرف میڈم وکٹوریہ کے تعاون سے وہ جسم فروشی کے دھندے کو گویا ''پرچون'' سے ہول سیل یا تھوک کی سطح پر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ عیاشی کو زیادہ سے زیادہ سستی کرنے کی فکر میں رہتا تھا تاکہ غریب لوگ بھی اپنے ارمان نکال سکیں۔ اس کے خیال میں یہ بھی غریبوں کی خدمت کا ایک طریقہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک دو ڈالر جیب میں ڈال کر آنے والا بھی مایوس اور محروم واپس نہ جائے۔

اس قسم کے اڈوں پر آنے والے تازہ گلاب بھی عموماً پانچ سات سال میں اپنی تازگی اور مہک کھو دیتے تھے۔ اس طرح کی عورتیں پانچ سات سال بعد گلیوں میں دھکے کھاتی تھیں۔ ''اسٹریٹ واکر'' کہلاتی تھیں اور اپنے لئے خود خریدار تلاش کرتی تھیں۔ یہ گویا ان کا ''ریٹائرمنٹ'' کا زمانہ ہوتا تھا۔

بگ جم کوشش کرتا تھا کہ نئے گلاب تو آتے رہیں لیکن پرانے اور مرجھاتے ہوئے گلابوں میں سے بھی جو ذرا بہتر حالت میں ہوں، انہیں گلی میں نہ پھینکا جائے بلکہ ان کے دام گرا کر انہیں بھی وہیں رہنے دیا جائے۔ گلیوں میں پھرتے ہوئے میڈم وکٹوریہ کے ہرکارے ان گلابوں کی تعریف میں، متوقع گاہکوں کے سامنے زمین آسمان کے قلابے ملاتے۔ یہ ہرکارے عرف عام میں تو دلال ہی کہلاتے تھے لیکن ازراہ عزت افزائی انہیں ''کیڈٹ'' کہا جاتا تھا۔

ان دنوں اس قسم کی ''دردناک'' کہانیاں چھاپنا اخبارات کا محبوب مشغلہ تھا کہ پندرہ سولہ سال کی ایک لڑکی سیر کرنے گاؤں سے شہر آئی، یہاں کسی نوجوان نے اسے اپنی لچھے دار باتوں میں الجھایا، شادی کے وعدے وعید کئے اور پھر مشروب میں کوئی نشہ آور دوا پلا دی جس کے بعد لڑکی کو کوئی ہوش نہ رہا، آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو جسم فروشی کے اڈے پر پایا۔

اسے وہاں قید کر دیا گیا، لباس سے محروم کر دیا گیا۔ اسے روز مارا پیٹا جاتا اور کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جاتا۔ اس کی عزت لوٹ لی گئی اور اسے جسم فروشی پر مجبور کیا جاتا رہا مگر وہ مزاحمت کرتی۔ آخر ایک روز موقع پا کر وہ کسی کھڑکی کی جھری سے کوئی رقعہ باہر پھینکنے میں کامیاب ہو گئی جسے کسی نیک دل راہ گیر نے کسی اچھے پولیس آفیسر یا پھر اس کے گھر والوں تک پہنچا دیا جس کے بعد اس عذاب سے اس کی رہائی ممکن ہوئی۔

اخبارات میں آئے دن تھوڑے بہت رد و بدل کے ساتھ اس قسم کی کہانیاں چھپا کرتیں۔ دردمند لوگ دل پر ہاتھ رکھ کر انہیں پڑھتے اور دیر تک ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے۔ 1913ء میں ریاست الی نوائے کی ایک سینیٹ کمیٹی نے ان اسباب و محرکات کے بارے میں تحقیق شروع کی جو لڑکیوں کو جسم فروشی کی طرف لے جاتے تھے۔ اس کمیٹی نے ایک پولیس آفیسر کا بھی انٹرویو کیا۔ اس پولیس آفیسر نے تیرہ سال تک شکاگو کے ایسے ہی علاقوں میں کام کیا تھا جہاں جسم فروشی کا دھندہ زوروں پر تھا۔

اس سے پوچھا گیا۔ ''تمہارے خیال میں کون سی چیز عورتوں کو جسم فروشی کی طرف لے جاتی ہے؟''

''غربت۔'' پولیس آفیسر کا مختصر جواب تھا۔

''کیا......؟'' کمیٹی کے ایک رکن نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا اس کی وجہ صرف غربت ہے؟''

''سر! بنیادی وجہ غربت ہی ہوتی ہے۔'' پولیس آفیسر نے اب بھی یقین سے جواب دیا۔ ''بعض اوقات دوسرے عوامل بھی شامل ہو جاتے ہیں لیکن اگر صحیح طور پر تجزیہ کیا جائے تو بنیادی وجہ وہی غربت ہوتی ہے۔ معاشی ضروریات...... مجبوریاں...... اور ایسے عالم میں کوئی راستہ دکھائی نہ دینا...... آخر کار ایک راستہ نظر آ جاتا ہے...... یا کوئی دکھا دیتا ہے۔''

''اسکے علاوہ دوسرے عوامل کیا ہو سکتے ہیں؟''

''آسائشوں کی خواہش...... اچھا لباس پہننے، اچھی اچھی جگہوں پر گھومنے پھرنے اور دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کی تمنا...... شادی کے جھوٹے وعدے...... یا کسی اور طرح کا دھوکا کھا جانا...... یہ چیزیں بھی وجہ بن جاتی ہیں...... لیکن یہ سب چیزیں بھی زیادہ تر غربت اور محتاجی کی کوکھ سے ہی جنم لیتی ہیں۔ محروم لوگ زیادہ خواب دیکھتے ہیں...... اور خواب بہت سے لوگوں کو بھٹکا دیتے ہیں...... خاص طور پر نادانی کی عمر میں...... لیکن سر...... میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ غربت سب سے زیادہ خرابیوں کی جڑ ہے۔''

یہ ایک ایسے آدمی کا تجزیہ تھا جو پڑھا لکھا اور ذہین تھا، جس نے تیرہ سال تک صورتحال کا نہایت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ مثالیں پیش کرنے کیلئے اسکے پاس سیکڑوں کہانیاں تھیں۔ سینیٹ کمیٹی نے کافی عرصے میں 805 صفحات پر مشتمل رپورٹ مرتب کی۔ اس رپورٹ کے آخر میں اس نے پولیس آفیسر کی رائے سے اتفاق کیا۔

☆......☆......☆

بگ جم کا دھندہ بہت اچھا جا رہا تھا۔ اس کے تو دوسرے شہروں کے دلالوں سے بھی رابطے ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں اچھے اور نئے چہروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ چہرے اپنی ضرورت سے زیادہ ہوتے تھے تو دوسرے اڈوں کو فروخت بھی کر دیئے جاتے تھے۔ ایک اچھے چہرے کے چار پانچ سو ڈالر آسانی سے مل جاتے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ اچھی خاصی رقم تھی۔

بگ جم کے پاس کئی سمتوں سے خوب پیسہ آ رہا تھا اور جب کسی کے پاس پیسہ آتا ہے تو بھوکی اور لالچی نگاہیں بھی اس کی طرف اٹھنے لگتی ہیں۔ بگ جم کی طرف ان گروہوں کی لالچی نظریں مرتکز ہونے لگی تھیں جو بلیک ہینڈ کہلاتے تھے۔ یہ گروہ ہر دولت مند سے حصہ وصول کرنا اپنا حق سمجھتے تھے۔

اس سلسلے میں ان کا ایک مخصوص طریقۂ واردات تھا۔ کسی روز ڈاک میں ان کے شکار کو ایک خط موصول ہوتا تھا جس پر سیاہی سے ایک ہاتھ بنا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اس پر ضرب کے نشان کی طرح دو ہڈیاں اور ایک کھوپڑی بھی بنی ہوتی تھی یا اس کی جگہ خنجر بنا دیا جاتا تھا۔ اس قسم کی تصویروں کے نیچے مطالبہ درج ہوتا تھا۔

(جاری ہے)

مطالبہ بڑے نرم اور شائستہ انداز میں کیا جاتا تھا لیکن دھمکی بہرحال واضح ہوتی تھی۔ خط کا مضمون کچھ اس قسم کا ہوتا تھا:

ترجمہ: محمود احمد مودی | قسط: 4

الکپون

ALCAPONE

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز سچی کہانی

ماضی کا ایک کردار جو کسی نہ کسی روپ میں جنم لیتا رہتا ہے

”محترم جناب سائمن!

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ شاید ہمارا یہ عریضہ آپ کی نازک طبیعت پر بار گزرے لیکن کیا کیا جائے..... کہنے والی بات تو کہنی ہی پڑتی ہے۔ آپ کشادہ دلی اور فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے آج سے ٹھیک چار دن بعد، یعنی اس ماہ کی تین تاریخ کو شام کے ٹھیک چار بجے دو ہزار ڈالر کی رقم گتے کے ایک ڈبے میں ڈال کر اپنے گھر کے دروازے پر رکھ دیجئے گا۔ اگر آپ کو اپنی اور اپنے گھر والوں کی زندگی عزیز ہے تو آپ کو اس درخواست پر عمل کرنا ہی ہوگا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو یقین کیجئے کہ اس ہفتے کے اختتام تک آپ کا اور آپ کے اہل خانہ کا نام و نشان تک اس دنیا میں نہیں رہے گا۔

بہ صد احترام مجھے بس اتنا ہی کہنا تھا۔ اگر میری بات آپ کو ناگوار گزری ہے تب بھی بہرحال مجھے اپنے دوستوں اور خیر خواہوں میں شمار کیجئے گا۔ نیک خواہشات کے ساتھ، آپ کا دوست۔“

کبھی خط کسی تکلف کے بغیر سیدھے انداز میں بھی لکھا ہوتا تھا۔ مثلاً:

”مسٹر جیفری!

تمہارے پاس اچھی خاصی دولت ہے۔ اس میں سے تین ہزار ڈالر مجھے دے دو۔ رقم ایک لفافے میں رکھ کر اسٹریٹ نمبر [illegible] کے کونے پر پہنچنا۔ اس کونے والے سرخ رنگ کے مکان کی نچلی کھڑکی کا چھجا ٹوٹا ہوا ہے۔ کل، یعنی پیر کی رات ٹھیک بارہ بجے اس ٹوٹے ہوئے چھجے والی کھڑکی کے قریب جانا۔ وہاں کھڑکی کے نیچے سڑک پر ایک اینٹ رکھی ہوگی۔ رقم کا لفافہ اس اینٹ کے نیچے رکھ دینا اور وہاں سے چلے جانا۔

اگر تم نے ان ہدایات پر عمل کیا تو تم زندہ رہو گے ورنہ مارے جاؤ گے۔ تم چاہو تو پولیس کو اطلاع دے سکتے ہو۔ اگر پولیس مجھے تلاش کرنے میں کامیاب ہوگئی تو تمہاری رقم کی بچت تو ضرور ہو جائے گی لیکن جان نہیں بچے گی۔ کیونکہ میں جونہی جیل سے باہر آؤں گا، سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ تمہیں قتل کروں گا۔ اگر تم نے شہر چھوڑ کر کہیں بھاگنے کا فیصلہ کیا، تب بھی یہ مت سمجھنا کہ تم ہمارے ہاتھ سے بچ جاؤ گے۔ ہم نے سب کچھ سمجھا دیا ہے۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔“

ایسے کئی واقعات رونما ہو چکے تھے کہ کسی نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا اپنی بے وقوفی کے باعث ان خطوط کو نظر انداز کر دیا۔ اسے ہلاک کر دیا گیا۔ کسی کے گھر کو آگ لگا دی گئی۔ کسی کے کاروبار کی جگہ پر بم پھینک دیا گیا۔ اس سے یہ تاثر بیٹھ گیا کہ ان خطوط کو نظر انداز کرنا حماقت تھی اور گھاٹے کا سودا تھا۔

امریکا کے کئی شہروں میں مجموعی طور پر اپنی شناخت کے لئے بلیک ہینڈ یا بلیک ہینڈرز کے الفاظ استعمال کرنے والے جو گروہ کام کر رہے تھے، ان دنوں ان کی تعداد اندازاً چالیس سے ساٹھ کے درمیان تھی۔ انہوں نے گزشتہ تیس برسوں کے دوران کم از کم چار سو افراد کو نشانِ عبرت بنانے کے لئے سفاکانہ انداز میں قتل کر دیا تھا۔

آخر کار سرکاری اداروں کو مؤثر انداز میں ان کے خلاف حرکت میں آنا پڑا۔ محکمہ ڈاک کو بھی خصوصی احکام دیے گئے کہ وہ یہ خطوط لکھنے والوں کا سراغ لگانے کے سلسلے میں ہر ممکن تعاون کریں۔ کریک ڈاؤن کی وجہ سے یہ سلسلہ ذرا کم تو ہوا لیکن رکا نہیں۔

جن لوگوں سے رقم کا مطالبہ کیا جاتا تھا، وہ عام طور پر وہ لوگ ہوتے تھے جنہوں نے بڑی محنت سے دولت کمائی ہوئی تھی۔ وہ بدمعاش یا لٹیرے نہیں، دیانتدار بزنس مین ہوتے تھے۔ ان سے جس حد تک بن پڑتا تھا، وہ ایسے مطالبات پورے کر دیتے تھے لیکن ظاہر ہے، بگ جم تو اس قسم کا آدمی نہیں تھا۔

جب اسے اس قسم کا خط ملا تو غصے سے اس کی کھوپڑی بھک سے اڑ گئی۔ اسے یقین نہ آیا کہ کوئی اسے بھی اس قسم کا خط لکھنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ خط لکھنے والے کے خلاف کارروائی کس طرح کرے؟ وہ تو گمنام تھا۔ اس کی شخصیت پردۂ راز میں تھی۔ اگر کوئی بگ جم کے سامنے اشارتاً بھی کہہ دیتا کہ خط اس نے لکھا ہے، تو وہ اسے وہیں شوٹ کر دیتا لیکن جب کسی کو علم ہی نہ ہو کہ اس کا دشمن کون ہے، تو وہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کیسے کر سکتا ہے؟

اس نے غصے میں ایک ایسے آدمی کو ایک تاریک گلی میں گولی مار دی جس کے بارے میں اسے علم تھا کہ وہ بھتہ خور ہے۔ گو کہ بگ جم کو خود بھی احساس تھا کہ یہ وہ آدمی نہیں جس نے اسے خط لکھا ہے..... لیکن اسے اس خیال سے کچھ طمانیت کا احساس ہوا کہ اس کے ہاتھوں مرنے والا اور اسے خط لکھنے والا، دونوں تھے تو ایک ہی قبیلے کے آدمی۔

ایک اور بھتہ خور کے پیچھے اس نے اپنے ایک آدمی کو لگا دیا کہ موقع ملتے ہی اسے اڑا دینا۔ بگ جم کے آدمی نے اس کی ہدایت پر ایک بار اس آدمی پر گولی چلائی۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ گیا مگر اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس کے بعد پھر کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید وہ شہر ہی چھوڑ گیا تھا۔

چند دن سکون رہا۔ بگ جم کو گمان گزرا کہ شاید اس کا مسئلہ حل ہو گیا ہے لیکن پھر اس کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک بارعب پولیس آفیسر کی حیثیت سے اسے ذرا بھی توقع نہیں تھی کہ اس کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ تو اپنے گھمنڈ میں رات گئے تک بھی بعض اوقات غیر مسلح حالت میں سنسان گلیوں میں گھومتا رہتا تھا۔

ایک رات وہ ایک سنسان اور نیم تاریک گلی سے گزر رہا تھا کہ لمبے تڑنگے تین آدمیوں نے اچانک تاریکی سے نکل کر اسے گھیر لیا۔ ان کے آدھے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ نوجوان ہی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے اور وہ بالکل بے خوف نظر آ رہے تھے۔ انہیں گویا بگ جم کے پولیس آفیسر ہونے کی بھی کوئی پروا نہیں تھی۔

بگ جم کی توند اب خاصی نمایاں ہو چکی تھی۔ ایک نوجوان نے پستول کی نال اس کی توند میں چبھو کر کہا۔ ”ہم نے تمہیں پچیس ہزار ڈالر کی ادائیگی کے لئے خط لکھا تھا لیکن تم نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ اب تمہیں پچیس ہزار کی جگہ پچاس ہزار ڈالر دینا ہوں گے۔“

اس کے آدھے چہرے پر نقاب کی وجہ سے بگ جم اس کی شکل صحیح طور پر نہیں دیکھ پا رہا تھا لیکن صورت شکل کے بارے میں جو اندازہ ہو رہا تھا، اس سے اسے یہی لگ رہا تھا کہ نوجوان اس کیلئے بالکل اجنبی ہے۔ اس کے ساتھی بھی اسے اجنبی ہی معلوم ہو رہے تھے۔ بگ جم ایک جہاندیدہ پولیس والا تھا۔ اس کی کوئی حس اسے بتا رہی تھی کہ وہ تینوں پیشہ ور قاتل تھے اور انہیں یقیناً کسی ایسی طاقت کی پشت پناہی حاصل تھی جو علاقے کے پولیس آفیسر کو بھی خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس طرح اچانک گھیرے جانے پر بگ جم اندر سے ہل کر رہ گیا تھا لیکن اس نے بظاہر حتی الامکان بے پروائی سے کہا۔ ”تمہارے خیال میں کیا میں راتوں کو پچاس ہزار ڈالر جیب میں لئے پھرتا ہوں؟ اتنی بڑی رقم کا بندوبست کرنے کیلئے مجھے کافی مہلت درکار ہوگی۔“

”ٹھیک ہے، رقم اس وقت تو تمہاری جیب میں نہیں ہوگی لیکن بندوبست کرنے کے لئے تمہیں زیادہ مہلت کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے.....“ نوجوان غرایا۔ ”ہمیں معلوم ہے تمہارے پاس خاصی دولت ہے۔ چاروں طرف سے مال سمیٹ رہے ہو تم..... اور ہم تمہیں پہلے ہی کافی مہلت دے چکے ہیں۔ اسی لئے ہمیں رقم دگنی بھی کرنی پڑی ہے۔“

اسکے ساتھی بے چینی سے پستول ہاتھوں میں تھما رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بگ جم کو دوسری دنیا کی طرف روانہ کرنے کیلئے بیقرار تھے۔

بگ جم نرم اور صلح جویانہ لہجے میں بولا۔ ”دیکھو..... میں رقم ادا کروں گا لیکن اس کے لئے مجھے مہلت بہرحال درکار ہوگی۔ میرے پاس نقد رقم نہیں ہوتی۔ میں پیسہ کہیں نہ کہیں انویسٹ کئے رکھتا ہوں۔ ہمیں اسی طرح ایک دو میٹنگز اور کرنی ہوں گی، تمام تفصیلات طے کرنی ہوں گی۔“

”ہاں..... تاکہ اس دوران پولیس اور تمہارے سویلین گرگے ہمیں گھیر کر مار سکیں۔“ نوجوان نے کسی بدروح کی طرح قہقہہ لگایا اور نفی میں سر ہلایا۔ ”کوئی میٹنگ نہیں ہوگی..... ہاں..... مہلت..... تمہیں مل جائے گی۔ ادائیگی تمہیں کہاں اور کس طرح کرنی ہوگی، اسکے بارے میں ہدایات تمہیں خط کے ذریعے مل جائیں گی۔ تمہیں کتنی مہلت چاہئے؟“

”دو ہفتے۔“ بگ جم نے ایک لمحے سوچ کر کہا۔

”ٹھیک ہے.....“ مذاکرات کرنے والے نوجوان نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ ”آج سے ٹھیک پندرہویں دن اگر ہماری ہدایات کے مطابق رقم ہمیں نہ ملی تو ایسی ہی کسی گلی میں تمہاری لاش پڑی ہوگی۔ اس میں بہت سے سوراخ ہوں گے اور یہ جو تمہارا بڑا سا غبارہ ہے نا.....“ اس نے پستول کی نال اس کی توند میں مزید چبھوتے ہوئے کہا۔ ”اس میں سے ساری ہوا نکل چکی ہوگی۔“

بگ جم کو اپنے کان تپتے محسوس ہوئے۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اسے ایسی توہین انگیز صورتحال سے واسطہ پڑ سکتا ہے۔ پچاس ہزار ڈالر بہت بڑی رقم تھی۔ تاہم وہ چاہتا تو ادا کر بھی سکتا تھا لیکن اس نے اسی لمحے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی رقم ادا نہیں کرے گا۔

اس وقت تو اس کی جان بخشی ہوگئی۔

وہ سیدھا وکٹوریہ کے پاس آیا۔ اس نے وکٹوریہ کو یہ پورا واقعہ سنا دیا۔ وکٹوریہ جیسی بے خوف اور پُراعتماد عورت بھی فکرمند ہوگئی۔ بگ جم اس معاملے میں اپنی پولیس فورس کو استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے بھی جس معاملے میں وہ خود کچھ نہیں کر سکتا تھا، اس میں پولیس فورس بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ پولیس فورس کے ہاتھ قانونی مجبوریوں میں بھی بندھے ہوتے تھے۔ اسکے علاوہ بگ جم چاہتا بھی نہیں تھا کہ اس کے ماتحت پولیس والوں کو اس معاملے کی ہوا لگے۔ یہ جان کر ان کی نظر میں بھلا اس کی کیا عزت رہ جاتی کہ مجرم اس سے بھی بھتہ طلب کرنے لگے تھے اور وہ بھی اتنی بڑی رقم.....!

کچھ دیر سوچنے کے بعد وکٹوریہ کو خیال آیا کہ نیویارک کے علاقے بروکلین میں اس کا کزن جان ٹوریو رہتا تھا اور وہاں اس کی اچھی خاصی دہشت تھی۔ وہ اس قسم کے معاملات سے نمٹنے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ نیویارک کے اخبارات میں کبھی کبھار اس کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ اس کے مختصر وجود کے باعث اسے اخباری رپورٹرز نے ”ننھا جان“ کا لقب دے رکھا تھا۔ اسکے علاوہ وہ اسے ”خطرناک جان“ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ عجیب بات تھی کہ اس کے مختصر قد کاٹھ کے باوجود اس کی اتنی دہشت تھی۔

”میں جان ٹوریو کو یہاں بلا لیتی ہوں۔ وہ اس معاملے میں ضرور تمہاری مدد کرے گا۔“ وکٹوریہ بولی۔ ”تم پولیس والے ہونے کے باوجود اپنے لئے وہ کچھ نہیں کر سکتے جو وہ تمہارے لئے کر دے گا۔“

اس نے جب بگ جم کو ذرا تفصیل سے جان ٹوریو کے بارے میں بتایا تو اس کی باچھیں کھل گئیں اور وہ فوراً جان ٹوریو کو بلوانے پر رضامند ہوگیا۔ وہ [illegible] کا زمانہ تھا اور جان ٹوریو ابھی نیویارک ہی میں تھا۔

بگ جم کو امید نہیں تھی کہ جان ٹوریو اپنی کزن کے بلاوے پر شکاگو آ جائے گا..... مگر وہ آن پہنچا۔ وہ پورے جوش و خروش سے بگ جم کی مدد کرنے کے لئے تیار تھا۔ بگ جم کو خط کے ذریعے ہدایات موصول ہوئیں کہ وہ رقم لے کر ریلوے کی ایک پلیا کے نیچے پہنچے۔ یہ پلیا ویرانے میں تھی۔

جان ٹوریو اور بگ جم بگھی میں بیٹھ کر پلیا کی طرف روانہ ہوئے۔ بگھی کے فرش پر دو گن مین بھی لیٹے ہوئے تھے جنہیں باہر سے کسی کا دیکھنا مشکل تھا۔ وہ دونوں بگ جم ہی کے آدمی تھے۔ جان ٹوریو کو کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔ اسے بس ان آدمیوں سے کام لینا تھا۔ اصل اہمیت اس کے حوصلے اور تجربے کی تھی۔ بگ جم بس یہ چاہتا تھا کہ بات نہ بگڑے اور اس کی اپنی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

بگھی جیسے ہی پلیا کے قریب پہنچ کر رکی، تینوں نوجوان پلیا کے اوپر سے کود کر ان کے سامنے آ گئے۔ وہ شاید اسی لئے پلیا کے اوپر چھپے ہوئے تھے کہ آنے والوں کو دور ہی سے دیکھ سکیں۔ بگھی اوپر سے کھلی تھی اور تینوں بدمعاشوں کو شاید یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا تھا کہ بگھی میں صرف دو ہی آدمی ہیں اور ان میں سے ایک بگ جم ہے۔

بگ جم نے کنکھی مار کر جان ٹوریو کو اشارہ دے دیا کہ وہ تینوں ان کے مطلوبہ آدمی ہی ہیں۔ جان ٹوریو نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر بگ جم کے آدمیوں کو سگنل دے دیا۔ ان کے نام ایڈریو اور پیٹرک تھے۔ وہ ماہر نشانہ باز تھے۔ وہ تینوں نوجوان جو اپنی دانست میں اس وقت رقم وصول کرنے آ رہے تھے، پہلے سے بھی زیادہ بے خوف اور پُراعتماد معلوم ہوتے تھے۔

وہ بے پروائی سے ہاتھوں میں پستول جھلاتے بگھی کی طرف آ رہے تھے۔ انہیں غالباً یقین تھا کہ بگ جم کے پاس ان کے حکم کی تعمیل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ اسی اثناء میں فضا کا سکوت پے در پے دھماکوں سے درہم برہم ہو گیا۔ بگھی کی طرف سے کچھ نارنجی شعلے سے لپکے اور تینوں نوجوان، جھاڑیوں کے قریب زمین پر آڑے ترچھے ڈھیر ہو گئے۔

”اس طرح کے لوگوں کا علاج صرف گولی ہے۔“ مختصر الوجود جان ٹوریو نے بگھی سے اترتے ہوئے نہایت پُرسکون لہجے میں کسی جہاندیدہ بزرگ کی طرح بگ جم کو سمجھایا۔ ”اور اس کام میں تاخیر بالکل نہیں کرنی چاہئے۔“

وہ زمین پر ڈھیر نوجوانوں تک پہنچے جن کے جسموں سے بُل بُل خون بہہ رہا تھا اور زمین کو رنگین بنا رہا تھا۔ وہ آخری سانسیں لے رہے تھے۔ جان ٹوریو نے طمانیت سے سر ہلایا اور بگ جم کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ دونوں واپس آئے اور دوبارہ بگھی میں بیٹھ گئے۔ دونوں گن مین بھی کپڑے جھاڑ کر سیٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔ وہ معززانہ لباس میں تھے اور چہرے مہرے سے نہایت شریف آدمی معلوم ہوتے تھے۔ ان کی کمر سے گو کہ گولیوں کی بیلٹ بندھی ہوئی تھی اور پہلو میں پستول بھی جھول رہے تھے لیکن گمان نہیں گزرتا تھا کہ انہوں نے کبھی اس خطرناک چیز کو استعمال کیا ہوگا۔

”بس..... اتنی سی بات تھی!“ جان ٹوریو نے لاشوں کی طرف الوداعی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ بگ جم اس کے انداز پر مسکرا دیا۔ اسے مختصر قد و قامت کا یہ آدمی بہت اچھا لگا تھا جو گہری نظر سے دیکھنے پر بگ جم اور پیشہ ور مجرموں سے زیادہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔

دوسرے روز بگ جم کو پیغام ملا کہ کاؤنٹی اسپتال میں ایک نوجوان زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس نے بگ جم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اسے اس کے دو ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ اسپتال پہنچایا گیا تھا۔ تب بگ جم کو معلوم ہوا کہ اسکے آدمیوں کے ہاتھوں تین آدمیوں میں سے دو تو موقع پر ہی مر گئے تھے لیکن ایک زندہ بچ گیا تھا۔ تاہم وہ بھی اب زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔

بگ جم فوراً اسپتال جا پہنچا۔ اسے یہ جاننے کا تجسس تھا کہ وہ نوجوان اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ جب اس کے بیڈ کے قریب پہنچا تو نوجوان نزع کے عالم میں تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے کو تھیں مگر بگ جم کو دیکھ کر اس کے زخمی وجود میں گویا زندگی کی بچی کھچی توانائی عود کر آئی اور وہ دھیمی لیکن انتہائی نفرت بھری آواز میں بولا۔ ”جھوٹے..... دھوکے باز..... وعدہ خلاف.....!“ اور پھر وہ دم توڑ گیا۔

بگ جم حیران رہ گیا۔ مرنے والے کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے بگ جم نے اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاہدہ کیا تھا جس کی اس نے خلاف ورزی کی تھی۔ مجرموں کی بھی اپنی ہی ایک دنیا، ایک سوچ اور ایک انداز فکر تھا..... یا پھر شاید یہ مجرم ہی اپنی کوئی الگ دنیا بسائے ہوئے تھے۔

اسے بعد میں علاقے کی پولیس اور عدالتی تفتیش سے پتہ چلا کہ وہ تینوں نوجوان پٹسبرگ کے رہنے والے تھے۔ شاید انہیں اس خصوصی مہم کے لئے پٹسبرگ سے بلوایا گیا تھا لیکن کس نے بلوایا تھا، یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ خود ہی کوئی بڑا ہاتھ مارنے شکاگو آئے ہوں۔ بڑا ہاتھ مارنے کے بجائے وہ خود مارے گئے تھے۔

پولیس نے ان کے بارے میں رپورٹ مرتب کرتے وقت حسب معمول یہی لکھا۔ ”نامعلوم افراد کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔“ ان کے ہاتھوں میں چونکہ پستول بھی پائے گئے تھے اس لئے یہی سمجھا گیا کہ یہ گروہوں کی آپس کی لڑائیوں کا شاخسانہ تھا۔ اس واقعے سے بھتہ خوری کرنے والی چھوٹی موٹی ٹولیوں اور آزادانہ طور پر کام کرنے والے بدمعاشوں کو خاصی عبرت ہوئی اور ان کی سرگرمیاں کافی حد تک ٹھنڈی پڑ گئیں۔ جرائم پیشہ حلقوں تک تو اصل بات پہنچ ہی گئی تھی۔ ان پر بگ جم کی خاصی دہشت بیٹھ گئی اور انہوں نے اس کی طرف رخ کرنے کے ارادے ترک کر دیے۔

بگ جم کو جان ٹوریو اتنا اچھا لگا کہ اس نے اسے مستقل طور پر شکاگو منتقل ہونے اور اپنے ساتھ کاروبار میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ جان ٹوریو نے صرف چند منٹ کے غور و خوض کے بعد یہ دعوت قبول کر لی۔ اسے مین ہٹن کے حالات اپنے حق میں کچھ زیادہ سازگار معلوم نہیں ہوتے تھے۔ وہاں مافیائی قسم کے کاروباروں پر آئرش گروہوں کی گرفت زیادہ مضبوط تھی۔

جان ٹوریو خود اپنی نظر میں جتنا ”باصلاحیت“ تھا، اسکے مقابلے میں اسے اپنے لئے مین ہٹن میں ”ترقی“ کے مواقع کم نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ اس نے شکاگو میں بگ جم کے زیر سایہ قسمت اور صلاحیتیں آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں [illegible] سال کی عمر میں جان ٹوریو شکاگو منتقل ہو گیا۔

بگ جم نے ابتداء میں اسے جسم فروشی کے اپنے ایک اڈے کا منیجر مقرر کیا لیکن جان ٹوریو بہت جلد اس ”عہدے“ سے ترقی کر کے اس کے سارے ہی دھندوں کا نگران بن گیا۔ اسکی حیثیت اب بگ جم کے ”چیف لیفٹیننٹ“ کی تھی اور اسے تمام دھندوں میں سے کچھ حصہ ملنے لگا تھا۔ وہ بھی اپنی جگہ خوش تھا اور بگ جم بھی..... بلکہ بگ جم زیادہ خوش تھا کیونکہ جان ٹوریو کو حصہ دینے کے باوجود اس کی آمدنی میں اضافہ ہونے لگا تھا اور اس کا دردِ سر بالکل کم ہو گیا تھا۔ وہ ہر کام میں جان کھپانے سے بچ گیا تھا۔

مزید کچھ عرصے بعد جان ٹوریو نے اپنے باس کی اجازت سے خود اپنا ”کاروبار“ بھی شروع کر دیا۔ اس نے بھی جسم فروشی کا اپنا ایک اڈہ کھول لیا جو وکٹوریہ کے اڈے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کے ”منیجر“ کے طور پر کام کرنے کے لئے جان ٹوریو نے موشانا سے اپنے ایک کزن کو بلوا لیا۔ اس کا اصل نام تو کچھ اور تھا لیکن وہ راکسی کہلاتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ایک گن مین تھا۔

[illegible] میں شکاگو میں معیوب، ناجائز اور مجرمانہ دھندوں کے سلسلے میں کچھ دشواریاں پیدا ہونے لگیں۔ اس وقت شہر کا میئر ہیریسن تھا۔ گو کہ وہ بذات خود کرپٹ آدمی نہیں تھا لیکن اس نے ناجائز دھندے کرنے والوں کو خاصی ڈھیل دے رکھی تھی اور اپنا وقت عافیت سے گزارنے کے لئے ان کی طرف سے آنکھیں تقریباً بند کر رکھی تھیں لیکن اب اسے اصلاح پسند اور مذہبی طبقوں کے مسلسل دباؤ پر آخر کار ایک ”اصلاحی ڈویژن“ قائم کرنا پڑا۔

اس ڈویژن کا سربراہ ایک ریٹائرڈ میجر تھا۔ اس کا نام فنک تھا۔ وہ اصلاحات کے معاملے میں تقریباً جنونی اور انتہا پسند تھا۔ وہ معاشرے کی اپنے حساب سے اصلاح کرنے کے لئے نہ جانے کب سے ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ اس نے موقع ملتے ہی قلمیں اس طرح سنسر کرنی شروع کر دیں کہ ان کی درگت بننے لگی۔ وہ ٹیکنیکل مسائل سے بھی کوئی واسطہ نہیں رکھتا تھا اور کسی کی فریاد نہیں سنتا تھا۔

اس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ کرپٹ نہیں تھا۔ اصلاحی ڈویژن کا سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسے اعزازی طور پر ”سیکنڈ ڈپٹی پولیس کمشنر“ کا عہدہ بھی ملا ہوا تھا مگر وہ پولیس کے محکمے سے الگ رہتے ہوئے اپنے طور پر پولیس جیسی کارروائیاں بھی کر سکتا تھا جن کے لئے اس نے اپنے کچھ آدمی تعینات کئے تھے۔ یہ اس کا خصوصی اسکواڈ تھا۔

چھ ماہ کے اندر اندر اس نے سخت گیری سے کام لیتے ہوئے اپنی نگرانی میں، بدنام علاقوں سے 350 افراد کو گرفتار کیا۔ ان میں پیشہ ور

عورتیں، ان کے ایجنٹس، جواری اور کئی اڈوں کے مالکان بھی شامل تھے۔ اس نے کئی انتہائی بدنام اڈوں پر تالے بھی ڈلوا دیے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اسے پولیس اور عدالتی نظام کی مدد صحیح طور پر حاصل نہیں تھی۔

جب معاملہ پولیس اور عدالتوں کے ہاتھ میں پہنچتا تھا تو خرابیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ ایک تو قانونی گھماؤ پھراؤ اور موشگافیاں آڑے آنے لگتی تھیں۔ دوسرے ان دونوں شعبوں میں خوب کرپشن تھی۔ انتظامیہ میں کف لین اور کینا جیسے لوگ موجود تھے۔

پولیس کا حال اور بھی زیادہ خراب تھا۔ علاقے کے پولیس اسٹیشنز کے انچارج خود جرائم پیشہ لوگوں اور برے دھندے کرنے والوں کیلئے مخبری کرتے تھے اور انہیں وقت سے پہلے مطلع کر دیتے تھے کہ ان کے ہاں چھاپہ پڑنے والا ہے۔ ان حالات میں فنک کی کوششوں سے وہ نتائج تو حاصل نہیں ہو سکتے تھے جن کی وہ تمنا رکھتا تھا لیکن بہرحال ان سے برائیوں اور جرائم کے پھلنے پھولنے کی رفتار کچھ کم ہو گئی۔

بگ جم اور جان ٹوریو کے دھندوں پر تو کچھ زیادہ اثر نہیں پڑا تھا لیکن ٹوریو نے بہرحال برے حالات کی آہٹ سن لی تھی اور اسے اہمیت بھی دی تھی۔ وہ فوراً متوازی اور متبادل کاروبار شروع کرنے کے لئے سرگرم ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ صنعتی علاقے جو ریاستی سرحد کے قریب واقع تھے، آبادیوں سے کافی دور تھے۔ لوگوں کی بڑی تعداد مختلف شفٹوں میں کام کرنے کے لئے وہاں جاتی تھی لیکن وہاں بڑی سڑکوں کے کنارے کہیں بھی ڈھنگ کے ریسٹورنٹ یا کسی قسم کی تفریح گاہیں نہیں تھیں۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ امریکا میں لوگوں کے پاس ذاتی کاریں نظر آنے لگی تھیں جن کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ کاروں میں ایک شہر سے دوسرے شہر سفر کرنے والوں کی تعداد بھی بڑھے گی اور انہیں بھی سڑکوں کے کنارے ہوٹلوں اور ریسٹورنٹ کی ضرورت محسوس ہو گی۔

چنانچہ جان ٹوریو نے برن ہیم کے علاقے میں پہلا کلب نما ریسٹورنٹ کھول لیا۔ برن ہیم ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو وہاں سے قریب ہی تھا۔ وہیں سے اس کے لئے ملازم بھی مل گئے۔ جلد ہی جان ٹوریو نے وہاں اپنے دوسرے دھندے بھی شروع کر دیے۔ کھانوں اور شرابوں وغیرہ کے علاوہ وہاں عورتیں بھی دستیاب ہونے لگیں۔ یہاں کاروبار کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ یہاں شکاگو کے کسی بھی علاقے کی پولیس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ گاؤں دیہات کی پولیس اور انتظامیہ کے جو بھی تھوڑے بہت لوگ ہوتے تھے، وہ خود ایسی جگہوں پر پارٹ ٹائم نوکری ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

بگ جم اور جان ٹوریو اب باقاعدہ پارٹنرز تھے۔ انہوں نے مل کر ایسے ہی مقامات پر مزید دو ریسٹورنٹ کھول لئے جن میں ہر ''سہولت'' دستیاب تھی۔ یوں گویا شہری خرابیوں کو مضافات میں پناہ مل گئی۔

1914ء کے وسط میں شکاگو کے اس حصے میں بڑی کشیدگی پھیلی ہوئی تھی جو فرسٹ اور سیکنڈ وارڈ اور اسی طرح کے کچھ دوسرے علاقوں پر مشتمل تھا۔ اس حصے کو مجموعی طور پر لیوی کہا جاتا تھا۔

اس علاقے میں اصلاحی ڈویژن کے ایک مخبر کو قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر مزید ستم یہ ہوا کہ جو سراغرساں اس کے قتل کی تحقیقات کر رہا تھا، اسے بھی کسی نے چاقو گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ جس نائٹ کلب نما اڈے پر سراغرساں کو قتل کیا گیا تھا اس کا لائسنس منسوخ کر دیا گیا اور اسے بند کر دیا گیا۔ تاہم وقوعے کے وقت چونکہ مالک وہاں موجود نہیں تھا، اس لئے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو سکی۔

اس کا نام ہیری تھا۔ ایک روز وہ کسی اور کلب میں بیٹھا خوب پی رہا تھا۔ شاید اپنا اڈہ بند ہونے کا غم ستا رہا تھا۔ نشے میں دھت ہونے کے بعد اس نے اپنی میز پر بیٹھے لوگوں سے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔ ''یہ فنک کا بچہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے...... اس کا خیال ہے اسے شکاگو کو پاک صاف کرنے کا ٹھیکہ مل گیا ہے۔ اسے پتہ ہی نہیں ہے کہ اس کا اپنا وقت قریب آ گیا ہے۔ سب تیاریاں مکمل ہیں۔ جلد ہی اس کی...... اور اس کے قریبی ساتھیوں کی لاشیں کہیں نہ کہیں پڑی ملیں گی......''

اکثر شرابی نشے میں دھت ہونے کے بعد بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ عام طور پر یہ کھوکھلے دعوے ہوتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے لیکن ہیری کے دعوے نے اس حالت میں بھی خاصی سنسنی پھیلا دی۔

اسی فضا اور اسی پس منظر میں ایک اور افسوسناک واقعہ رونما ہو گیا۔ اصلاحی اسکواڈ نے ایک روز جسم فروشی کے ایک اڈے پر چھاپہ مارا اور کچھ لوگوں کو گرفتار کیا۔ بظاہر یہ بھی ایک کلب تھا اور اس کا نام ''ٹرف'' تھا۔ اسکواڈ والوں نے اپنے دو آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ بڑی بگھی کا بندوبست کر کے گرفتار شدگان کو اس میں بٹھا کر لے چلیں۔

وہ لوگ ایک دوسرے اڈے پر چھاپہ مارنے چلے گئے۔ پیچھے اصلاحی اسکواڈ کے دونوں سادہ لباس والوں نے اپنے قیدیوں کو بگھی میں بٹھایا ہی تھا کہ سامنے سے علاقے کے کچھ چھوٹے موٹے بدمعاش اور آوارہ سے لوگ ان کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے آ گئے۔ کسی نے ایک اینٹ بھی پھینک دی۔ اسکواڈ کے آدمیوں نے قدرے خوفزدہ ہو کر اپنی گنیں نکال لیں۔

اسی دوران پولیس کے دو اور سراغرساں ادھر سے گزرتے وقت ہنگامے کی آوازیں اور شور شرابہ سن کر قریب آ گئے۔ انہوں نے جب دو سادہ لباس والوں کو ہجوم کی طرف گنیں تانے دیکھا تو ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ اسکواڈ کے آدمیوں کو نہیں پہچانتے تھے۔ وہ سمجھے کہ شاید بدمعاشوں نے شہریوں پر گنیں تانی ہوئی ہیں۔ گھبراہٹ میں انہوں نے بھی اپنی گنیں نکال لیں۔

اسی دوران گرفتار شدگان نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بگھی سے اتر کر بھاگنے کی کوشش کی اور اسی وقت جان ٹوریو بھی فائر بریگیڈ کی گاڑی جیسے سرخ رنگ کی اپنی نئی کار میں وہاں سے گزرا۔ اس کی گاڑی سے ایک آدمی کود کر اترا۔

بعد میں جمع ہونے والی بعض شہادتوں کے مطابق اس شخص کا جو حلیہ بتایا گیا، اس کے مطابق وہ جان ٹوریو کا کزن راکسی ہو سکتا تھا لیکن دوسری چند شہادتوں میں جو حلیہ بتایا گیا، ان کے مطابق وہ بگ جم کا کزن مین پیٹرک بھی ہو سکتا تھا۔ ایک آدھ شہادت اس بات کی بھی ملی کہ گاڑی میں بگ جم بھی موجود تھا۔

بہرحال ٹھوس اور ناقابل تردید شہادت کسی بھی بات کی نہیں مل سکی جیسا کہ اس قسم کے ہنگاموں میں اکثر ہوتا ہے۔ صحیح طور پر کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ ہنگامہ کیسے شروع ہوا۔ بس کسی نے ایک گولی چلا دی تھی۔ اس کے بعد تو وہ مار دھاڑ شروع ہوئی کہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ کس نے کیا کیا، کس نے کس کو مارا۔

جب ہنگامہ ختم ہوا تو گرفتار شدگان فرار ہو چکے تھے۔ اسکواڈ کے آدمی جان بچا کر بھاگ گئے تھے۔ دونوں سراغرساں بیچارے، جن کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا اور جو محض وہاں سے گزر رہے تھے، فٹ پاتھ پر مرے پڑے تھے۔ جان ٹوریو کی گاڑی غائب ہو چکی تھی۔ کچھ لوگ زخمی ہو چکے تھے۔ سڑک پر پتھر، ٹوٹی ہوئی اور سالم بوتلیں اور دوسرا کاٹھ کباڑ بکھرا ہوا تھا۔

اس واقعے کے بعد علاقے میں کشیدگی بہت بڑھ گئی۔ جان ٹوریو کچھ عرصے کے لئے روپوش ہو گیا۔ کافی پکڑ دھکڑ ہوئی۔ بگ جم بھی شکوک و شبہات، اور پھر عتاب کی زد میں آ گیا۔ کسی نے اخبار میں اس کے بارے میں گمنام مگر حلفیہ مراسلہ لکھ دیا کہ ہنگامے کے وقت جان ٹوریو کی گاڑی میں وہ بھی موجود تھا اور فائرنگ اسی آدمی نے شروع کی تھی۔ اس کے آدمی، پیٹرک کے پاؤں میں گولی بھی لگی ہوئی تھی۔

بہرحال اس سارے چکر میں بگ جم کی نوکری جاتی رہی۔ صرف یہی نہیں، اسے دو چار دن حوالات میں بھی گزارنے پڑے۔ جس علاقے میں ہنگامہ ہوا تھا، اس علاقے کا پولیس آفیسر کیپٹن ریان بھی ایک کرپٹ آدمی تھا۔ اس کا تبادلہ ہو گیا۔ اس کی جگہ کیپٹن میکس کو تعینات کیا گیا جسے ایک دیانتدار آفیسر سمجھا جاتا تھا۔ اس کی شہرت بہت اچھی تھی۔

اس کی دیانتداری اس علاقے میں آنے کے بعد بھی برقرار رہی جس کا ثبوت کچھ یوں ملا کہ اس کی آمد کے دوسرے ہی روز علاقے کا ایک ''معزز'' آدمی بلوم اس سے ملنے پہنچا۔ وہ ایک ڈانس ہال کا مالک تھا۔ ڈانس ہال کی آڑ میں نہ جانے کیا کچھ ہوتا تھا۔

اس کا تجربہ تھا کہ بعض پولیس آفیسر کی شہرت تو یہی ہوتی تھی کہ وہ دیانتدار ہیں لیکن انہیں بھی شیشے میں اتارنا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ وہ دراصل صرف محتاط ہوتے ہیں۔ بے حساب نہیں کھاتے اور منہ پھاڑ کر کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔

اس نے لچھے دار باتیں شروع کیں اور آخرکار مطلب کی بات پر آیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ جس طرح وہ سابق کیپٹن ''خدمت'' کرتا تھا، اسی طرح اسے اب بھی خدمت کا موقع ملتے رہنا چاہیے۔

کیپٹن میکس نے سکون اور تحمل سے اس کی بات سنی۔ بلوم نے محسوس کیا کہ وہ آمادگی کی طرف آ رہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ سابق کیپٹن کو جتنی رقم پہنچایا کرتا تھا، نئے کیپٹن کو اس سے دگنی پہنچایا کریگا۔ اس نے اپنے اس ارادے کا اظہار بھی کر دیا۔

کیپٹن میکس نے اثبات میں سر ہلایا۔ بلوم خوش ہو گیا۔ وہ علاقے کا معزز آدمی تھا۔ یہی امید لے کر آیا تھا کہ میکس اس کی بات ٹال نہیں سکے گا۔ اس زمانے میں مطلوب مجرموں اور ''ہسٹری شیٹرز'' قسم کے لوگوں کی تصویریں پولیس اسٹیشن کے بیرونی کمرے میں دیوار پر لگی ہوتی تھیں جبکہ علاقے کے معززین کی تصویریں معززانہ ہی انداز میں، فریم کے ساتھ انچارج کے کمرے میں دیوار پر لگی ہوتی تھیں۔

کیپٹن میکس کے کمرے میں عقبی دیوار پر دوسرے کئی افراد کی تصویروں کے ساتھ بلوم کی بھی فریم شدہ تصویر آویزاں تھی۔ بلوم اس وقت اپنی اس تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے فخریہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ کیپٹن میکس نے اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے تصویر کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور اس نے تصویر دیوار سے اتار لی۔

تصویر ایک ہاتھ میں پکڑے وہ بلوم کی کرسی کے قریب آیا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے بلوم کو گریبان سے پکڑ کر کرسی سے اٹھایا۔ وہ اسے گھسیٹتا ہوا اپنے کمرے سے باہر لے گیا۔ اس کا دفتر چند سیڑھیوں کی بلندی پر تھا۔ اس نے بلوم کی پیٹھ پر ایک لات رسید کی اور وہ ان چند سیڑھیوں پر سے لڑھکتا ہوا نیچے جا گرا۔

اوپر سے میکس نے اس کی فریم شدہ تصویر بھی پھینک دی جو اس کے قریب جا کر گری اور اس کا شیشہ ٹوٹ کر کرچیوں میں تبدیل ہو گیا۔ بلوم نیچے پڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس وقت شاید اسے اپنی چوٹوں کی بھی پروا نہیں تھی، بلکہ شاید احساس تک نہیں تھا کہ اسے کوئی چوٹ بھی لگی ہے۔ اسے شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس کے بعد سے لیوی کے علاقے میں گویا وقت کافی حد تک بدل گیا۔ بہت سے اڈے بند ہو گئے۔ بہت سے دھندوں کے لائسنس منسوخ ہو گئے۔ بہت سی گرفتاریاں ہوئیں۔ جسم فروشی کے ایک اڈے کے مالک اور ایک ''میڈم'' کے شوہر نے اپنے ملازمین کو تنخواہیں دیں اور اڈے کو تالا لگا کر ٹھنڈی سانس لے کر رخصت ہوتے ہوئے بولا۔ ''لگتا ہے اب تو لیوی کے علاقے کی بہت اچھی طرح اصلاح ہو کر رہے گی۔''

بگ جم اور جان ٹوریو اس لحاظ سے عقلمند اور خوش قسمت تھے کہ انہوں نے یہ وقت آنے سے پہلے مضافات میں اپنے کاروبار سیٹ کر لئے تھے۔ گو کہ بعد میں شہر میں تھامسن نامی جو میئر منتخب ہوا وہ اصلاح پسندوں کا زیادہ حامی نہیں تھا۔ وہ خصوصی قوانین کے تحت جبری سے انداز میں لوگوں کے خلاف سخت کارروائیاں کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

اسکی اصلاحی اسکواڈ سے نہیں بنی۔ اختلافات بڑھتے رہے۔ آخرکار اس نے اصلاحی اسکواڈ کو ختم کر دیا اور میجر فنک کو برطرف کر دیا۔ اس کے باوجود بگ جم اور جان ٹوریو کو احساس رہا کہ لیوی کے علاقے میں پہلے جیسے دن لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ انہوں نے اپنی توجہ مضافاتی علاقوں کے کاروبار کی طرف ہی رکھی۔

ان سے انہیں بڑی اچھی آمدنی ہو رہی تھی۔ بگ جم کا ایک نائٹ کلب نما کیفے تو بہت ہی اچھا چل پڑا تھا حالانکہ اس میں کھانے پینے اور عام تفریحات کے علاوہ اوپر کے کمروں میں صرف جوا ہوتا تھا۔ کوئی اور معیوب دھندہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود صرف اسی سے بگ جم کو پچاس ہزار ڈالر ماہانہ کی آمدنی ہو رہی تھی۔ اس کا انتظام بھی اس کا پارٹنر جان ٹوریو ہی چلاتا تھا۔ بگ جم اپنی جگہ خوش اور مطمئن تھا۔

جان ٹوریو نے شکاگو کے اردگرد کے مزید گاؤں دیہات کی طرف توجہ دی اور جہاں جہاں کم خرچ میں، آسانی سے اس قسم کے مزید کیفے اور ریسٹورنٹس کھولے جا سکتے تھے وہاں بھی کھول دیے۔ جس جگہ مزید جس دھندے کی گنجائش ہوتی تھی اور اس میں کامیابی کا امکان نظر آتا تھا، وہاں وہ بھی شامل کر دیا جاتا تھا۔

ادھر 1919ء کے الیکشن میں تھامسن کے دوبارہ میئر منتخب ہونے کی امید نہیں تھی۔ اخبارات اسکے خلاف لکھ رہے تھے۔ نیویارک ٹائمز نے اس کے بارے میں لکھا۔ ''اس نے بڑی محنت سے شہریوں کا اخلاق تباہ کیا ہے اور وہ اب بھی جوش و خروش سے اسی کام میں لگا ہوا ہے۔''

ایک اور اخبار نے لکھا۔ ''وہ شکاگو کی تاریخ کا بدترین میئر ہے۔''

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود 1919ء کے الیکشن میں بھی میئر تھامسن جیت گیا کیونکہ وہ دولت مند اور کامیاب کاروباری آدمی ہونے کے باوجود عوام میں بیحد مقبول تھا۔ وہ ایک عوامی سا ہی آدمی تھا۔ ہر طبقے میں گھل مل جاتا تھا۔ انہی جیسی زبان بولتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے دور میں گیس اور دوسری کئی چیزوں کی قیمتیں کم ہوئی تھیں جنہیں اس سے پہلے کوئی کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا۔ اسکے علاوہ میئر تھامسن کے دور میں بیروزگاروں کو نوکریاں ملی تھیں۔ شاید انہی سب وجوہ کی بناء پر وہ دوبارہ میئر بن گیا تھا۔

...... اور یہی وہ زمانہ تھا جب نیویارک میں الکپون کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس نے ایک آئرش گروہ کے آدمی آرتھر کو مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا اور گروہ کے سیکنڈ باس ولیم نے اسے تلاش کرنا شروع کر دیا تھا۔ آخرکار اس کے باس ییل نے فیصلہ کیا تھا کہ الکپون کو شکاگو بھیج دیا جائے۔ معاملہ ٹھنڈا پڑنے تک وہ وہیں رہے۔ اس نے جان ٹوریو سے بات بھی کر لی تھی۔ ان حالات اور اس پس منظر میں الکپون شکاگو چلا آیا تھا۔

وہ نوجوان اور ناتجربے کار تھا۔ پناہ لینے کیلئے شکاگو آیا تھا۔ ظاہر ہے کسی بڑی پوزیشن پر تو فائز نہیں ہو سکتا تھا۔ جان ٹوریو کا ایک کلب ''فور ڈیوسز'' اچھا چلتا تھا۔ اس کی عمارت بھی خاصی بڑی تھی۔ الکپون نے پہلے تو اس میں باؤنسر کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ باؤنسر اس شخص کو کہا جاتا تھا جو شراب خانوں اور کلبوں وغیرہ میں، نشے میں دھت ہو کر شور شرابہ کرنے یا دوسرے گاہکوں کے لئے بدمزگی کا سبب بننے والوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا تھا۔ الکپون کا قد کاٹھ چونکہ اچھا تھا اور وہ ایک مضبوط نوجوان تھا۔ وہ اس کام کے لئے موزوں تھا۔ لڑائی جھگڑے سے وہ گھبراتا بھی نہیں تھا۔

ایک پرانے اخبار کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں کسی رپورٹر نے اس کے بارے میں لکھا تھا کہ اس نے الکپون کو اس کی جدوجہد کے شروع کے زمانے میں کبھی کبھار کلب کے دروازے پر بھی کھڑے دیکھا تھا۔ سردیوں کے دنوں میں وہ اوورکوٹ کے کالر کھڑے کر لیتا تھا اور ہیٹ کا چھجا ذرا جھکا لیتا تھا۔

کسی ''موزوں'' قسم کے راہگیر کو آتے دیکھ کر وہ بظاہر بے پروا سے انداز میں اس کے ہم قدم ہو کر چلنے لگتا تھا اور گویا اپنے آپ سے مخاطب ہو کر بڑبڑاتا تھا۔ ''اندر بڑی حسین لڑکیاں موجود ہیں۔''

بہرحال الکپون نے زیادہ عرصے اس قسم کے فرائض انجام نہیں دیئے۔ جان ٹوریو نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ وہ ایک باصلاحیت نوجوان تھا۔ وہ اس پر اعتماد کرنے لگا اور اہم ذمے داریاں بھی اسے سونپنے لگا۔ الکپون بھی اس کا بہت احترام کرتا تھا۔ اسے زیادہ واسطہ بھی جان ٹوریو سے ہی پڑتا تھا۔ بگ جم گو کہ اس کا پارٹنر تھا لیکن الکپون سے اس کا تعلق رسمی سا تھا۔

بگ جم اس دوران مالی طور پر بے حد مضبوط ہو چکا تھا۔ وہ شہر کی ممتاز شخصیات میں شمار ہونے لگا تھا۔ اس کا کسی حد تک سیاسی اثر رسوخ بھی ہو گیا تھا۔ وہ میئر اور ایلڈرمین کے الیکشن میں کھڑے ہونے والوں کو اطالویوں اور سیاہ فاموں کے ہزاروں ووٹ دلوا سکتا تھا۔

الکپون اکیس سال کی عمر میں جان ٹوریو کی نظر میں خاصی اہمیت حاصل کر چکا تھا اور وہ اس سے بہت کچھ سیکھ بھی رہا تھا۔ سچی بات یہ تھی کہ وہ جان ٹوریو سے کافی متاثر تھا۔ سردست وہی الکپون کا آئیڈیل تھا۔

کچھ عرصے بعد ییل نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ چاہے تو نیویارک واپس آ سکتا ہے، لیکن الکپون نے شکاگو ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ ''فور ڈیوسز'' کلب کی عمارت میں سامنے کی طرف ایک حصہ خالی پڑا تھا۔ الکپون نے اس میں تین چار پرانی میزیں اور ایک شوکیس لا کر ڈالا۔ شوکیس میں اس نے بیسیوں چھوٹی موٹی چیزیں بھر دیں۔ ایک کونے میں ایک گٹار دوسرے کونے میں ایک ایکیوریم رکھ دیا۔

شوروم ٹائپ اس دکان کی پیشانی پر اس نے بورڈ لگا دیا:

الکپون: سیکنڈ ہینڈ فرنیچر ڈیلر

اس نے اپنے کارڈ بھی چھپوا لئے جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ سیکنڈ ہینڈ فرنیچر اور نوادر کا ڈیلر ہے۔ کوئی اس سے پوچھتا کہ وہ کیا کرتا ہے، تو وہ مسکراتے ہوئے کہتا۔ ''میں ہر وہ چیز بیچ سکتا ہوں جو انسان کے کام آ سکتی ہو۔''

پھر وہ اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما دیتا۔

تھامسن تیسری مرتبہ شکاگو کا میئر منتخب ہو چکا تھا۔ یہ ایک ریکارڈ تھا۔ مجموعی طور پر کرپشن اور جرائم بڑھ رہے تھے۔ 1920ء میں صرف نومبر کے مہینے میں لوٹ مار کے 250 واقعات پیش آئے جو ایک ریکارڈ تھا۔ اس سال تین سو قتل کی وارداتیں ہوئیں۔

اسی سال معزز شہریوں پر مشتمل ایک کمیشن قائم کیا گیا۔ اس کا نام ''شکاگو کرائم کمیشن'' تھا۔ شہریوں نے اس امید پر یہ کمیشن قائم کیا تھا کہ پولیس جو کام انجام نہیں دے پا رہی تھی، شاید یہ کمیشن وہ کام کر سکے۔ یعنی جرائم کے اسباب تلاش کرنا اور ان کے سدباب کی کوششیں کرنا۔

ماہرین سماجیات اکثر یہ رائے دیتے ہیں کہ غربت جرائم کو جنم دیتی ہے۔ غریب لوگ اکثر ضروریات سے مجبور ہو کر جرم کی راہ اپنا لیتے ہیں۔ کافی حد تک یہ بات درست ہے لیکن کرائم کمیشن نے گہرے مشاہدے، باریک بینی اور بڑی تحقیق کے بعد نتیجہ اخذ کیا کہ شکاگو میں جرائم بڑھنے کی وجہ غربت نہیں تھی۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ بہت سے لوگوں نے جرائم کو پیشہ اور کاروبار بنا لیا تھا۔ گروہ بھی ان کاموں میں پیش پیش تھے اور انفرادی سطح پر بھی ہر شخص راتوں رات لکھ پتی ہونے کی فکر میں تھا۔

ادھر تین سال سے امریکا میں شراب کی تیاری اور فروخت پر کچھ پابندیاں عائد کرنے کے مطالبے ہو رہے تھے۔ کہا جا رہا تھا کہ شراب تیار کرنے اور فروخت کرنے کے لئے لائسنس وغیرہ کی پابندی عائد کی جائے۔ اس وقت تک جتنی بھی شرابیں تیار ہو رہی تھیں، بغیر کسی لائسنس اور بغیر کسی پابندی یا اندراج کے تیار ہو رہی تھیں۔ ان پر معمولی سے مقامی ٹیکس کے سوا کسی قسم کا کوئی ٹیکس عائد نہیں تھا۔ اسلئے ہر طرح کی شراب بہت سستی دستیاب تھی۔

مسلسل سیاسی اور اخلاقی دباؤ کی وجہ سے آخرکار 1920ء میں پارلیمنٹ نے کچھ قوانین منظور کر لئے جن کے تحت شراب کی تیاری، فروخت اور ایک سے دوسری جگہ لے جانے کیلئے اجازت ناموں وغیرہ پابندیاں لگائی گئیں اور کچھ ٹیکس بھی عائد کیے گئے۔

ان پابندیوں کی وجہ سے شروع میں تو امریکا میں گویا بھونچال سا آ گیا۔ پہلے پہلے تو کچھ ایسا تاثر پیدا ہو گیا جیسے شراب کوئی ممنوع چیز قرار دے دی گئی ہے۔ شراب تیار کرنے والے، سپلائی کرنے والے، فروخت کرنے والے اور پینے والے، سب ہی پریشان ہو گئے۔ ہر طرف ایک عجیب ہاہاکار مچ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ملک پر کوئی بہت بڑی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔

(جاری ہے)

شراب کی تیاری، فروخت اور نقل و حمل پر بہت سی پابندیاں اور ٹیکس لگنا جہاں بہت سے لوگوں کیلئے پریشانی کا باعث تھا، وہاں جان ٹوریو کے لئے گویا یہ خوشی کی خبر تھی۔ اسکے دل کی مراد بر آئی تھی۔ وہ مستقبل پر بہت

خلاف ورزی پر جرمانے اور سزائیں بہت کم تھیں۔ زیادہ سے زیادہ سزا ایک سال تھی۔ بہت آگے جا کر بھی کوئی ایسی مثال سامنے نہیں آئی کہ کسی جج نے زیادہ سے زیادہ جرمانے یا قید کی سزا کسی مجرم کو دی ہو۔ اس معاملے میں ججوں کا رویہ بہت نرم ہی رہا۔

الکپون

ALCAPONE

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز سچی کہانی

ماضی کا ایک کردار جو کسی نہ کسی روپ میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے

ترجمہ: محمود احمد مودی | قسط 5

دور تک نظر رکھنے والا آدمی تھا۔ اس نے محسوس کرلیا کہ نئے قوانین بہت سے لوگوں کو بے پناہ دولت مند بنانے کا ذریعہ بنیں گے۔ وہ خود کو بھی انہی لوگوں میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

اسے یقین تھا کہ جب شراب پر نئی پابندیاں اور نئے قوانین لاگو ہوں گے تو اس کی قیمت کئی گنا بڑھ جائے گی۔ اس وقت جو لوگ نئے قوانین کی زد سے باہر رہتے اور ٹیکسوں سے بچتے ہوئے شراب کا کاروبار کرنے کی ہمت کریں گے، وہ بہت دولت کمائیں گے۔ اگر کوئی صرف ایک بڑے شہر میں بھی اس کاروبار کو منظم کرنے میں کامیاب ہوگیا تو بہت کم عرصے میں اس کے پاس دولت کے انبار جمع ہو جائیں گے۔

اس وقت پورے امریکا میں شراب بہت سستی تھی۔ گو کہ اس پر مقامی سطح پر معمولی سے ٹیکس عائد ہوتے تھے لیکن بعض لوگ ان سے بھی بچتے ہوئے شراب کی خرید و فروخت کا دھندہ کرلیتے تھے۔ جان ٹوریو نے دیکھا تھا کہ معمولی سے ٹیکسوں کی بچت کرنے والے وہ لوگ بھی اچھی خاصی اضافی دولت کمانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ اب تو بہت بڑے پیمانے پر دولت کمانے کا امکان پیدا ہو رہا تھا۔ ضرورت بس اس بات کی تھی کہ کوئی بہت ہوشیاری سے اس کاروبار کو منظم کرے۔ جان ٹوریو اپنے آپ کو اس کام کیلئے پوری طرح اہل سمجھتا تھا۔

صرف ایک بات سے اسے تھوڑا سا خوف محسوس ہوتا تھا اور وہ یہ تھی کہ نئے قوانین اور ٹیکس وغیرہ سب کچھ مرکزی حکومت کی طرف سے عائد ہو رہے تھے۔ یہ مقامی یا ریاستی معاملہ نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کی خلاف ورزی پر کارروائی بھی وفاقی سطح پر ہوگی۔ یعنی پکڑ دھکڑ اور قانونی کارروائیاں ایف بی آئی کرے گی۔ ایف بی آئی جن معاملات میں مداخلت کرتی تھی، وہ ذرا سنگین ہو جاتے تھے۔ بس یہ پہلو جان ٹوریو کے لئے ذرا تشویش کا باعث تھا۔

ایف بی آئی سے جان ٹوریو کو ایک بار پہلے بھی واسطہ پڑ چکا تھا۔ گو کہ اس وقت بھی اس کا براہ راست تو واسطہ نہیں پڑا تھا اور نہ آمنا سامنا ہوا تھا لیکن اسے ایک ناخوشگوار تجربہ ضرور ہوا تھا۔

قصہ یہ تھا کہ ایک بار انہوں نے جسم فروشی کے اپنے ایک اڈے کی عورت کو اسکی مرضی کے خلاف دوسرے شہر بھیج دیا تھا۔ وہ پہلے ہی کچھ بھری بیٹھی تھی۔ وہاں جا کر اس نے باتیں بتانا شروع کردیں اور ان لوگوں کے پول کھولنے لگی۔ اس کی باتیں پولیس سے ہوتی ہوئی ایک ایف بی آئی ایجنٹ تک پہنچ گئیں۔ کسی شخص کو اس کی مرضی کے خلاف کسی کام پر مجبور کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا اغوا کے زمرے میں آتا تھا اور یہ جرم ایف بی آئی کے دائرہ اختیار میں آتا تھا۔

جان ٹوریو نے ایک آدمی کے توسط سے اس ایف بی آئی ایجنٹ سے معاملہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ دیانتدار آدمی تھا۔ کسی بھی طرح رشوت لینے پر آمادہ نہیں ہوا۔ چنانچہ جان ٹوریو کو کوئی باقاعدہ مقدمہ بننے سے پہلے اس عورت کو قتل کرانا اور اس کی لاش غائب کرنا پڑی تھی۔

اب جبکہ جان ٹوریو کوئی ٹیکس ادا کئے بغیر اور کسی قانون کی پابندی کئے بغیر بڑے پیمانے پر شراب کی تیاری اور فروخت کا کاروبار شروع کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا تو ایک بار پھر ایف بی آئی کے خوف نے اس کے ذہن میں سر ابھارا۔

جلد ہی اس کا یہ خوف دور ہو گیا۔ مرکزی حکومت نے فاضل آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ پیدا کرنے اور اصلاح پسندوں کو خوش کرنے کی غرض سے شراب کے بارے میں قانون تو بنا لیا تھا لیکن اس کی تمام شقوں پر عملدرآمد کرانے کے لئے اس کے پاس پورے ملک میں خاطر خواہ عملہ نہیں تھا۔ تنہا ایف بی آئی یہ کام نہیں کرسکتی تھی۔ اسکے پاس ملک بھر میں اتنے زیادہ لوگ تو نہیں تھے اور پھر ایف بی آئی کو دوسرے بہت سے کام ہوتے تھے۔

چنانچہ ان قوانین پر عملدرآمد کیلئے سردست عارضی طور پر کچھ عملہ ہر شہر میں بھرتی کیا گیا۔ اس کیلئے امیدواروں کو ایک امتحان بھی پاس کرنا تھا۔ امتحان پاس کرنے کے لئے دو مواقع دیئے جا رہے تھے۔ آدھے سے بھی کم امیدوار دو مواقع میں یہ امتحان پاس کر پا رہے تھے۔ حالانکہ امتحانی پرچہ بہت آسان اور مختصر ہوتا تھا۔ اس کی تیاری کے لئے مواد بھی فراہم کیا جاتا۔

پاس ہونے کے بعد جن لوگوں کو تعینات کیا جاتا تھا، ان کی حیثیت سرکاری نہیں ہوتی تھی اور ان کی تنخواہ بھی بہت کم تھی، یعنی سالانہ بارہ سو سے دو ہزار ڈالر کے درمیان۔ اس زمانے میں بھی گلیوں میں جھاڑو دینے والے اس سے زیادہ تنخواہ لے رہے تھے۔ گھروں پر آ کر کوڑا کرکٹ جمع کر کے گاڑیوں میں لاد کر لے جانے والوں کے معاوضے بھی اس سے زیادہ تھے۔

تعینات کئے جانے والے ان لوگوں کو فیلڈ ایجنٹ کہا جاتا تھا۔ کم مشاہرے کی ان نوکریوں پر بھی زیادہ تر تقرریاں سیاستدانوں کی سفارش پر ہو رہی تھیں۔ اسکے باوجود ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ پورے ملک میں فیلڈ ایجنٹ کل پندرہ سو کی تعداد میں تعینات کئے گئے تھے۔ ظاہر ہے اتنے افراد پورے ملک میں شراب کے معاملات کو کنٹرول کرنے کیلئے ناکافی تھے جبکہ شراب روزمرہ زندگی کا ایک حصہ تھی۔

شروع میں ان کی تعداد یہی تھی۔ بعد میں فیلڈ ایجنٹس کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھ کر 2300 تک پہنچی۔ لیکن یہ بھی کچھ ایسی زیادہ نہیں تھی۔ یہ ساری صورتحال بدعنوانی اور رشوت خوری کو دعوت دینے والی تھی۔ کسی معجزے کے تحت اگر یہ سارے ایجنٹ نہایت دیانتدار بھی ہو جاتے تب بھی تمام معاملات کو صحیح طور پر کنٹرول کرنا اتنے کم لوگوں کے بس کی بات نہیں تھی۔

کرپشن کو دعوت دینے والی دوسری بات یہ تھی کہ نئے قوانین کی

قانون پر عملدرآمد کے سلسلے میں کئی مضحکہ خیز مثالیں بھی سامنے آئیں۔ امریکا میں قانون کی خواہ کتنی ہی خلاف ورزی ہوتی رہے لیکن قانون پر حرف بہ حرف عمل کرنے کا شوق بھی بہرحال امریکیوں کو رہا ہے۔ اگرچہ حرف بہ حرف عملدرآمد نہ بھی ہوسکے تب بھی انہیں یہ ظاہر کرنے کا شوق ضرور ہے کہ انہوں نے عملدرآمد کرنے کی اپنی سی کوشش ضرور کی ہے۔

نئے قوانین میں درج تھا کہ غیر قانونی شراب کی نقل و حمل کے لئے جو سواری یا کوئی بھی دوسری چیز استعمال کی جارہی ہوگی، اسے موقع پر ہی ضبط یا نیلام کیا جاسکے گا۔ آنے والے دنوں میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ایک بینک کا پریذیڈنٹ اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں شراب کی ایک چپٹی اور چھوٹی بوتل رکھ کر پیدل ایک جگہ سے قریب ہی کسی دوسری جگہ جارہا تھا۔

راستے میں اتفاقاً کسی پولیس والے نے تلاشی لے کر اس کی جیب سے وہ بوتل برآمد کرلی۔ اب سوال یہ اٹھ کھڑا ہوا کہ بینک کے صدر کے خلاف تو جو کارروائی ہوگی، سو ہوگی لیکن کیا اس کی پتلون کے بارے میں بھی کوئی کارروائی کی جائے؟ قانون کی رو سے دیکھا جاتا تو اس کی پتلون شراب کی ''نقل و حمل'' میں استعمال ہو رہی تھی۔ کیا اسے موقع پر ہی ضبط یا نیلام کیا جائے؟

دلچسپ بات یہ تھی کہ آئے دن پارلیمنٹ میں بھی اس قسم کے کسی نہ کسی سوال پر بحث ہوتی رہتی تھی کیونکہ ایسا کوئی نہ کوئی واقعہ پیش آجاتا تھا جس میں کوئی قانونی نکتہ عجیب انداز میں سامنے آجاتا تھا اور وکیل اس صورتحال سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔

یہ سب کچھ تو خیر بہت بعد میں ہوا لیکن جان ٹوریو نے حالات کا اندازہ شروع میں ہی لگا لیا تھا۔ اس کی شہرت ایک خطرناک آدمی کی تو تھی ہی...... لیکن وہ ایک شاطر بزنس مین بھی تھا۔ کاروبار کے میدان میں کس وقت، کس سمت میں قدم اٹھانا چاہئے، یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ کچھ لوگ حالات سے بددل ہو کر شراب تیار کرنے کی فیکٹریاں جنہیں 'بریوری' کہا جاتا ہے، فروخت کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور جان ٹوریو اسی دھندے میں زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

اس نے سستے داموں شراب کی دو فیکٹریاں خرید لیں جو نئے قوانین کا شور برپا ہونے سے پہلے ہی بند تھیں۔ چنانچہ وہ جان کو بہت ہی سستے داموں مل گئیں۔ کچھ اور بدمعاش بھی یقیناً شراب کی قیمتیں بہت زیادہ بڑھنے کا اندازہ کر رہے تھے۔ اس کا ثبوت یوں ملا کہ جب نئے قوانین نافذ ہونے کا وقت قریب آیا تو کئی علاقوں میں شراب کی بوتلوں سے بھرے ہوئے ٹرک لوٹ لئے گئے۔

جان ٹوریو ان واقعات کے بارے میں پڑھ کر مسکرا دیا۔ اسے اعتراف تھا کہ یہ حرکتیں کرنے والے بھی تیز، شاطر اور مستقبل بین قسم کے لوگ تھے لیکن جان کے خیال میں انہوں نے بہت چھوٹے پیمانے پر حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ کوئی گروہ ایک یا دو ٹرک شراب کو آخر کب تک بیچ سکتا تھا؟ وہ تو اس صورت حال سے بہت بڑے پیمانے پر، اور مستقل طور پر فائدہ اٹھانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ وہ ایک باقاعدہ بزنس یا صنعت چلانے جا رہا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اس میں سے حکومت کو کوئی حصہ دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اسکے خیال میں حکومت جب چیزوں پر بھاری اور غیر منصفانہ ٹیکس عائد کرتی تھی اور زبردستی لوگوں سے وصول کرتی تھی تو یہ بھی ایک طرح کی بھتہ خوری ہی تھی۔

وہ اپنے منصوبے پر بڑی مستعدی اور تندہی سے عمل پیرا تھا۔ تمام کام اپنی اپنی سمت میں آگے بڑھ رہے تھے لیکن اسے ایک بہت بڑی تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا جو اسے اپنی تیز رفتار ترقی کے راستے میں رکاوٹ بنتی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ تبدیلی یہ تھی کہ بے خوف اور دلیر بگ جم اب کچھ ڈرپوک اور بزدل ہوتا جا رہا تھا۔ دراصل وہ محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ جان ٹوریو کو معلوم نہیں تھا کہ محبت انسان کو بزدل بھی بنا دیتی ہے۔ کم از کم بگ جم کے معاملے میں تو یہی ہوا تھا۔ جوں جوں اس کی محبت میں شدت آتی گئی توں توں وہ زندگی کے بیشتر معاملات میں کم حوصلہ اور بزدل ہوتا گیا۔

اسکے ساتھ ایک عجیب معاملہ ہوا۔ وہ اچھا بھلا اپنی موٹی، بے ہنگم، بے کیف اور منہ پھٹ بیوی وکٹوریہ کے ساتھ چین سکون کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اب تو وہ معیوب قسم کے دھندوں سے بھی کافی حد تک نکل آیا تھا اور معززانہ قسم کے کاروبار چلاتے ہوئے ایک ممتاز بزنس مین بن چکا تھا مگر پھر اس کی زندگی میں ایک حسین مغنیہ اور رقاصہ آ گئی......!

اس کا نام ڈیل ونٹر تھا۔ وہ ایک نہایت حسین اور سرو قد عورت تھی جو ہر قدم پر فتنے جگاتی تھی۔ اس کا سراپا، اس کے نشیب و فراز، اس کا چہرہ نہایت دلکش تھا۔ گو کہ وہ زندگی میں خاصے دھکے کھاتی ہوئی بگ جم تک پہنچی تھی لیکن اسکے چہرے پر معصومیت برقرار تھی۔ وہ اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ایک عجیب سی حیرانی اور معصومیت لئے، اپنی لمبی لمبی پلکیں جھپکاتی تھی تو اس سے بات کرنے والے مردوں کے دل اتھل پتھل ہونے لگتے تھے۔

اس کی شخصیت اور صورت شکل جتنی اچھی تھی، قسمت اتنی ہی خراب تھی۔ وہ شکاگو سے کچھ دور کسی چھوٹے قصبے میں رہتی تھی۔ گھریلو حالات اچھے نہیں تھے۔ ایسے میں اسے شکاگو کا کوئی مجہول اور نوسر باز سا آدمی ملا جس نے اسے شکاگو میں اسٹیج کی ملکہ بنانے کے وعدے کئے۔ شاید اس بہانے اس نے وہاں کچھ اچھے اور رنگین دن بھی گزار لئے ہوں۔

غنیمت یہ تھا کہ ڈیل ونٹر اس کے ساتھ نہیں چل پڑی ورنہ شاید وہ بہت جلد جسم فروشی کے کسی اڈے پر جا پہنچتی۔ اس نے مجہول آدمی سے وعدہ کیا کہ وہ کچھ عرصے بعد شکاگو آئے گی اور اس سے ملے گی۔ مجہول آدمی کا دعویٰ تھا کہ شکاگو میں اس کی حیثیت اسٹیج کے بادشاہ کی سی ہے۔ وہ خود تو اداکار نہیں تھا لیکن بڑے بڑے پروڈیوسر اسکے مشورے کے بغیر ڈرامہ تیار نہیں کرتے تھے اور بڑی بڑی معروف ہیروئنیں اس سے پوچھے بغیر کوئی ڈرامہ سائن نہیں کرتی تھیں۔ اس نے ڈیل ونٹر کو اپنے دفتر کا پتہ دیا تھا جس میں، بقول اس کے، شو بزنس کے بڑے بڑے لوگوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔

کچھ عرصے بعد ڈیل ونٹر اپنی کشتیاں جلا کر اس پتے پر پہنچی تو وہاں کوئی دفتر نہیں تھا۔ وہاں بڑی سی ایک دکان تھی جسے چلانے والوں نے کبھی اس مجہول آدمی کا نام بھی نہیں سنا تھا اور نہ ہی وہ اس حلیے کے کسی شخص کو جانتے تھے۔

ڈیل ونٹر کئی دن اس کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ اس کے پلے جو تھوڑی سی رقم تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ وہ پریشان حال، ادھر ادھر دھکے کھاتی اور بدقماشوں سے بچتی بچاتی پھر رہی تھی۔ اس کا انجام نہ جانے کیا ہوتا، مگر قسمت نے اس پر تھوڑی سی مہربانی کی کہ اس کی ملاقات آرتھر سے ہوگئی۔

آرتھر اس کے قصبے کا تھا۔ وہ لڑکپن میں ہی موسیقار بننے کا شوق دل میں لئے شکاگو آ گیا تھا۔ اس نے مختلف ساز بجانے کی تربیت حاصل کی تھی۔ کئی نائٹ کلبوں میں سازندوں میں شامل رہا تھا۔ اب اسے خاصا اچھا موسیقار سمجھا جاتا تھا۔ ان دنوں وہ بگ جم کے کلب میں تمام سازندوں کا انچارج تھا۔ وہ اپنی جگہ ایک چھوٹا موٹا میوزک ڈائریکٹر تھا۔

اس سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ وہ ڈیل ونٹر کو جانتا تھا۔ صرف یہی نہیں، لڑکپن اور نوجوانی میں اس کے دل میں ڈیل کے لئے ویسے ہی عشقیہ اور رومانی جذبات تھے جیسے اکثر نوخیز لڑکوں کے دلوں میں کسی غیر معمولی حسین اور دلکش لڑکی کیلئے ہوتے ہیں۔ ڈیل اس وقت نوخیز اور کم عمر ہی تھی۔ آرتھر اس سے عمر میں خاصا بڑا تھا۔

دونوں کے درمیان چند ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں مگر وہ سیدھی سادی، معصوم اور بے ضرر سی ملاقاتیں تھیں۔ ڈیل ونٹر کو گانے اور اداکارہ بننے کا شوق اس وقت بھی تھا۔ اس کی آواز بھی اچھی تھی اور اس نے گانے کی تربیت بھی لینا شروع کردی تھی۔

جب آرتھر شکاگو چلا آیا تھا تو اس کا ڈیل ونٹر سے کوئی رابطہ نہیں رہا تھا اور وہ اپنی زندگی کی بھاگ دوڑ میں الجھ کر اسے بھول گیا تھا۔ بس دل میں ایک میٹھی سی کسک باقی تھی۔ اب اچانک ڈیل ونٹر سے سامنا ہوا تو بچپن اور لڑکپن کی دھندلی یادیں واضح ہوتی چلی گئیں۔ ڈیل اب پچیس سال کی تھی اور آرتھر تقریباً پینتیس کا تھا۔ وہ اب شادی شدہ تھا۔ اس کے دو بچے تھے۔

وہ اب ڈیل سے شادی تو نہیں کرسکتا تھا لیکن اس کی مدد ضرور کرسکتا تھا۔ وہ اس نے کی۔ دونوں جب ایک دوسرے کو اپنا اپنا احوال سنا چکے تو آرتھر نے اسے کچھ اچھے ملبوسات دلائے۔ اچھی جگہ کھانا کھلایا اور قدرے بہتر جگہ پر اس کے قیام کا انتظام کیا۔ وہ ایک سستی اور گھٹیا سی سرائے میں ٹھہری ہوئی تھی۔

بہرحال یہ سب عارضی انتظامات تھے۔ اصل مسئلہ تو مستقل انتظامات کا تھا۔ آرتھر نے کافی سوچا کہ وہ ڈیل کیلئے کیا کرے؟ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ اسے بگ جم سے متعارف کرا دے اور اس کی سفارش کرے۔ بگ جم بہرحال بطور باس خاصا اچھا آدمی تھا۔

اس نے ڈیل کو ساتھ لے جا کر بگ جم سے ملوایا اور اسکے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بگ جم ایک ٹک ڈیل کی طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔ آرتھر کو اس بات پر اس لئے حیرت تھی کہ وہ بگ جم کو اچھی طرح جانتا تھا اور اس کی زندگی کے معمولات کو کافی قریب سے دیکھتا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ عورت بگ جم کے لئے کوئی انوکھی چیز نہیں تھی۔ اس کی زندگی کا ایک بڑا حصہ عورتوں میں گھرے ہوئے گزرا تھا جن میں سے بعض غیر معمولی حسین بھی تھیں...... لیکن ڈیل کو بگ جم نے کچھ ایسی حیرت، اشتیاق اور انہماک سے دیکھا تھا جیسے گاؤں دیہات کے کسی نوعمر اور سادہ لوح لڑکے نے کسی حسین عورت کو پہلی بار اپنے قریب دیکھا ہو۔

بگ جم نے خوشی سے اسے اپنے کلب میں گانے کی اجازت دے دی۔ یہاں ڈیل کی قسمت اور اس کی صلاحیتوں نے اس کی کچھ اور مدد کی۔ اس نے کلب میں گانا کیا گایا، گویا میلہ لوٹ لیا۔ تماشائیوں اور سامعین نے دل کھول کر داد دی۔ وہ اس کے سراپا اور اس کی آواز پر فدا ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

ڈیل کا آزمائشی شو کامیاب رہا تو بگ جم نے اسے مستقل طور پر وہاں گانے اور رقص کرنے کی اجازت دے دی۔ ڈیل نے روزانہ وہاں اپنے فن کا مظاہرہ شروع کردیا۔ حالانکہ اس نے ناچنے اور گانے کی کوئی باقاعدہ تربیت حاصل نہیں کی تھی اور یہ کام ڈھنگ سے نہیں سیکھے تھے مگر اس میں گویا فطری طور پر کچھ ایسی صلاحیتیں موجود تھیں۔ اسے محفل کی جان بن جانے کا ہنر آتا تھا۔

بگ جم نے مروجہ پیمانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی جو تنخواہ مقرر کی تھی وہ اس وقت کے لحاظ سے معقول ہی تھی لیکن جلد ہی ڈیل کو وہ ناکافی محسوس ہونے لگی۔ ایک تو اسکے مسائل زیادہ تھے، دوسرے اسکے خواب اونچے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں میں جو خواب سجا کر شکاگو آئی تھی، ان میں رنگ بھرنے کے لئے یہ رقم ناکافی تھی۔

تاہم اس نے بگ جم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ وہ ایک سمجھدار اور معقول عورت تھی۔ اسے احساس تھا کہ بگ جم نے اسکے ساتھ اچھا ہی سلوک کیا تھا۔ وہ چاہتا تو اس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کرسکتا تھا۔ اس سے بھی کم معاوضہ دے کر اس سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کرسکتا تھا۔

چنانچہ ڈیل نے قریبی چرچ میں بھی ملازمت حاصل کرلی۔ وہاں وہ عبادت گزاروں کے سامنے مناجات اور مذہبی گیت پڑھنے لگی۔ نائٹ کلب میں وہ ایسا لباس پہنتی تھی جس میں اس کے دلکش خدوخال نمایاں ہوں۔ اس لباس میں وہ حاضرین کا دل لبھانے والے انداز میں ان کے درمیان لہراتی اور گاتی ہوئی ادھر سے ادھر جاتی تھی مگر چرچ میں نہایت پُروقار انداز میں مقدس چبوترے پر کھڑی ہو کر مذہبی اور دعائیہ گیت گاتی تھی۔ اس کے جسم پر ڈھیلا ڈھالا لبادہ ہوتا تھا اور سر بھی ڈھکا ہوا ہوتا تھا۔ آواز اس کی بہت اچھی تھی۔ وہ چرچ میں بھی اپنا جادو جگاتی تھی۔

لیکن چرچ میں جلد ہی اس کے دہرے کردار کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نائٹ کلب میں وہ جو کچھ کرتی تھی اس کا معاملہ زیادہ عرصے تک تو پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ باتیں تو بہت تیزی سے پھیلتی ہیں اور پھر اتوار کے اتوار چرچ میں حاضری دینے والوں میں سے تو بہت سے ایسے تھے جو نائٹ کلب میں بھی اسی لگن سے جاتے تھے۔

چنانچہ پہلے تو دبے دبے انداز میں اعتراضات ہوئے پھر اچھا خاصا شور ہونے لگا۔ چرچ کی انتظامی کمیٹی پر دباؤ پڑنے لگا۔ ایک سرگرم مذہبی کارکن نے باچھوں سے جھاگ اڑاتے ہوئے جوش و خروش اور غیظ و غضب کے عالم میں تقریر کی۔ ''...... یہ بھلا کیا بات ہوئی؟ ایک عورت جو نائٹ کلب میں ہیجان خیز موسیقی کی دھن پر جسم کو تھرکاتی ہو، جس کی حرکات و سکنات دعوت گناہ دیتی محسوس ہوں اور جو بے حیائی سے اپنے جسم کے نشیب و فراز نمایاں کرتی ہو، مردوں کے جذبات ابھارنے

والے گھٹیا اور عامیانہ گانے گاتی ہو، وہی چرچ میں مقدس چبوترے پر کھڑی ہو کر مناجات اور دعائیہ گیت پڑھے، مذہبی ترانے گائے۔ اس سے بڑی منافقت کیا ہوگی؟ یہ تو بیک وقت خدا اور شیطان، دونوں کی

خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور ہم اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ غضب خدا کا..... اسے عبادت گزاروں سے جمع کئے گئے چندے میں سے تنخواہ دی جاتی ہے۔ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔"

پادری صاحب نے اس طوفان کو روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے وہ مشہور عالم فرمان بھی دہرایا۔ "اسے پہلا پتھر وہ مارے جس نے زندگی میں خود کوئی گناہ نہ کیا ہو۔"

انہوں نے حاضرین کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ چرچ سے باہر کیا کرتی ہے۔ چرچ میں جو بھی آتا ہے، کوئی اسکے بارے میں اس بات سے غرض نہیں رکھتا کہ وہ چرچ سے باہر کیا کرتا ہے۔ ہمیں مناجات اور مذہبی نغموں کو خوبصورت آواز اور دلنشیں انداز کے ساتھ پڑھنے والی ایک خاتون کی ضرورت ہے اور ڈیل ونٹر یہ خدمت بڑی عمدگی سے انجام دے رہی ہے۔ چرچ میں اس کا جو طرزِ عمل ہے، اس پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا......"

پادری صاحب کی ایک نہ چلی۔ ان کے دلائل کسی کام نہ آئے۔ ڈیل کی مخالفت صرف چند لوگ کر رہے تھے مگر چرچ کمیٹی ان کے دباؤ میں آ گئی تھی۔ پادری صاحب بھی مجبور ہو گئے تھے اور یہ سب کچھ ڈیل کی موجودگی میں ہو رہا تھا۔

آخرکار اس نے خود ہی چبوترے پر آ کر گلوگیر آواز میں کہا۔ "میں ایک گناہ گار عورت سہی، لیکن میں تمام تر خلوص اور عقیدت سے یہ خدمت انجام دے رہی تھی اور خدائے بزرگ و برتر سے امید رکھتی تھی کہ شاید وہ میری اس حقیر کاوش کو پسند فرمائے۔ شاید میری گناہ گار زندگی کی سیاہی کچھ کم ہو سکے...... لیکن چرچ کے معززین کو اگر میری اس کوشش پر اعتراض ہے تو میں آئندہ آپ لوگوں کے سامنے حاضر نہیں ہوں گی...... خدا حافظ......"

وہ اپنے آنسو پونچھتی چبوترے سے اتری اور خاموش کھڑے حاضرین کی صفوں کے درمیان سے تیزی سے نکلتی چلی گئی۔ پھر وہ اپنے واجبات لینے بھی چرچ نہیں آئی۔

دوسری طرف بگ جم نے اسی ہفتے سے اس کی تنخواہ بڑھا دی۔ ڈیل کی ذات میں اس کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اب دوسروں کو بھی صاف نظر آنے لگی تھی۔ وہ اب اسکے باس اور مالک سے زیادہ اس کا محافظ معلوم ہونے لگا تھا۔ وہ جب کلب میں گاتی اور رقص کرتی تو ظاہر ہے اسے تماشائیوں کی چھچھوری حرکات کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ خاص طور پر جو پینے پلانے کے بعد زیادہ ترنگ میں ہوتے تھے وہ تو شاید یہی محسوس کرتے تھے کہ انہوں نے تفریحی شو کا جو ٹکٹ خریدا ہے، اس کی وجہ سے گلوکارہ اور رقاصہ بھی ان کے حصے میں آ گئی ہے۔

ایسا کوئی آدمی جب ڈیل کو اپنی طرف کھینچتا یا اس کے ساتھ کوئی بے ہودہ حرکت کرنے کی کوشش کرتا تو بگ جم بہ نفسِ نفیس آگے بڑھ کر اسے ایک جھانپڑ رسید کرتا۔ وہ اس بات کی بھی پروا نہ کرتا کہ اس طرح اس کے کلب کی ساکھ متاثر ہو سکتی ہے اور کاروبار پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔

اس سے پہلے نہ جانے کیسی کیسی معزز اور حسین خواتین کے علاوہ بہت سی پیشہ ور مگر غیر معمولی عورتیں بھی بگ جم پر مہربان رہی تھیں لیکن اب جیسے وہ سب کو بھول گیا تھا۔ ڈیل ونٹر نے تو گویا اس پر جادو کر دیا تھا۔ اس کی موجودگی میں وہ مستقل طور پر سحرزدہ سا رہتا تھا۔ اس کے رویّے سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ چاہتا ہے، ڈیل بس اس کی...... اور صرف اس کی ہو کر رہے۔ کوئی اور اس پر کسی قسم کا حق نہ جتائے۔

اس نے شہر کے سب سے بڑے اوپیرا ہاؤس کے میوزک ڈائریکٹر کو بلوا کر ڈیل کی آواز سنوائی اور اس سے رائے لی کہ اگر ڈیل کو خاطر خواہ تربیت ملے تو کیا وہ بڑی گلوکارہ بن سکتی ہے؟

میوزک ڈائریکٹر نے ڈیل کا گانا سننے کے بعد رائے دی کہ اس کی آواز بہت اچھی تھی تاہم اسے تربیت کی ضرورت تھی۔ اسکے بعد وہ اعلیٰ ترین اوپیرا میں گا سکتی تھی۔ چنانچہ بگ جم نے اسے میوزک کالج میں داخل دلوا دیا۔

ظاہر ہے اس قسم کے معاشقے راز تو نہیں رہتے۔ ڈیل اور بگ جم کے مراسم کی کہانیاں وکٹوریہ تک بھی پہنچ چکی تھیں۔ اس کے بعد بگ جم کے گھر میں وہی کچھ ہونے لگا تھا جو اس طرح کی صورتحال میں اکثر شادی شدہ مردوں کے گھروں میں ہوتا ہے۔ یعنی روز کی چخ چخ اور بک بک......

بگ جم جیسے آدمی کو زیادہ تنگ کرنے کی تو وکٹوریہ میں جرأت نہیں تھی۔ بہرحال جلد ہی یہ نوبت آ گئی کہ دونوں میاں بیوی علیحدہ گھروں میں رہنے لگے۔

ادھر بگ جم کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈیل اپنے قریبی جاننے والوں سے کہتی تھی۔ "میں بغیر شادی کے، اس کے ساتھ کبھی نہیں رہوں گی۔ گو کہ میں دل کی گہرائیوں سے اسے پیار کرتی ہوں...... اس سے زیادہ عزیز مجھے دنیا میں کوئی نہیں...... لیکن شادی کے بغیر اس کے ساتھ کوئی گہرا تعلق استوار کرنے پر میرا دل ہرگز آمادہ نہیں......"

شواہد بتاتے تھے کہ ان کی محبت واقعی ایک "پاکیزہ محبت" تھی۔ وہ دونوں جس قسم کے افراد تھے، جس طرح کا ان کا پیشہ اور کام تھا، جیسے ماحول میں ان کی زندگی گزر رہی تھی، اس سب کو دیکھتے ہوئے ان کی "پاکیزہ محبت" پر کسی کو یقین نہیں آتا تھا مگر بگ جم کے ڈرائیور ولسن نے بھی کئی بار اس کی گواہی دی۔

وہ خود کافی حیران ہوتے ہوئے بتاتا تھا۔ "باس روزانہ رات کو ڈیل کو چھوڑنے اس کے گھر جاتا ہے مگر راستے میں وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تک نہیں پکڑتے۔ بس باتیں کرتے ہیں یا اس طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی نے ان پر جادو کر دیا ہو۔ ڈیل کے گھر کے سامنے اسے اتار کر باس اسے شب بخیر کہتے ہیں۔ اس وقت بھی ان کے درمیان ذرا بھی بے تکلفی کا مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ مگر باس جب واپس آتے ہیں تو اتنے خوش نظر آتے ہیں جیسے انہیں کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ ان کے جسم میں جیسے نئی توانائی بھر جاتی ہے۔ راستے میں نوجوان لڑکوں کی طرح سیٹی بجاتے رہتے ہیں۔"

ادھر پاکیزہ اور افسانوی محبت کی یہ کہانی چل رہی تھی، ادھر جان ٹوریو بڑے پیمانے پر غیر قانونی طریقے سے شراب کے کاروبار کی تیاری کر رہا تھا اور اس نے اس سلسلے میں بگ جم سے بھی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اسے توقع تھی کہ وہ دونوں مل کر، اپنی تمام تر صلاحیتوں اور تجربے سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے اس میدان کے بے تاج بادشاہ بن جائیں گے۔

مگر کبھی کبھی وہ فکرمند سا ہو جاتا تھا۔ وہ بگ جم میں عجیب سی تبدیلیاں محسوس کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بگ جم کو شریفانہ اور معززانہ زندگی گزارنے کا شوق زیادہ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے جواخانے، جسم فروشی کے اڈے اور اس طرح کے دوسرے کاروبار مکمل طور پر جان ٹوریو کے سپرد کر دیئے تھے۔ وہ اب ان میں جھانک کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔

تاہم جان ٹوریو نہایت دیانتداری سے اس کے یہ کاروبار چلا رہا تھا اور خاموشی سے اس کا مقررہ حصہ اسے پہنچا رہا تھا۔ بگ جم اب خود صرف اپنا نائٹ کلب چلا رہا تھا اور اپنی پوری توجہ اسی پر صرف کرتا تھا۔ وہاں کوئی خاص معیوب دھندہ نہیں ہوتا تھا۔ جس انداز میں بگ جم نائٹ کلب چلا رہا تھا، اسے اونچے طبقے میں کوئی معیوب کاروبار نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک اچھے نائٹ کلب کا مالک ہونا اونچی سوسائٹی میں معزز ہونے کی نشانی تھی۔ بگ جم بھی اب شہر کے معزز طبقے میں شامل ہو چکا تھا اور شاید وہ اب اپنی اس پوزیشن کو داغدار کرنا نہیں چاہتا تھا۔

جان ٹوریو محسوس کرتا تھا کہ بگ جم اب غیر قانونی اور معیوب دھندوں سے کچھ خوف کھانے لگا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ معاشرے میں بڑی مشکل سے اسے جو حیثیت حاصل ہوئی تھی، وہ اس کی نظر میں بہت اہم ہو گئی تھی اور وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جان ٹوریو کو تو ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ بگ جم بزدل ہو گیا تھا۔ جان ٹوریو کو اس سے پہلے معلوم ہی نہیں تھا کہ کبھی کبھی محبت انسان کو بزدل بھی بنا دیتی ہے۔

جان ٹوریو نے اس سے جب بھی مستقبل کے منصوبوں پر بات چیت کرنے کی کوشش کی، اس نے ذرا بھی دلچسپی نہیں لی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے کسی بھی خطرناک دھندے سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اسے زندگی سے محبت ہو گئی تھی کیونکہ اس کی زندگی میں محبت آ گئی تھی۔ وہ اب زندہ رہنا اور محبت کی اس مٹھاس سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ وہ گولی کھانے، جیل جانے یا کہیں فرار ہونے پر مجبور ہونے کا خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ سیدھے سادے شریفانہ انداز میں قناعت پسندی کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

جان ٹوریو اس تبدیلی کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہا تھا بلکہ کبھی کبھی تو اس کے دل میں غصے کا ابال بھی اٹھنے لگتا تھا۔ کیا یہی وہ شخص تھا جس کے لئے اس نے اتنے خطرات مول لئے تھے؟ اس کے دھندوں کے لئے اتنی "محنت" کی تھی؟

مشکل یہ تھی کہ اس کے تعاون اور سرپرستی کے بغیر جان ٹوریو اب بھی اپنے آپ کو کافی کمزور اور ہلکا محسوس کرتا تھا۔ صورت حال خواہ کچھ بھی تھی لیکن بگ جم کی حیثیت اب بھی باس ہی کی تھی۔ اس کے بغیر آگے بڑھتے ہوئے جان ٹوریو اپنے آپ کو ادھورا سا محسوس کرتا تھا۔

اس دوران شراب کی تیاری اور کاروبار کے سلسلے میں نئے قوانین نافذ ہو چکے تھے اور چھوٹے موٹے بدمعاشوں نے بھی نہایت غیر منظم اور بے وقوفانہ انداز میں غیر قانونی شراب کا کاروبار کرتے ہوئے اچھی خاصی دولت کمانا شروع کر دی تھی۔ جان ٹوریو کو یہ دیکھ دیکھ کر غصہ آ رہا تھا۔ وہ تو نہایت منظم انداز میں یہ کاروبار کرنے کا منصوبہ بنائے بیٹھا تھا جو بگ جم کی عدم دلچسپی کی وجہ سے گویا کسی مشین کی طرح پڑا پڑا زنگ خوردہ ہو رہا تھا۔

جان ٹوریو اسے اس طرف لانے کی کوشش کر رہا تھا اور بگ جم طلاق اور شادی کی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ایک روز رازدارانہ مگر خاصے پرجوش انداز میں جان ٹوریو کو بتایا۔ "میں نے وکٹوریہ کو طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اسکے بعد میں ڈیل سے شادی کروں گا۔ میرے دوست...... تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ایک اچھی اور پیار کرنے والی عورت سے شادی کی خوشی کیا ہوتی ہے!"

جان ٹوریو کو سخت غصہ آیا تاہم اس نے غصے کے زہر کو دل ہی دل میں دباتے ہوئے غرانے کے سے انداز میں کہا۔ "ٹھیک ہے...... زندگی تمہاری اپنی ہے۔ تم اس کے بارے میں جو فیصلے چاہو کر سکتے ہو۔"

اسے بگ جم کے اس طرح محبت میں دیوانہ ہو جانے پر حیرت بھی ہوتی تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ شادی تو میں نے بھی کی ہے، میری بیوی بھی ڈیل کی طرح خوبصورت اور محبت کرنے والی ہے۔ میں بھی اسکے ساتھ شریفانہ اور معززانہ زندگی گزارتا ہوں۔

اس کی یہ سوچیں کچھ ایسی غلط نہیں تھیں۔ اس نے 1912ء میں شادی کی تھی۔ اس کی بیوی کا نام اینا تھا۔ شادی کے وقت جان ٹوریو تیس سال کا، جبکہ اینا بیس سال کی تھی۔ وہ ایک اچھے خاندان کی، خوش شکل اور پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ بس ان لوگوں کے مالی حالات اچھے نہیں تھے۔ وہ قدرے غریبانہ علاقے میں رہتے تھے۔

تاہم شادی کے فوراً بعد جان ٹوریو نے ایک اچھے علاقے میں اپارٹمنٹ لے لیا تھا۔ تب سے اب تک وہ ایک پرسکون اور شریفانہ گھریلو زندگی گزار رہا تھا۔ اسکی گھریلو زندگی میں اسکے دھندوں کا کوئی اثر دیکھنے میں نہیں آتا تھا۔ وہ شراب کا دھندہ کرتا تھا مگر خود شراب نہیں پیتا تھا۔ شراب تو کیا، وہ سگریٹ بھی نہیں پیتا تھا۔ وہ جسم فروشی کے اڈوں کا نگران اور تقریباً مالک و مختار تھا لیکن کسی پیشہ ور عورت کے قریب نہیں جاتا تھا۔

گویا نجی اور گھریلو زندگی میں وہ ایک صاف ستھرا اور معزز آدمی تھا لیکن نہ جانے کیوں مجرمانہ قسم کے کاروبار نہایت منظم انداز میں اور بہت بڑے پیمانے پر کرنے کی خواہش اس میں بڑی شدت سے موجود تھی۔ وہ زندگی کے دیگر تمام معاملات کو پس پشت ڈال کر اس نہج پر انتہائی سنجیدگی اور تفصیل سے سوچتا رہتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی ذہنی مصروفیت یہی تھی۔

گھریلو زندگی میں اس کی بیوی اینا اس سے بہت خوش تھی اور اس کے بارے میں کہا کرتی تھی۔ "میرا شوہر دنیا کے تمام شوہروں سے اچھا ہے۔ اس کے ساتھ میری اب تک کی زندگی ایک طویل ہنی مون کی طرح گزری ہے، جس میں کبھی کوئی بدمزگی نہیں آئی۔"

اپنی نجی زندگی کو دیکھتے ہوئے جان ٹوریو حیرت سے سوچتا تھا کہ آخر وہ بھی تو ایک خوبصورت اور محبت کرنے والی بیوی کا شوہر ہے اور اپنی گھریلو زندگی کی تمام ذمے داریاں اچھے طریقے سے پوری کر رہا ہے۔ وہ چھ بجے گھر چلا جاتا ہے اور باقی وقت سکون سے اپنی بیوی کے ساتھ گزارتا ہے...... لیکن وہ کسی بھی کاروبار کی طرف سے بھی غافل نہیں ہوا۔ آخر بگ جم پر ایسی کون سی آفت ٹوٹ پڑی تھی یا اس کی محبوبہ دنیا کی ایسی کونسی انوکھی عورت تھی جس کے عشق میں گرفتار ہو کر وہ اپنے ایک کلب کے سوا ہر کاروبار سے بے خبر ہو گیا تھا؟

وہ اپنی جگہ یہی سب کچھ سوچ کر دل ہی دل میں خار کھاتا رہا۔ ادھر مارچ 1920ء میں بگ جم نے وکٹوریہ کو طلاق دے دی۔ اس نے اسے پچاس ہزار ڈالر دیئے اور اس الزام کے ساتھ عدالت میں اس سے جان چھڑائی کہ وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

وکٹوریہ نے طلاق کے صدمے کو ذرا بھی دل سے نہیں لگایا۔ اس نے طلاق کی کارروائی مکمل ہونے کے دو ہفتے بعد ہی اپنے سے بیس سال چھوٹے ایک نوجوان انٹونیو سے شادی کر لی جو قبروں کے کتبے تیار کرنے کا کام کرتا تھا لیکن موقع ملنے پر چھوٹی موٹی چوری چکاری بھی کر لیتا تھا۔

ادھر بگ جم اور ڈیل ونٹر نے شادی کے لئے انڈیانا کا رخ کیا جہاں جلد از جلد شادی کی اجازت مل جاتی تھی۔ بگ جم نے اپنی شادی پر آئے ہوئے مہمانوں کی تفریح طبع کے لئے ایک سرکس بلا لیا جو ان دنوں وہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سرکس میں شامل ریچھ کے ایک بچے نے ایک مہمان کے بازو پر کاٹ لیا۔ اس چھوٹی سی بدمزگی کے علاوہ بگ جم کی شادی کے دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔

ہنی مون منانے کیلئے بگ جم اور ڈیل ویسٹ بیڈن کے علاقے میں چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد وہ اپنے علاقے میں لوٹ آئے۔ بگ جم اپنی دوسری بیوی کو ساؤتھ ورتھ میں واقع اپنے حویلی نما مکان میں لے گیا جو اس کے نائٹ کلب سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

اس دوران جان ٹوریو نے اپنی تیاریاں شروع کر دی تھیں مگر یہ تیاریاں کچھ اور قسم کی تھیں۔ اس کا ابھرتا ہوا نوجوان نائب جسے گروہوں کی زبان میں لیفٹیننٹ کہا جاتا تھا، الکپون تھا جس پر وہ پوری طرح اعتماد کرنے لگا تھا۔ جان ٹوریو نے الکپون سے مشورہ کیا۔ دونوں نے سر جوڑ کر کئی دن تک صلاح مشورے کئے۔ انہیں ہر پہلو پر غور کرنا تھا، ہر بات کا خیال رکھنا تھا۔ وہ کوئی کچا قدم اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ کوئی سراغ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آخرکار الکپون کے مشورے پر نیویارک سے ہیل کو بلا لیا گیا۔

بگ جم کو ہنی مون سے واپس آئے ایک ہفتہ گزرا تھا جب جان ٹوریو نے اسے فون کیا اور بتایا۔ "لیری کے پاس لوٹی ہوئی وہسکی کے دو ٹرک ہیں جو وہ تمہیں دینا چاہتا ہے۔ تم اگر شراب کے بڑے بزنس میں دلچسپی نہیں لے رہے تو نہ سہی...... لیکن کم از کم یہ مال تو خرید لو۔ کوڑیوں کے دام مل جائے گا۔ دو ٹرکوں کا کیا ہے، وہ تو تمہارے کلب میں ہی کھپ جائیں گے۔"

بگ جم نے گویا بادلِ ناخواستہ آمادگی ظاہر کی۔ لیری ایک گروہ کا کارندہ تھا جو اکثر لوٹ کا مال مختلف لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ بگ جم اور جان ٹوریو دونوں ہی اسے جانتے تھے۔

"تو پھر منگل کو تم اپنے معمول سے کچھ پہلے کلب پہنچ جاؤ۔" جان ٹوریو نے بات آگے بڑھائی۔ "چار بجے آ جاؤ۔ لیری کلب میں تمہارا منتظر ہوگا۔ اس کے ساتھ تفصیلات طے کر لو کہ وہ ڈیلیوری کہاں دے گا اور اسے رقم کس طرح دی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گا۔" بگ جم نے کہا تاہم اس کے لہجے میں جوش یا خوشی نہیں تھی۔

ڈیل نے اس روز شاپنگ کے لئے جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ اس کی ماں کو بھی اس کے ساتھ جانا تھا جو اب گاؤں سے آ کر اسی کے ساتھ رہنے لگی تھی۔ بگ جم نے اس سے کہا کہ وہ کلب جا کر گاڑی واپس بھجوا دے گا تاکہ ڈیل اور اس کی ماں شاپنگ کے لئے جا سکیں۔

بگ جم کلب میں عام طور پر پچھلے دروازے سے داخل ہوتا تھا۔ اس طرف چھوٹا سا ایک آفس تھا جس میں اس کا اکاؤنٹنٹ فرینک بیٹھتا تھا۔ بگ جم سب سے پہلے اسی سے ہیلو ہائے کرتا تھا اور پوچھتا تھا۔ "کیا ہو رہا ہے فرینک؟"

"کچھ نہیں۔" عام طور پر فرینک کا جواب یہی ہوتا تھا۔ اگر کسی روز کوئی خاص بات ہوتی تھی تو وہ اسے وہیں بتا دیتا تھا۔

اس روز بھی بگ جم نے وہی سوال کیا اور فرینک نے وہی جواب دیا۔ پھر بگ جم نے دریافت کیا۔ "کیا میرے آفس میں کوئی مجھ سے ملنے آیا ہوا ہے؟"

بگ جم کا آفس کلب کے سامنے کی طرف داخلے کے دروازے کے قریب تھا۔ اگر وہاں کوئی جم سے ملنے آیا ہوتا تھا یا کوئی اور خاص بات ہوتی تھی تو فرینک کو اس کا علم ہوتا تھا۔

"نہیں باس...... ابھی تو آپ سے ملنے کوئی نہیں آیا۔" فرینک نے جواب دیا تو بگ جم کو حیرت ہوئی۔ اس کے خیال میں تو لیری کو اس سے ملاقات کے لئے موجود ہونا چاہئے تھا۔ پھر اس نے یہی سوچا کہ شاید کسی وجہ سے لیری کچھ تاخیر سے آئے۔ اس نے چند لمحے فرینک سے بات چیت کی پھر عقبی برآمدہ نما حصے میں چلا گیا۔ وہاں رک کر اس نے مزید چند منٹ کلب کے دوسرے ملازموں سے کچھ باتیں کیں۔ پھر وہ سامنے والے حصے کی طرف روانہ ہوا۔

چار سوا چار بجے کا وقت ایسا تھا جب کلب میں تقریباً ویرانی ہی ہوتی تھی۔ ایسی جگہوں پر رونق تو شام ڈھلے شروع ہوتی تھی۔ وہ ایک راہداری نما حصے سے گزر کر اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا جب دو دھماکے ہوئے۔ کلب کے ملازموں کو ان آوازوں پر تشویش ضرور ہوئی لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ گولیوں کی آواز بھی ہو سکتی ہے۔ کلب کی اب تک کی تاریخ پُرسکون ہی رہی تھی۔ وہاں اب تک کسی فائر کی تو کیا، بوتل ٹوٹنے کی آواز بھی نہیں ابھری تھی۔

فرینک اور کلب کا خانساماں جب سامنے والے حصے کی طرف آئے تو انہوں نے شیشوں والے چار پٹ کے، گھومنے والے دروازے سے اندر کی طرف ایک راہداری نما حصے میں بگ جم کو اوندھے پڑے دیکھا۔ اسکے سر کے اردگرد خون جمع ہو رہا تھا اور وہ عجیب انداز میں آڑا ترچھا پڑا تھا۔

فرینک اور خانساماں اس قدر بدحواس ہوئے کہ پہلے تو وہ عورتوں کی طرح خوفزدہ انداز میں چیخنے لگے مگر جب ان کی آوازیں سن کر کچھ اور ملازم آ گئے تو ان کے حواس کچھ ٹھکانے آئے اور انہوں نے بتایا کہ انہیں بگ جم اسی طرح پڑا نظر آیا ہے۔ انہوں نے کسی کو آتے، جاتے دوڑتے بھاگتے یا آس پاس کہیں کھڑے نہیں دیکھا تھا۔ بگ جم کا اپنا پستول اس کی ہپ پاکٹ میں موجود تھا۔

ایک گولی اکاؤنٹنٹ کے کمرے کی دیوار کا پلستر اکھاڑتے ہوئے اسی میں پیوست ہو گئی تھی۔ دوسری گولی جم کے کان کے پیچھے لگی تھی اور وہ فوراً ہی ہلاک ہو گیا تھا۔

بگ جم کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ پولیس چیف خود اپنے سراغرسانوں کی پوری ٹیم اور دیگر افسروں کے ساتھ فوراً پہنچا۔ اس کے چند لمحوں بعد جان ٹوریو بھی آن پہنچا۔ وہ سخت حیرت زدہ اور حواس باختہ دکھائی دے رہا تھا۔

جائے وقوعہ پر بھی بہت دیر تک تفتیش ہوئی اور بعد میں بھی کافی دنوں تک تفتیش جاری رہی۔ چھوٹی چھوٹی شہادتیں جمع کی گئیں۔ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزوں کا بھی محدب عدسوں سے معائنہ کیا گیا اور ان کی تحریروں پر دماغ سوزی کی گئی۔ بیسیوں لوگوں سے بیانات اور شہادتیں لی گئیں مگر قاتل کا کوئی سراغ نہ ملا۔

صرف ایک بیان پولیس کی نظر میں اہم ٹھہرا۔ ایک آدمی نے بتایا کہ شیشے کا چار پٹ والا اور گھومنے والا دروازہ جس فٹ پاتھ کی طرف تھا، اس پر اس نے دھماکوں کی آواز سے ذرا پہلے ایک شخص کو کھڑے دیکھا تھا۔ گواہی دینے والے نے وہاں سے گزرتے وقت صرف ایک لمحے کے لئے اس کی جھلک دیکھی تھی۔ وہ جس حد تک اس کا چہرہ اور حلیہ دیکھ پایا تھا، وہ اس نے بتا دیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ بعد میں اس شخص نے کیا کیا یا وہ کہاں گیا؟

پولیس نے اس گواہ کا بیان کردہ حلیہ محفوظ کر لیا تھا۔ پولیس کو یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ یہ کسی گروہی لڑائی یا چپقلش کا شاخسانہ نہیں تھا۔ یہ قتل نہایت ٹھنڈے دل سے، خوب سوچ بچار اور منصوبہ بندی کے ساتھ کیا گیا تھا۔ یہ کوئی اندر ہی کی کہانی معلوم ہوتی تھی...... لیکن اصل مسئلہ ثبوت کا تھا۔ ثبوت کے بغیر کسی کے خلاف کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ڈیل ونٹر اس وقت شاپنگ میں ہی مصروف تھی جب اسے بگ جم کے قتل کی خبر ملی۔ وہ وہیں چکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی۔ دو دن بعد بھی وہ پچھاڑیں کھا رہی تھی اور گریہ و زاری کر رہی تھی۔ "میرا جم دنیا سے چلا گیا...... میرا تو سب کچھ چلا گیا...... میں اب جی کر کیا کروں گی۔"

تفتیش کے دوران کئی آدمی پولیس کے شبہات کی زد میں آئے۔ ان میں بگ جم کی سابق بیوی وکٹوریہ کے دو بھائی بھی شامل تھے۔ بگ جم نے ان کی بہن کو طلاق دی تھی۔ ان کے دلوں میں بگ جم کے لئے غم و غصہ ہو سکتا تھا۔ اس طرح کے مفروضوں کے تحت پولیس نے کئی افراد کو شاملِ تفتیش کیا مگر سب کے پاس جائے وقوعہ سے اپنی غیر حاضری کا ٹھوس ثبوت موجود تھا۔

بگ جم کی تدفین کے معاملے پر بھی خاصا تنازع رہا۔ آرچ بشپ نے ناگواری سے اعلان کر دیا کہ بگ جم کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ اس کے کاروبار مشکوک تھے۔ وہ کبھی چرچ میں نہیں آیا۔ اس نے کبھی چرچ کے لئے چندہ نہیں دیا۔ لہٰذا اس کی تدفین کیتھولک چرچ کے قبرستان میں نہیں ہو سکتی تھی۔ بہرحال یہ کوئی سنگین مسئلہ نہیں تھا۔ جلد ہی تدفین کے متبادل انتظامات کر لئے گئے۔

(جاری ہے)

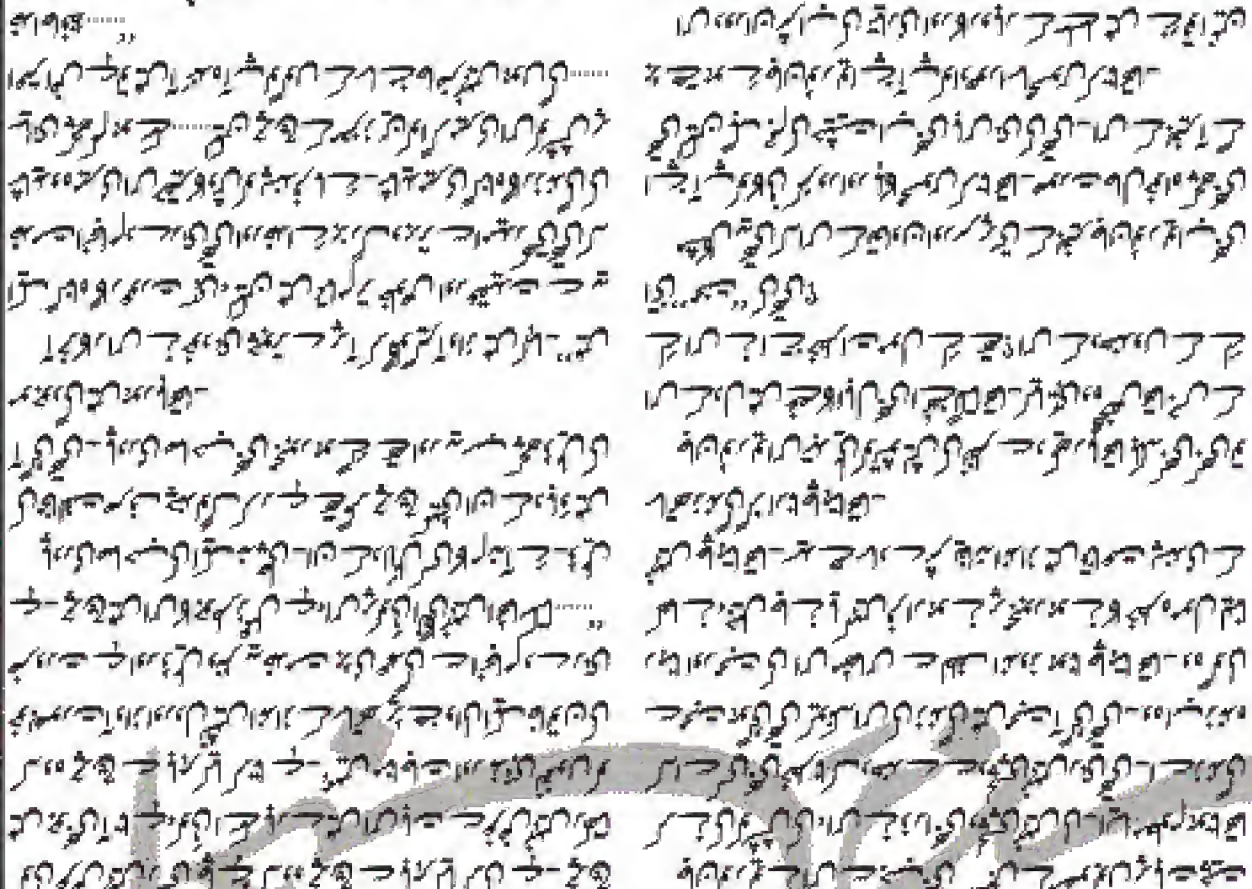

بگ جم کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس نے شہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

پادری صاحب نے تو چرچ کے قبرستان میں اس کی تدفین کی اجازت نہیں دی تھی لیکن وہ اگر اس کا جنازہ اور دوسرے قبرستان میں اس کی

ترجمہ : محمود احمد مودی | قسط :6

الکپون
ALCAPONE

تدفین کے مناظر دیکھ لیتے تو یقیناً حیران رہ جاتے۔ بگ جم زندگی میں اتنا معزز آدمی دکھائی نہیں دیا تھا جتنا موت کے بعد نظر آنے لگا تھا۔

اس کے جنازے پر بڑا ہجوم تھا جس میں معززین شہر کی اچھی خاصی تعداد شامل تھی۔ پولیس آفیسر، دوسرے سرکاری عہدیدار، انتظامیہ کے لوگ اور اچھے خاصے سیاستدان بھی تھے۔ حتیٰ کہ چند جج بھی جنازے میں شریک ہوئے۔ ریسٹورنٹس کے مالک اور ممتاز کاروباری شخصیات بھی تھیں۔ مشکوک کاروباروں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی تھے لیکن مجموعی طور پر بگ جم کے جنازے کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی غیر معروف یا غیر مقبول آدمی کا جنازہ تھا۔

ایک مہنگے اور خوبصورت تابوت میں آخرکار اوک وڈ کے قبرستان میں بگ جم کی تدفین عمل میں آگئی۔ اطالوی چرچ کے پادری کارلو نے دعائے مغفرت پڑھی۔ تدفین کے موقع پر خاصے رقت آمیز مناظر دیکھنے میں آئے لیکن آخرکار سب لوگ اسے دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کر کے واپس آگئے۔

پولیس نے بگ جم کے قتل کی تفتیش جلدی ترک نہیں کی۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک ہر زاویئے سے تفتیش کی۔ حتیٰ کہ جان ٹوریو اور الکپون بھی ان کی تفتیش کی زد میں آئے۔

پوچھ گچھ کے دوران جان ٹوریو نے حیرت اور بے یقینی سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم مجھ پر اسکے قتل کا شبہ کر رہے ہو؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ بگ جم میرے لئے بھائیوں کی طرح تھا۔“

پولیس کو یہ اندازہ بھی ہوگیا کہ بگ جم کے قتل کیلئے آدمی کسی دوسرے شہر سے بلوایا گیا تھا۔ انہیں جان ٹوریو کے نیویارک والے پس منظر کا علم تھا۔ انہوں نے نیویارک پولیس سے مدد کی درخواست کی۔ ایک گواہ کے بتائے ہوئے حلیے کی بنیاد پر ییل شبے کی زد میں آیا۔ معاملہ اس حد تک بھی آگے بڑھا کہ ییل کو گواہ کے سامنے شناخت کیلئے پیش کیا گیا۔

اس زمانے میں شناخت پریڈ کے لئے ایسے طریقے اختیار کرنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا کہ گواہ کی شخصیت پردۂ راز میں رہتی اور اس کی گواہی مکمل ہوجاتی۔ گواہ اور مشتبہ فرد آمنے سامنے تھے۔

تفتیشی افسر نے ییل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گواہ سے پوچھا۔ ”کیا یہی وہ شخص ہے جسے تم نے فائروں کی آواز سننے سے چند لمحے پہلے کلب کے باہر فٹ پاتھ پر دیکھا تھا؟“

گواہ بے چارہ متوسط طبقے کا ایک عام شہری تھا۔ اس نے ییل کی طرف دیکھا، ییل پلکیں جھپکائے بغیر اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گواہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکا، اگرچہ وہ سادہ لوح تھا تب بھی اس نے یقیناً ییل کی آنکھوں سے جھانکتا ہوا موت کا پیغام پڑھ لیا تھا۔

اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وہ گڑبڑا کر ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ ”میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا خیال ہے یہ وہ شخص نہیں ہے۔ ویسے بھی میں نے اس کی صرف ایک جھلک ہی دیکھی تھی...... وہ بھی پورے چہرے کی نہیں۔“

بس...... اتنی سی بات تھی۔ بات ختم ہوگئی، پولیس کی ساری مستعدی اور طویل تفتیش کی بھاگ دوڑ اکارت گئی۔ پولیس کی ساری محنت دھری کی دھری رہ گئی۔ خطرناک جرائم پیشہ لوگوں اور گروہوں کو قانون کی یہی مجبوری پورا تحفظ دیتی ہے، ان کے حوصلے بڑھانے اور ان کے پھلنے پھولنے میں مدد دیتی ہے، موت کا ہرکارہ کسی گواہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہے یا گواہ کے گھر پر کوئی انتہائی مختصر مگر مؤثر پیغام پہنچتا ہے اور گواہ بیچارہ ساری گواہی بھول جاتا ہے کیونکہ اسے اپنی اور اپنے گھر والوں کی زندگی اور عزت پیاری ہوتی ہے۔ یہاں پہنچ کر قانون کے ہاتھ بندھ جاتے ہیں اور قاتلوں، مجرموں، دہشت گردوں اور گروہ بازوں کے حوصلے کچھ اور بلند ہوجاتے ہیں۔

بگ جم کے قتل کا معاملہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس کی کوئی وصیت سامنے نہیں آئی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ریاستی قوانین کے مطابق موت کے وقت وہ غیر شادی شدہ تھا۔ شکاگو چونکہ الی نوائے ریاست میں تھا اور بگ جم یہیں کا شہری تھا، یہیں کاروبار کر رہا تھا اس لئے اس پر یہیں کے قوانین لاگو ہوتے تھے۔ الی نوائے کے شادی بیاہ کے قوانین کے مطابق طلاق کے بعد عورت اور مرد ایک سال تک دوسری شادی نہیں کر سکتے تھے۔

اسی لئے بگ جم اور ڈیل نے انڈیانا جا کر شادی کی تھی مگر ایک سال تک ان کی یہ شادی الی نوائے کی حدود میں مؤثر نہیں تھی۔ چنانچہ بگ جم کی جائداد میں وکٹوریہ اور ڈیل دونوں ہی کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ بگ جم کی دولت، جائداد اور اثاثے گویا اسکی موت کے ساتھ ہی بری طرح سکڑ کر رہ گئے تھے۔ اس کی موت کے بعد ایسا لگنے لگا جیسے اسکے سارے ٹھاٹ باٹ مصنوعی تھے، وہ گویا دکھاوے کی زندگی گزار رہا تھا ورنہ حقیقت میں اسکے وسائل کوئی خاص نہیں تھے۔

اس کے جاننے والوں کا اندازہ تھا کہ اس کے پاس کم از کم پانچ لاکھ ڈالر نقد ہوں گے، کچھ جگہوں پر اس نے سرمایہ کاری بھی کر رکھی ہوگی مگر اس کے آفس کی تجوری اور بینک کے لاکر سے کل 28 ہزار ڈالر کے سرکاری بانڈ اور دو ہزار ڈالر کے ہیروں کے زیورات برآمد ہوئے جن میں ہیرے نہایت چھوٹے اور کم قیمت تھے، انہیں ہیروں کے زیورات سمجھنا بھی غلط ہی لگ رہا تھا۔

اس کے کلب کی عمارت کرائے کی تھی۔ حویلی اس کے باپ کے نام تھی جو باپ ہی کو مل گئی۔ اس نے ازراہ کرم چھ ہزار ڈالر کے بانڈ اور زیورات ڈیل کو دے دیئے اور بارہ ہزار ڈالر وکٹوریہ کو دے دیئے۔ بگ جم کی دولت اور جائداد کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہوسکا کہ اگر وہ تھی تو کہاں گئی، کوئی نہیں جان سکا کہ اس نے کہاں کہاں سرمایہ کاری کر رکھی تھی اور اس کے اثاثے کیا تھے۔

اس کی موت کے کچھ عرصے بعد ڈیل شو بزنس میں واپس آگئی اور 1924ء میں اس نے ایک ایکٹر سے شادی کرلی جو پروڈیوسر بھی تھا۔ وکٹوریہ نے ایک سال بعد ہی اپنے نوجوان شوہر سے طلاق حاصل کرلی اور نہ جانے کہاں غائب ہوگئی، اس کے بعد وہ شکاگو میں نظر نہیں آئی۔

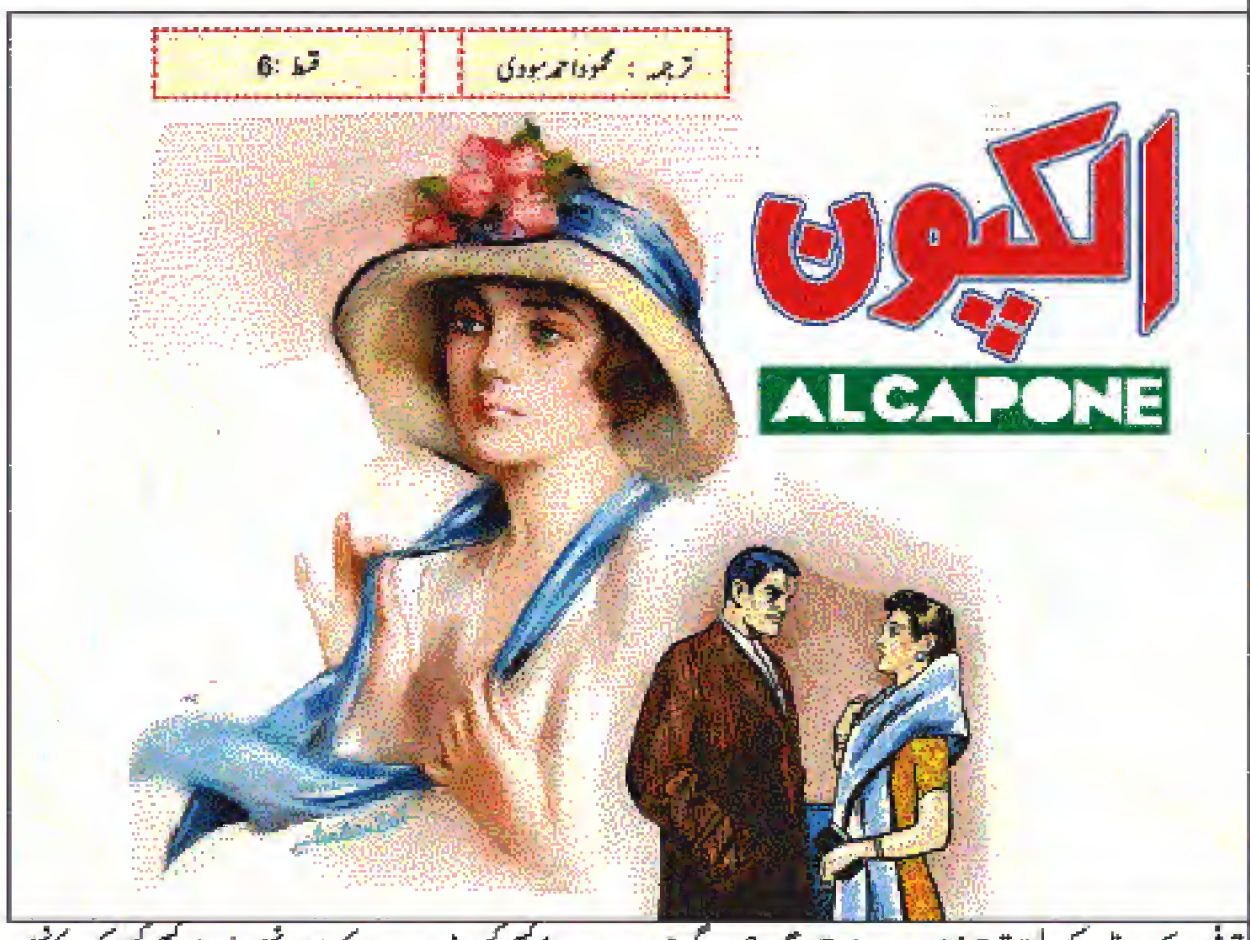

بگ جم کو اس کی موت کے بعد اس کے تمام جاننے والے بہت اچھے الفاظ میں یاد کرتے رہے۔ ایسا لگتا تھا کہ اس میں اگر کچھ برائیاں تھیں بھی تو اس کی بے وقت اور غیر متوقع موت کے بعد لوگوں نے انہیں فراموش کر دیا تھا۔ سب یہی کہتے تھے کہ وہ ایک بہادر انسان تھا، یاروں کا یار تھا، اس نے کبھی کسی ضرورت مند کو مایوس نہیں لوٹایا۔ کبھی کسی کمزور کو نہیں مارا۔ کبھی پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہیں کی۔ اگر کبھی کوئی گھٹیا کام بھی کیا تو اس ادا سے کیا کہ اس کی وجہ سے اس کی اپنی شخصیت گھٹیا نظر نہیں آئی۔ اس نے ہر حال میں اپنی عزت اور اپنا وقار برقرار رکھا۔

اسے اسی قسم کے الفاظ میں یاد کیا جاتا رہا اور اس کی شخصیت ایک طویل عرصے تک فراموشی کے دھندلکوں میں گم نہیں ہوئی۔ الکپون کی زندگی پر بھی اس کی شخصیت کے خاصے گہرے اثرات موجود رہے حالانکہ اسے براہ راست اسکے زیر سایہ رہنے کا موقع نہیں ملا تھا اور اس کا رابطہ بھی بگ جم سے زیادہ عرصے نہیں رہا تھا۔ الکپون تو درحقیقت جان ٹوریو کا آدمی تھا لیکن اس نے بگ جم کی شخصیت کا بھی گہرا مشاہدہ کیا تھا اور اس سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ جان ٹوریو کا تو وہ بہرحال خاص آدمی تھا۔

☆......☆......☆

جان ٹوریو کو امید تھی کہ غیر قانونی شراب کے دھندے میں بہت کمائی ہوگی اور جو بھی اس میں کود پڑے گا، وہ بہت کمائے گا اور جو اسے جتنے زیادہ منظم انداز میں جتنے زیادہ اونچے پیمانے پر کرے گا، اتنا ہی زیادہ کمائے گا۔

جلد ہی اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوتا دکھائی دینے لگا۔ شہر میں گویا غیر قانونی شراب کا سیلاب آنے لگا۔ ایک صحافی نے اس دور کے شکاگو کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا۔ ”لگتا ہے جتنی شراب شکاگو میں پائی جاتی ہے، اتنی امریکا کے کسی اور شہر میں نہیں پائی جاتی۔ کبھی کبھی تو اندیشہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ شہر شراب کے سیلاب میں ڈوب جائے گا۔“

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی حکومت اپنے خیال میں معاشرے کی بھلائی اور اپنے مالی فائدے کیلئے کچھ قوانین بناتی ہے مگر وہ معاشرے میں بہت بڑے بگاڑ کا سبب بن جاتے ہیں اور حکومت کے بجائے جرائم پیشہ لوگوں کو دولت مند بنا دیتے ہیں۔ امریکا میں شراب پر پابندیوں کے قوانین کا بھی کچھ ایسا ہی حشر ہو رہا تھا۔

جان ٹوریو کو اپنے کاروبار اور اپنے کارندوں کو منظم کرنے میں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔ اطالوی ویسے تو بہت بکھرے رہتے تھے اور ایک غیر منظم قوم نظر آتے تھے لیکن اگر کوئی انہیں منظم کرنے والا میسر آجاتا تو پھر ان سے زیادہ منظم کوئی نہیں تھا۔

ایک صحافی نے اس سلسلے میں اپنا تجزیہ بیان کرتے ہوئے لکھا تھا۔ ”اطالویوں میں چونکہ ایک قسم کا عدم تحفظ کا احساس پایا جاتا ہے اس لئے جب انہیں کوئی منظم کرنے والا میسر آتا ہے تو وہ سب سے زیادہ مضبوطی سے منظم ہوتے ہیں۔ کوئی بھی چالاک آدمی ان کے اسی عدم تحفظ کے لاشعوری احساس کو ابھارتے ہوئے ایک مضبوط لڑی میں پرو لیتا ہے۔“

کاروبار کو منظم کرنے میں الکپون بھی جان ٹوریو کے خوب کام آرہا تھا۔ اس نے ہر موقع پر اپنے آپ کو کارآمد اور قابل اعتماد ساتھی ثابت کیا تھا۔ جان ٹوریو اس سے بہت خوش تھا اور اس نے الکپون کو قائل کر لیا تھا کہ اس کا مستقبل اب شکاگو سے ہی وابستہ تھا چنانچہ اب اسے نیویارک واپس جانے کا خیال چھوڑ کر مستقل بنیادوں پر یہیں رہنے کا فیصلہ کر لینا چاہئے تھا۔

ویسے بھی ادھر نیویارک کے علاقے بروکلین میں اس کا دشمن ولیم پہلے سے بھی زیادہ طاقتور ہوگیا تھا۔ الکپون نے آرتھر نامی جس آئرش کو مار مار کر تقریباً موت کے منہ میں پہنچا دیا تھا، وہ آئرش گروہوں میں سے ایک کا رکن تھا اور ولیم اس وقت آئرش گروہوں کا نائب سردار تھا۔ ان گروہوں کو ”وائٹ ہینڈ گینگز“ کہا جاتا تھا۔ بروکلین میں اب ان گروہوں کا لیڈر ریٹائر یا قتل ہوچکا تھا اور اس کی جگہ ولیم ہی سب سے بڑا لیڈر یا باس بن چکا تھا۔ گو کہ اب وہ وہاں الکپون کو ڈھونڈتا تو نہیں پھرتا تھا لیکن کچھ بعید نہیں تھا کہ شہر میں اس کے واپس آنے کی خبر سن کر یا اسے دیکھ کر ولیم کا جذبۂ انتقام بیدار ہوجائے۔

الکپون کو خود بھی اب شکاگو میں اپنا مستقبل زیادہ روشن دکھائی دینے لگا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ جان ٹوریو کام کا آدمی تھا اور اس کی رفاقت اس کیلئے بے پناہ فائدہ مند ثابت ہوسکتی تھی چنانچہ وہ شکاگو میں مستقل رہائش اختیار کرنے کیلئے ذہنی طور پر رضامند ہوچکا تھا۔

وہ جان ٹوریو سے ”کاروبار“ کے اسرار و رموز تو سیکھ ہی رہا تھا لیکن ساتھ ساتھ اپنی شخصیت اور عادات کو بہتر بنانے کے مشوروں پر بھی عمل کر رہا تھا۔ جان ٹوریو کا کہنا تھا کہ آدمی خواہ کتنا ہی بڑا بدمعاش ہو لیکن اسے بدمعاش نظر نہیں آنا چاہئے، اس کے دھندے خواہ کچھ بھی ہوں لیکن اسے اپنے لباس، اپنی گفتگو اور رکھ رکھاؤ سے پوری طرح ایک معزز بزنس مین نظر آنا چاہئے۔ اس کے اعمال اس کے چہرے پر لکھے نظر نہیں آنے چاہئیں۔

الکپون نہایت توجہ سے اس کے مشورے سنتا تھا اور ان پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا تھا۔ جان ٹوریو ہی کے مشورے پر اس نے نائٹ اسکول میں بھی داخلہ لے لیا تھا اور اپنی تعلیم کا ٹوٹا ہوا سلسلہ جوڑ لیا تھا۔ جان ٹوریو کا کہنا تھا کہ اسے تعلیم کے ذریعے بھی اپنے آپ کو ظاہری طور پر مہذب، نفیس اور شائستہ بنانا چاہئے۔

اس کا الکپون کے بارے میں کہنا تھا کہ وہ ابھی اکثر بروکلین کا بدمعاش ہی نظر آتا تھا جو اسے نظر نہیں آنا چاہئے تھا۔ الکپون پر کبھی کبھار اچانک جو شدید غصے اور اشتعال کا دورہ پڑتا تھا، جان ٹوریو کے خیال میں وہ بھی بہت بڑی خرابی اور خامی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان کو ہمیشہ پرسکون اور تحمل مزاج نظر آنا چاہئے، وہ چاہے دس بیس آدمیوں کو قتل کرانے کا فیصلہ کر رہا ہو لیکن یہ فیصلہ اسے غصے میں نہیں کرنا چاہئے، بالکل ٹھنڈے دل سے اور خوب سوچ سمجھ کر تحمل مزاجی سے کرنا چاہئے۔

الکپون ان تمام مشوروں پر خلوص دل سے عمل کر رہا تھا۔ جان ٹوریو کی زیر نگرانی اس کی تعلیم و تربیت کا عمل ذرا سست روی سے آگے بڑھ رہا تھا مگر بہرحال بڑھ رہا تھا۔ الکپون کی شخصیت، عادات و اطوار اور رکھ رکھاؤ وغیرہ میں دھیرے دھیرے تبدیلیاں آرہی تھیں۔

جان ٹوریو ایک اچھا باس ثابت ہو رہا تھا۔ وہ الکپون کو پچیس ہزار ڈالر سالانہ تو دے ہی رہا تھا، جسم فروشی کے اڈوں سے ہونے والی آمدنی میں بھی اس کا حصہ تھا، غیر قانونی شراب کے دھندے میں تو اس کا خاصا حصہ تھا کیونکہ اس کا زیادہ تر انتظام الکپون ہی چلا رہا تھا۔ بیشتر ذمہ داریاں اسی کے سر پر تھیں۔ اس کے علاوہ الکپون کے بیٹے سنی کی ہر سالگرہ پر جان ٹوریو اسے پانچ ہزار ڈالر کا بانڈ تحفے کے طور پر دیتا۔ اس کے علاوہ بھی ہر خوشی کے موقع پر جان ٹوریو، الکپون اور اسکی فیملی کو اچھے تحفوں سے نوازنے میں کوتاہی نہ کرتا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ ساتھیوں کا دل جیتنے کیلئے طے شدہ معاوضوں اور حصے داریوں سے قطع نظر بھی تحفے تحائف کا سلسلہ ضرور جاری رکھنا چاہئے۔ باہمی تعلق پر اسکے الگ اثرات ہوتے ہیں۔

یہ دوسری بات تھی کہ کاغذات میں الکپون کی تنخواہ صرف 75 ڈالر فی ہفتہ تھی۔

نومبر 1920ء میں بروکلین میں الکپون کے والد کا بھی انتقال ہوگیا۔ وہ دل کے مریض تھے، ایک روز گھر کے قریب ہی ایک پول ہال میں گرے اور ڈاکٹر کے آنے سے پہلے چل بسے، اس وقت ان کی عمر صرف 55 سال تھی، انہیں عارضی طور پر بروکلین میں دفن کیا گیا، بعد میں الکپون نے ان کی میت شکاگو منگوائی اور انہیں خاصے اہتمام سے ایک اچھے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ قبر کے سرہانے سنگ مرمر کا خوبصورت کتبہ نصب کیا گیا۔

الکپون اپنے خاندان کا خیال رکھنے والا اور خاندان کے سب لوگوں کے کام کرنے والا آدمی تھا۔ وہ ان سب کی حتی الامکان مدد کرنے کی کوشش کرتا تھا، اسے اپنے خاندان کے کام آکر خوشی ہوتی تھی۔ اس معاملے میں وہ بڑا فراخدل تھا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ باپ کے انتقال کے فوراً بعد اس نے نہ صرف اپنی ماں اور سب بہن، بھائیوں کو بلکہ تین کزنوں کو بھی اپنے پاس شکاگو بلا لیا۔ اس کی فیملی میں دو بہنوں کا بھی اضافہ ہوچکا تھا، مختصراً ان میں سے ایک کا نام روز، دوسری کا میف تھا۔ اپنی فیملی کے ساتھ اس نے جن تین کزنوں کو بلوایا تھا، ان کے نام چارلس، راکو اور جوزف تھے۔

الکپون نے سب سے پہلے اپنے بڑے بھائی رالف کو بلوایا تھا جو کتنی ہی چھوٹی موٹی ملازمتیں کر چکا تھا۔ پہلی عالمگیر جنگ میں فوج میں بھی رہ چکا تھا۔ الکپون نے اپنی پوری فیملی کیلئے پندرہ کمروں پر مشتمل ایک مکان خریدا جو ساؤتھ پریری کے علاقے میں تھا۔ یہ اچھے خاصے خوشحال لوگوں کا علاقہ تھا۔ جان ٹوریو کا اپارٹمنٹ بھی یہاں سے دور نہیں تھا۔

پوری فیملی کے آجانے سے الکپون گویا شکاگو میں مستقل رہنے کے سلسلے میں یکسو ہوگیا۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح اس نے بھی محسوس کیا کہ شکاگو ایک عجیب شہر تھا۔ یہاں اگر کوئی شخص کچھ عرصہ گزار لیتا تھا تو یہ شہر گویا اسے اپنی گرفت میں جکڑ لیتا تھا۔ اسے کہیں جانے نہیں دیتا تھا حالانکہ بظاہر اس میں کوئی خاص کشش نظر نہیں آتی تھی۔

اس پر اگر طائرانہ نظر ڈالی جاتی تو وہ بہت بے ہنگم اور بے ترتیب دکھائی دیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی منصوبہ بندی کے بغیر آباد ہوتا چلا گیا ہے۔ کہیں صنعتی علاقہ پھیلا ہوا تھا۔ اونچی نیچی، آڑی ترچھی صنعتی عمارتوں کے قریب رہائشی علاقے بھی تھے۔

کہیں اچھے مکانات اور عمارتیں دکھائی دیتی تھیں۔ انہی کے پہلو بہ پہلو غریبانہ مکانات کی آڑی ترچھی قطاریں بھی ایک دوسرے میں گڈمڈ نظر آتی تھیں۔ بیچ میں کہیں خاصی دور تک پھیلی ہوئی خالی زمینیں دکھائی دیتی تھیں۔ اس زمانے میں یعنی تقریباً سو سال پہلے اس کی آبادی تیس لاکھ کے قریب تھی۔ اس وقت کے لحاظ سے یہ بہت زیادہ آبادی تھی اور بلاشبہ شکاگو بہت بڑا شہر تھا۔ اس کے باشندوں میں جرمن، آئرش، پولش، بیلجیئن، چائنیز، انڈین اور نہ جانے کون کون شامل تھے۔

ایسے لوگ جنہیں خالص امریکی قرار دیا جاسکتا ہو، ان کی تعداد بیس فیصد سے زیادہ نہیں تھی، مختلف قومیتوں کی کھچڑی سی پکی ہوئی تھی اور امریکی اس کھچڑی میں گویا گم ہوکر رہ گئے تھے، بے شناخت سے ہوگئے تھے، وہ اس صورتحال پر کچھ زیادہ خوش نہیں تھے لیکن ان کی خوشی یا ناخوشی کی پروا بھلا کسے تھی؟

بہرحال، شہر کے ان حالات اور اس پس منظر میں بغیر ٹیکس کی غیر قانونی شراب کا کاروبار بھی خاموشی سے ایک الگ ہی قسم کا انقلاب لا رہا تھا۔ ویسے تو اب بھی زیادہ تر مجرم انہی جرائم میں الجھے ہوئے تھے جو وہ پہلے سے کرتے آرہے تھے لیکن ان میں سے جو غیر قانونی شراب کے دھندے کی طرف متوجہ ہوگئے تھے، وہ موٹے دماغ کے ہونے کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ کمانے لگے تھے۔ ان میں کاروباری سمجھ بوجھ نہیں تھی، اس کے باوجود ان میں سے بعض کے مالی حالات تو اتنے بدل گئے تھے کہ ٹیکس کا محکمہ ان کی طرف متوجہ ہوگیا تھا تاہم کچھ جرمانے ادا کر کے اور کچھ رشوتیں کھلا کے ان کی بھی گلوخلاصی ہوگئی تھی۔

اس قسم کے لوگوں میں برنین ایک خاصا دلچسپ قسم کا کردار تھا۔ یہ شخص چور، لٹیرا اور نقب زن ہوا کرتا تھا۔ دھماکا خیز مواد کے ذریعے اچھی خاصی بڑی اور مضبوط تجوریاں بھی توڑ لیا کرتا تھا لیکن اپنے اناڑی پن یا بدنصیبی کی وجہ سے کبھی زیادہ دولت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بعض اوقات تو وہ اتنی رقم کی واردات نہیں کرتا تھا جتنی رقم کی رشوت دیکر اسے اپنی جان چھڑانی پڑتی تھی۔

ایک بار تو اس نے ایک تجوری توڑنے کیلئے دھماکا خیز مواد استعمال کیا تو عمارت کی پوری دیوار اڑ گئی لیکن تجوری سلامت رہی۔ یہ تو خیر ایک ناکام واردات تھی لیکن کامیاب وارداتوں میں بھی اس کا حال کچھ اچھا نہیں تھا۔ ایک بار اس نے اپنی دانست میں اوپر تلے پانچ بڑی اور کامیاب وارداتیں کیں لیکن ان سے اسے مجموعی طور پر صرف نو ہزار ڈالر کی رقم حاصل ہوئی، اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ پکڑا گیا اور بری طرح قانون کے شکنجے میں آگیا۔

جان چھڑانے پر اس کے تیس ہزار ڈالر خرچ ہوگئے۔ یوں کبھی کبھی اس کی جمع پونجی بھی چلی جاتی تھی اور وہ بدحال کا بدحال ہی رہتا تھا۔ شراب پر جب مرکزی حکومت کی طرف سے کئی طرح کے ٹیکس عائد ہوئے اور کئی پابندیاں لگیں تو اس کے فوراً بعد وہ شراب کا ایک ٹرک لوٹنے والا پہلا آدمی تھا۔

اس کی یہ واردات بھی بڑی دلچسپ اور عجیب و غریب تھی۔ دسمبر کی ایک سرد صبح تھی۔ برنین اپنی اونی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونسے ایک سنسان سڑک پر چلا جا رہا تھا کہ ایک عمارت کے عقب میں اسے شراب کی بوتلوں سے لدا ہوا ایک ٹرک کھڑا دکھائی دیا شاید وہ کسی جگہ ڈیلوری دینے آیا تھا اور دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

ٹرک میں ڈرائیور کے سوا کوئی نہیں تھا۔ وہ کھڑکی میں کہنی نکالے سست سے انداز میں بیٹھا تھا، برنین اس کے قریب پہنچا تو اسے نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ ٹرک کے پائیدان پر چڑھ گیا، اس نے ڈرائیور کی گردن اپنے ایک بازو کے شکنجے میں جکڑ لی اور اس کے سر پر تابڑ توڑ کئی گھونسے رسید کر ڈالے۔

اس کی یہ حرکت بالکل غیر ارادی اور اضطراری تھی۔ ایک منٹ پہلے تک اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسا کرے گا، ڈرائیور بے ہوش ہوگیا۔ برنین نے اسے کھینچ کر ٹرک سے نکالا اور سڑک پر پھینک دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ٹرک کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور اسے لے کر چل دیا۔

جب وہ ٹرک لے کر کافی دور نکل گیا تو اس کے ذہن میں سوال ابھرا کہ آخر وہ کہاں جارہا تھا؟ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ پریشان ہوگیا، وہ ٹرک لے کر تو بھاگ نکلا تھا لیکن یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اسے کہاں لے کر جائے گا اور اس کا کیا کرے گا؟

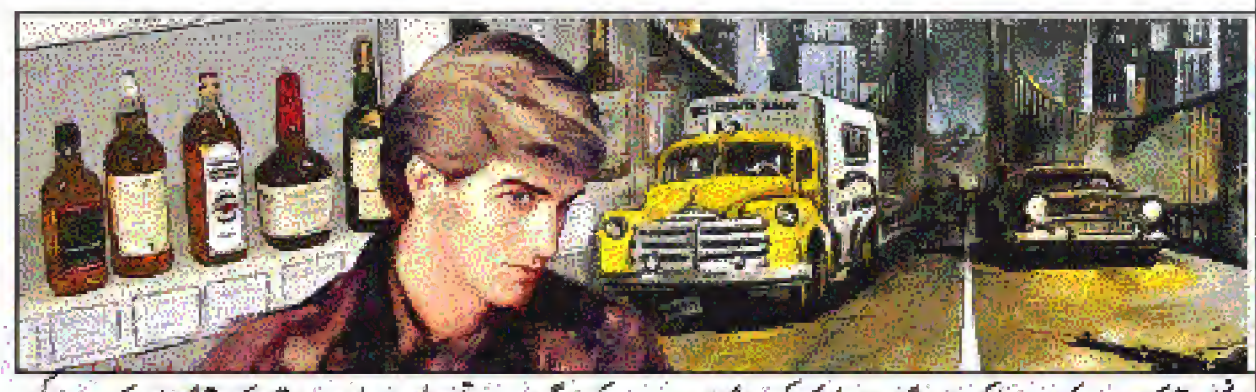

پندرہ منٹ تک وہ ادھر ادھر چکراتا پھرتا رہا آخر کار وہ ٹرک کو مارٹن کے گیراج پر لے گیا۔ مارٹن ٹھیک ٹھاک کرایہ لے کر چوری کی کاریں اپنے گیراج میں کھڑی کراتا تھا۔ برنین نے ٹرک لے جا کر وہاں کھڑا کردیا اور آدھے گھنٹے تک ادھر ادھر فون کرتا رہا۔ وہ فون کے ذریعے چوری کی دوسری کار تلاش کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

آخر کار وہ آدھی قیمت پر ایک بریوری سے ہی دوسری کے اس ٹرک کا سودا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ آدھی قیمت لے کر بھی وہ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ منافع بخش سودا تھا کیونکہ اس واردات میں اسے ایک گھنٹہ بھی نہیں لگا تھا۔

یہی برنین آگے چل کر غیر قانونی شراب کا دھندا کرنے والا بہت بڑا آدمی بن گیا لیکن شراب کے ٹرک یا گودام لوٹنے کا سلسلہ اس نے جاری رکھا اور یہ کام وہ بذات خود کرتا رہا، اپنے کارندوں سے اس نے کبھی یہ کام نہیں لیا حالانکہ بعض اوقات اس قسم کی واردات سے کوئی خاص مالی فائدہ نہیں ہوتا تھا لیکن برنین کو شاید ان وارداتوں کا چسکا پڑ گیا تھا، اسے شاید اس کام میں مزا آتا تھا۔

جان ٹوریو بھی غیر قانونی شراب کے کام میں بہت آگے چلا گیا تھا۔ کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس کے اپنے گروہ کے تین آدمیوں نے شراب کی نقل و حمل کیلئے ٹرک خرید کر موٹر کمپنی بنالی تھی اور اس کا نام ''ورلڈ موٹر سروس کمپنی'' رکھ دیا تھا، وہ اسے شراب کے دھندے سے بالکل الگ تھلگ سیدھی سادی کاروباری کمپنی ظاہر کرتے تھے۔

اگر کبھی کوئی ٹرک شراب لے جاتے ہوئے پکڑا بھی جاتا تھا تو ڈرائیور وغیرہ بڑی معصومیت سے کہہ دیتے تھے کہ ٹرک تو کچھ لوگوں نے سامان لے جانے کیلئے کرائے پر لیا تھا، اب انہیں کیا پتہ کہ بند پیٹیوں میں وہ کیا لے کر جارہے ہیں۔ اس طرح وہ اکثر اپنا ٹرک تو چھڑا کر لانے میں کامیاب رہتے تھے، زیادہ سے زیادہ شراب ہی ضبط ہوتی تھی۔

ٹرکوں کی خریداری بھی الکپون ہی کے ذمے تھی کیونکہ اس میں نقد رقم کے لین دین کا معاملہ ہوتا تھا اور رقم کے معاملے میں جان ٹوریو زیادہ تر الکپون پر ہی اعتماد کرتا تھا۔ الکپون نئے اور پرانے ٹرک خریدتا رہتا تھا اور زیادہ پرانے ہوجانے والے ٹرکوں کو نکالتا رہتا تھا۔

جان ٹوریو کے دوسرے دھندے بھی اپنی اپنی جگہ جاری تھے لیکن اب ان کی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ ''فورڈیوسز کلب'' جو بگ جم کے زمانے میں ایک اچھا خاصا بڑا اور معزز ادارہ قسم کا کلب بن گیا تھا، اب اس کی حالت یہ تھی کہ وہ جسم فروشی کا ایک سستا قسم کا اڈہ معلوم ہوتا تھا۔

بہرحال جان ٹوریو کو اپنے سب اڈوں سے اچھی خاصی آمدنی ہورہی تھی تاہم شراب کا دھندا اب سب سے اوپر چلا گیا تھا اور جان ٹوریو کی سب سے زیادہ توجہ بھی اسی کی طرف تھی۔ اس کیلئے کام کرنے والوں کی تعداد بھی کافی بڑھ چکی تھی۔

اسکے گروہ میں شامل ہونے کیلئے پہلی سیڑھی اس کا کوئی ٹرک ہوتا تھا یعنی امیدوار کو سب سے پہلے کسی ٹرک کے ڈرائیور کے طور پر بھرتی کیا جاتا تھا۔ اسکے بعد اگر وہ کچھ ''ترقی'' کر جاتا تھا تو تھوڑی بہت مار دھاڑ والے کام بھی اسکے سپرد کئے جاتے تھے تاہم ابھی تک گروہ کیلئے ''سینڈیکیٹ'' یا ''مافیا'' وغیرہ جیسے الفاظ استعمال نہیں ہوتے تھے۔

گروہ کے ارکان زیادہ سے زیادہ اسے ''آؤٹ فٹ'' کہہ دیتے تھے۔ وہ اپنے تعارف کراتے ہوئے کہتے تھے۔ ''میں آجکل جان ٹوریو کی آؤٹ فٹ میں کام کررہا ہوں'' کوئی کہہ دیتا تھا ''میں الکپون کی آؤٹ فٹ میں ہوں۔''

سننے والے اس کا مطلب سمجھ جاتے تھے۔

جان ٹوریو نے الکپون کو خاصی آزادی دے رکھی تھی اور وہ اسکی اچھی خاصی غلطیاں بھی نظر انداز کر جاتا تھا۔ گو کہ اس نے الکپون کو تبدیل کرنے اور اسے ایک سلجھا ہوا ''بزنس مین'' بنانے کی پوری پوری کوشش کی تھی اور بلاشبہ الکپون کی ذات میں بہت سی تبدیلیاں آئی بھی تھیں لیکن انسان کی فطرت تو نہیں بدلتی، عادات اور طور طریقے البتہ بدل جاتے ہیں چنانچہ الکپون کی فطرت کبھی کبھار اپنی جھلک دکھاتی رہتی تھی۔

30 اگست 1922ء کی صبح الکپون تین مردوں اور ایک عورت کے ساتھ اپنی گاڑی میں کہیں جارہا تھا۔ جس قسم کے ان لوگوں کے دھندے تھے، ان میں زیادہ تر راتیں جاگتے ہوئے ہی گزرتی تھیں۔ اس روز بھی دو رات کے جاگے ہوئے تھے۔ پینے پلانے کا دور بھی چلتا رہا تھا اس لئے صبح معنوں میں کسی کا بھی دماغ ٹھکانے پر نہیں تھا۔

ایک موڑ کاٹتے وقت الکپون کی گاڑی پھسلی اور ذرا آگے کھڑی ہوئی ایک ٹیکسی سے بری طرح جا ٹکرائی۔ ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ عجیب اتفاق یہ ہوا کہ الکپون کی گاڑی کو کچھ زیادہ نقصان نہیں پہنچا اور نہ ہی گاڑی میں موجود لوگوں کو کوئی خاص چوٹ لگی لیکن ٹیکسی کو اچھا خاصا نقصان پہنچا اور اس کا ڈرائیور بھی زخمی ہوگیا۔

اس کے سر سے خون بہنے لگا اور وہ اسٹیئرنگ وہیل پر سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں تقریباً بند تھیں۔ الکپون ایک ہاتھ میں گن اور دوسرے ہاتھ میں پیتل کا ایک ستارہ نما بیج لئے بڑے غصے میں گاڑی سے اترا اور جا کر ڈرائیور پر گرجنے برسنے لگا جو بیچارہ جواب دینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھا۔

الکپون کے ساتھی نہایت عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گاڑی سے اترے اور وہاں سے کھسک لئے۔ الکپون کو اس بات کا پتہ بھی نہیں چلا۔ وہ ایک ہاتھ میں ریوالور اور دوسرے میں ستارہ نما بیج لہراتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور پر گرج برس رہا تھا، وہ تاثر دینے کی کوشش کررہا تھا کہ وہ ڈپٹی شیرف ہے۔

ٹیکسی ڈرائیور بے چارہ اس کی ڈانٹ ڈپٹ پر کوئی ردعمل ظاہر کرنے سے قاصر تھا، وہ اسٹیئرنگ وہیل پر سر ٹکائے کراہ رہا تھا۔ وہ اس حد تک زخمی ہوچکا تھا کہ اسے فوری طور پر اسپتال لے جانے کی ضرورت تھی۔ الکپون اس کی فکر کرنے کے بجائے اسے شوٹ کرنے کا ارادہ ظاہر کررہا تھا۔

آخر کار ایک اسٹریٹ کار کا ڈرائیور اتر کر قریب آیا۔ اسٹریٹ کار ایک قسم کی چھوٹی وین ہوتی تھی جو مسافروں کو لے کر مختلف روٹس پر چلتی تھی اور انہیں ان کے مطلوبہ اسٹاپ پر اتارتی جاتی تھی۔ اس وقت اسٹریٹ کار خالی تھی، اسکے ڈرائیور نے سارا منظر دیکھا تھا۔

وہ ہمت کرکے ذرا سخت لہجے میں الکپون سے مخاطب ہوا۔ ''تم اس آدمی پر گن کیوں تانے کھڑے ہو؟ وہ بیچارہ تو پہلے ہی زخمی ہے، تم اسے اسپتال پہنچانے کی فکر کرنے کے بجائے گن دکھا کر ڈرا دھمکا رہے ہو جبکہ غلطی بھی تمہاری ہے، اس کی ٹیکسی تو ایک طرف کھڑی ہوئی تھی، تم نے آکر اسے ٹکر ماری ہے۔''

کچھ بعید نہیں تھا کہ الکپون اسے بھی شوٹ کرنے کی دھمکی دے ڈالتا لیکن اس دوران پولیس کی ایک گاڑی گھنٹیاں بجاتی ہوئی آن پہنچی۔ اس کے ساتھ ایمبولینس بھی تھی۔ پولیس کو کسی طرح واقعے کی اطلاع ہوگئی تھی اور وہ بروقت آن پہنچی تھی۔

ٹیکسی ڈرائیور کو اسپتال لے جایا گیا اور الکپون کو حراست میں لے لیا گیا۔ فوری طور پر اسے پولیس اسٹیشن کے انچارج کے سامنے بھی پیش کردیا گیا۔ اسے تین الزامات کا سامنا تھا، ایک تو گاڑی کے ذریعے کسی کو ہلاک کرنے کی کوشش، دوسرے نشے کی حالت میں ڈرائیونگ، تیسرے بغیر لائسنس کے گن رکھنا اور اس سے دوسرے کو دھمکانا۔

اس دور کے اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے پولیس اور رپورٹرز کو بھی دھمکیاں دی تھیں۔ پولیس اسٹیشن کے انچارج سے اس نے کہا تھا کہ وہ اس کا تبادلہ کسی ایسی جگہ کرادے گا جہاں وہ سر پکڑ کر روئے گا۔ رپورٹرز سے اس نے کہا تھا کہ اگر کسی نے اس کے بارے میں الٹی سیدھی کہانیاں گھڑنے کی کوشش کی تو اس کا وہ حشر ہوگا کہ بعد میں وہ سوچتا ہی رہ جائے گا کہ یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا؟

تاہم ایک آدھ اخبار کے نوآموز رپورٹر نے اس واقعے کے بارے میں رپورٹ چھاپ ہی دی۔ اس نے یہ بھی لکھ دیا ''بدنام سایہ آدمی ایک بدنام اڈے ''فورڈیوسز'' میں رہتا ہے'' اس بیچارے کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ الکپون ''فورڈیوسز'' میں نہیں رہتا بلکہ وہ ایک کلب ہے اور الکپون اس کا تقریباً مالک ہی ہے۔

پرانے اخباروں کے تجربے کار رپورٹرز جو بدمعاشوں کو ذرا بہتر طور پر جانتے تھے، انہوں نے اس واقعے کی رپورٹ ذرا محتاط انداز میں چھاپی، بہرحال الکپون نے محتاط اور غیر محتاط دونوں ہی قسم کے رپورٹرز کو نہیں چھیڑا۔ اسے شاید اپنی مصروفیات کی وجہ سے اپنے بارے میں خبریں پڑھنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔

وہ اس دوران اس جھنجٹ سے اپنی جان چھڑانے میں مصروف تھا۔ الزامات خاصے سنگین تھے مگر ہوا وہی جو الکپون چاہتا تھا۔ مقدمہ عدالت میں جانے کی نوبت ہی نہیں آئی، یقیناً اس معاملے میں جان ٹوریو نے بھی اسکی مدد کی ہوگی۔ اس نے حسب معمول تحمل مزاجی کا مظاہرہ کیا اور شاید یہی سوچ کر الکپون کو معاف کردیا کہ ابھی اس کی عمر صرف 23 برس تھی اور وہ گرم دماغ کا نوجوان تھا۔ جان ٹوریو اسے بدلنے کی کوشش تو کررہا تھا لیکن ظاہر ہے وہ اسے مکمل طور پر تو نہیں بدل سکتا تھا۔

اس عمر میں بھی الکپون اپنی شان، رعب اور اثر رسوخ کا اظہار خوب کرتا تھا۔ کلب کی طرف جاتے وقت اسے راستے میں ایک ٹریفک کانسٹیبل ڈیوٹی پر کھڑا نظر آتا تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور ان کے درمیان ''ہیلو ہائے'' ہوتی تھی۔

کبھی الکپون زیادہ اچھے موڈ میں ہوتا تو چند لمحوں کیلئے ٹریفک کانسٹیبل کے قریب رک کر کہتا۔ ''ہیلو چارلس! اگر تمہارا سارجنٹ بننے کا ارادہ ہو تو مجھے بتادینا۔''

چارلس بیچارے نے کئی بار سنجیدگی سے اس کی پیشکش کے بارے میں سوچا۔ اسے معلوم تھا کہ الکپون کے یہ کہنے کا مقصد شیخی جھاڑنا نہیں ہوتا تھا، وہ کچھ ڈوریاں ہلاتا تو سچ مچ اسے سارجنٹ بنوا سکتا تھا لیکن ہر بار وہ کافی دیر کی سوچ بچار کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا کہ اسے الکپون کا احسان نہیں لینا چاہئے، اگر اس نے احسان لے لیا تو وہ زندگی بھر اس احسان کے بوجھ تلے دبا رہے گا اور سارجنٹ بننے کے بعد اسے اس کے جواب میں الکپون کیلئے نہ جانے کیا کچھ کرنا پڑے۔ یہ سوچ کر چارلس بیچارہ سارجنٹ بننے کی خواہش کو دل میں ہی دبائے رکھتا۔

غیر قانونی شراب کے دھندے میں جان ٹوریو اور برنین کے ابھرنے اور طاقت پکڑنے سے پہلے شکاگو میں مجرموں کے درمیان ''حد بندی'' کا کوئی خاص جھگڑا نہیں تھا۔ چوری چکاری، رہزنی، ڈکیتی اور نقب زنی کی عام سی وارداتوں کا جس کو جہاں موقع ملتا تھا، کر گزرتا تھا تاہم زیادہ تر مجرم اپنی رہائش کے آس پاس کے علاقوں میں ہی متحرک رہتے تھے اور ان کی مجرمانہ سرگرمیاں بھی انہی علاقوں تک محدود رہتی تھیں لیکن اگر کہیں اور بھی آسان شکار نظر آجاتا تھا یا کامیاب واردات کے امکانات نظر آتے تھے تو جرائم پیشہ افراد ان سے فائدہ اٹھانے میں ہچکچاتے نہیں تھے۔

لیکن جان ٹوریو اور برنین کے گروہ مضبوط ہوجانے اور شراب کا دھندا بہت پھیل جانے کے بعد غیر محسوس سے انداز میں حد بندیاں ہونے لگی تھیں۔ شمال کی طرف کا زیادہ تر علاقہ گویا برنین کے قبضے میں آگیا تھا۔ برنین ہی کی طرح اس کے گروہ میں صف اول میں زیادہ تر بدمعاش پہلے نقب زن ہوا کرتے تھے اور تجوریاں توڑتے تھے۔

برنین سمیت یہ لوگ جسمانی طور پر بھی کافی مضبوط تھے۔ مار دھاڑ اور قتل و غارت ان کیلئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، خود برنین تو ایک نہایت خطرناک قاتل تھا۔ ایک پولیس آفیسر کا اسکے بارے میں خیال تھا کہ اس نے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے پہلے کم از کم تیس قتل کئے تھے جبکہ ایک دوسرے پولیس مین کے خیال میں یہ تعداد ساٹھ سے کم نہیں تھی۔

اس معاملے میں وہ خاصا ستم ظریف بھی تھا۔ جب اس کا کسی کو قتل کرنے کا ارادہ ہوتا تھا، اس کے سامنے اگر کوئی اس شخص کی برائی کررہا ہوتا تھا تو برنین ہنستے ہوئے کہتا تھا۔ ''ارے نہیں بھئی..... تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی وہ تو بہت اچھا آدمی ہے۔'' اور اس کے دو چار دن بعد برنین اس شخص کو خود قتل کرتا تھا یا کسی سے کرا دیتا تھا۔

اسکے ڈرائیور نے ایک بار رازدارانہ انداز میں کسی کو بتایا۔ ''باس کل اکیلا گاڑی لے کر گیا تھا۔ جب اس نے واپس آکر گاڑی کھڑی کی تو اس کی سیٹ پر گاڑھا گاڑھا سا کچھ لگا ہوا تھا، میرے خیال میں وہ خون اور بھیجے کا ملغوبہ تھا۔ میں نے باس کو اس کے بارے میں بتایا تو وہ بے پروائی سے بولا۔ ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے..... اسے صاف کردو، اس نے اس کے بارے میں کچھ بتانے کی زحمت نہیں کی، میرا خیال ہے اس نے گاڑی میں ہی کسی کی کھوپڑی میں سوراخ کردیا تھا۔''

برنین کے خاص خاص ساتھی بھی کچھ اسی قسم کے لوگ تھے۔ برنین نے جب غیر قانونی شراب کے دھندے میں ہاتھ ڈالا، اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی، اس وقت وہ بمشکل اٹھائیس سال کا تھا، اس کے قریبی ساتھیوں کی عمریں اس سے بھی کم تھیں۔

جرائم اور ناجائز دھندوں کی اجارہ داری کے حساب سے شکاگو کئی حصوں میں تقسیم ہوچکا تھا اور ہر حصے پر کسی مخصوص گروہ کا راج تھا۔ کوئی گروہ چھوٹا تھا، کوئی بڑا..... کسی کے پاس کم علاقہ تھا، کسی کے پاس زیادہ..... کوئی کسی میدان میں زیادہ آگے تھا اور کوئی کسی دوسرے میدان میں۔

رفتہ رفتہ حد بندی پر جھگڑے ہونے لگے۔ جب کوئی گروہ کسی ایسے علاقے میں شراب اور بیئر سپلائی کرنے کی کوشش کرتا تھا جسے دوسرا گروہ ''اپنا علاقہ'' سمجھتا تھا تو مزاحمت ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ مار دھاڑ بھی ہونے لگی۔ گولیاں چلنے لگیں، گھات لگا کر بھی ایک دوسرے کو مارا جاتا۔

اچانک کہیں فائرنگ شروع ہوجاتی، دو چار لاشیں گر جاتیں، کسی کی سمجھ میں نہ آتا کہ جھگڑا کیا ہے لیکن جاننے والے جانتے تھے کہ یہ سب حد بندی کے جھگڑے ہیں۔ گروہوں کی آپس کی چپقلش میں شراب خانوں اور سیلونز کے مالکوں کی بڑی شامت آتی۔

وہ کسی ایک گروہ سے شراب کی سپلائی لے رہے ہوتے تھے اور کاروبار ہموار انداز میں چل رہا ہوتا تھا کہ کسی روز کسی اور گروہ کے دو چار آدمی اپنے چہروں پر خونخواری لئے اکڑتے ہوئے شراب خانے یا سیلون میں آجاتے تھے۔ وہ اپنی جیبوں میں ٹھنسی ہوئی یا بیلٹ میں پھنسائی ہوئی گن کی جھلک سب کو دکھا دیتے تھے۔

ان کا لیڈر کاؤنٹر پر کھڑے ہوئے آدمی سے غرانے کے سے انداز میں پوچھتا تھا۔ ''تمہارے پاس جونی کا مال آتا ہے؟''

''ہاں۔'' بارٹینڈر ہونٹوں پر زبان پھیر کر جواب دیتا تھا۔

''کل سے تمہارے پاس برنین کا مال آئے گا۔'' بدمعاشوں کا لیڈر حکم صادر کرتا۔

''لیکن..... سر.....!'' بارٹینڈر یا بار کا مالک کچھ کہنے کی کوشش کرتا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں..... بس کل سے یہاں برنین کا مال آئے گا ورنہ.....!'' وہ بدمعاش جملہ ادھورا چھوڑ دیتا لیکن اس کا مطلب واضح ہوتا تھا۔

وہ چلے جاتے تو دوسرے روز برنین کا مال آنے سے پہلے جونی کے آدمی آجاتے۔ ان کا لیڈر تمباکو کو چباتے ہوئے اور تھوک کے چھینٹے اڑاتے ہوئے پوچھتا۔ ''سنا ہے تم برنین سے مال لینا شروع کررہے ہو؟''

بارٹینڈر یا مالک ڈرتے ڈرتے عرض کرتا۔ ''سر..... اوہ..... مال لینا شروع تو نہیں کیا لیکن کل اس کے آدمی آئے تھے.....!''

''خبردار..... جونی سے مال خریدنے کی ہامی بھری۔'' بدمعاشوں کا لیڈر پوری بات سننے سے پہلے ہی حکم صادر کردیتا۔

''لیکن..... سر.....!'' بارٹینڈر بے چارہ اپنی مجبوری واضح کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس گروہ کے نمائندے بھی اس کی فریاد نہ سنتے۔

بدمعاشوں کا لیڈر بات کاٹتے ہوئے فیصلہ سنا دیتا۔ ''تمہارے پاس شروع سے ہمارا مال آرہا ہے، آئندہ بھی ہمارا ہی آئے گا۔''

وہ اپنا حکم سنا کر رخصت ہوجاتا۔ جگہ کا مالک اور سارے ملازمین سر پکڑ کر بیٹھ جاتے۔ وہ جس گروہ سے بھی مال لیتے، دوسرا گروہ انہیں سبق سکھانے آجاتا، وہاں ہنگامہ ہوتا، فرنیچر ٹوٹتا، بوتلیں ٹوٹتیں..... حتیٰ کہ بعض لوگوں کی کھوپڑیاں بھی پٹخائی جاتیں۔ ظاہر ہے یہ سب کاروبار کو تباہ کرنے کے طریقے تھے۔

آخر میں یہ ہوتا کہ جو گروہ زیادہ طاقتور ہوتا اور وہ مال کے ساتھ ساتھ کاروبار کو تحفظ بھی فراہم کرنے کے قابل ہوتا، جگہ کا مالک اسکے زیر سایہ آجاتا، تحفظ فراہم کرنے اور اپنی دہشت بٹھانے کیلئے ہی بڑے اور طاقتور گروہ چھوٹے گروہوں کے دو چار آدمیوں کو سر راہ یا کہیں گھات لگا کر گولیوں سے چھلنی کردیتے تھے۔

خطرناک مسابقت اور مقابلے کی اس فضا میں کبھی کبھار قیمتیں گرانے کا حربہ بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جان ٹوریو کو بھی اپنی بیئر کی قیمت گرانی پڑی حالانکہ اس کا اور برنین کا گروہ ہی شہر میں باقی سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ بیئر کا ایک بیرل وہ پچاس ڈالر میں سپلائی کررہا تھا، ایک بار کسی کی ضد میں وہ اس کی قیمت کم کرتے کرتے دس ڈالر فی بیرل پر لے آیا حالانکہ دس ڈالر سے زیادہ تو اس پر لاگت آجاتی تھی لیکن ''گردن کاٹ'' مقابلے میں یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

اس فضا اور اس پس منظر میں 1923ء کے میئر کے الیکشن میں ڈیور نامی امیدوار ایک لاکھ ووٹوں کی اکثریت سے جیت گیا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی اور ڈیور کا اس اکثریت سے جیتنا بھی ایک حیرت انگیز واقعہ تھا کیونکہ ڈیور ایک نہایت نیک نام، اصلاح پسند اور دیانتدار آدمی تھا۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں جرائم خوب پھل پھول رہے تھے، کرپشن اور بدعنوانی عروج پر تھی، وہاں ایک ایسے آدمی کا میئر منتخب ہوجانا عجیب لگتا تھا، جس کی شہرت بے داغ تھی، جس کی اصول پرستی اور دیانتداری کے سب قائل تھے۔

شاید یہ معاشرے کی اس دبی ہوئی مگر اصل اور بنیادی خواہش کی عکاسی تھی کہ اسے جرائم اور کرپشن سے نجات ملے، وہاں کے لوگ بھی جرائم سے پاک اور صاف ستھرا ماحول چاہتے تھے۔

ڈیور کی عمر اس وقت ساٹھ سال تھی۔ وہ دس سال تک ایک علاقے کا ایلڈرمین اور پھر جج رہا تھا۔ کسی بھی حیثیت میں کبھی اس کی شہرت پر ذرا سا بھی داغ نہیں آیا تھا تاہم اس کی شخصیت اور اس کی کامیابی کے بعض پہلو خاصے دلچسپ تھے۔

مثلاً یہ کہ وہ خود زبردست شرابی تھا، اس کا شمار بے تحاشا پینے والوں میں ہوتا تھا لیکن وہ شراب کے سلسلے میں حکومت کی عائد کردہ تمام پابندیوں اور ٹیکسوں وغیرہ کے حق میں تھا۔

اس کا کہنا تھا۔ ''میں شرابی ضرور ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شرابی اصلاح پسند نہیں ہوسکتا۔ مجھے فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں اور میں کوئی بہت اونچی قسم کی اصلاحات بھی نہیں چاہتا، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ معاشرے میں قانون کی حکمرانی ہونی چاہئے۔ حکومت وقت جو قوانین نافذ کرے، ان پر واقعی عمل ہونا چاہئے۔''

دوسری عجیب بات یہ تھی کہ ڈیور کی انتخابی مہم میں برنین نے بھی پیسہ لگایا تھا اور ڈیور نے یہ جانتے ہوئے بھی اس کا پیسہ قبول کرلیا تھا کہ وہ غیر قانونی شراب کا دھندہ کرنے والوں میں دوسرے نمبر پر ہے۔ ناجائز دھندے اور مشکوک کاروبار کرنے والے لوگ عام طور پر سیاستدانوں کی انتخابی مہم میں اسلئے پیسہ لگاتے ہیں کہ اگر وہ برسر اقتدار آگئے تو ان کے بیسیوں کام سنوار دیں گے۔

تاہم برنین کا ڈیور کی مہم میں پیسہ لگانا پھر بھی حیرت کی بات تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ڈیور بدعنوان سیاستدان نہیں ہے۔ اصلاح پسند ہے اور خاص طور پر شراب کے بارے میں اصلاحات نافذ کرنے کا زبردست خواہشمند ہے۔ شاید برنین نے سوچا ہو کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، اقتدار میں آنے کے بعد سب نمک کی کان میں نمک ہی ہوجاتے ہیں۔ سب دولت کی ہوس میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور سب اپنے اصول قاعدے بھول جاتے ہیں۔ اسے امید ہوگی کہ ڈیور لاکھ اصول پسند اور دیانتدار سہی لیکن انتخابی مہم میں اس کا پیسہ لگوانے کے بعد کچھ تو ''حق نمک'' ادا کرے گا۔

دوسری طرف ڈیور نے اس ضمن میں دلیل دی۔ ''میں معاشرے میں اصلاح چاہتا ہوں لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ میرے پاس کچھ اختیارات ہوں اور اختیارات حاصل کرنے کیلئے الیکشن لڑنا پڑتا ہے جبکہ الیکشن لڑنے کیلئے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے، مجھ جیسے لوگ جن کے پاس موروثی دولت بھی نہیں ہوتی اور جو دولت کمانے کا فن بھی نہیں جانتے، وہ تو سادگی سے بھی الیکشن لڑنے کے متحمل نہیں ہوسکتے، ایک ایسا شخص جس نے اپنے عہدے سے کبھی کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھایا ہو اور صرف اپنی جائز آمدنی میں ہی گزارا کیا ہو، اسے الیکشن لڑنے کیلئے سہاروں کی ضرورت تو پڑتی ہے، فی الحال میں یہ نہیں دیکھ رہا کہ سہارا کس کی طرف سے میسر آرہا ہے، پہلے میرے لئے ایک بااختیار پوزیشن پر پہنچنا ضروری ہے پھر میں دیکھوں گا کہ مجھے اپنے خیالات کو عملی جامہ کیسے پہنانا ہے۔''

لگتا یہی تھا کہ لوگوں نے ڈیور کی اس دلیل کو قبول کرلیا تھا اور اس کی ذات سے اچھی امیدیں بدستور وابستہ کررکھی تھیں۔ اسی لئے اسے بھاری اکثریت سے میئر منتخب کرلیا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ شہر کی اصلاح کیلئے کیا کرتا ہے؟

(جاری ہے)

الکپون

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز سچی کہانی

ماضی کا ایک کردار جو کسی نہ کسی روپ میں جنم لیتا رہتا ہے

ترجمہ : محمود احمد مودی | قسط : 7

ڈیور نے میئر منتخب ہوتے ہی پُرجوش انداز میں اصلاح کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کیپٹن مورگن کولن کو پولیس چیف مقرر کر دیا۔ کیپٹن کولن کبھی میڈیکل اسٹوڈنٹ ہوا کرتا تھا لیکن پولیس کی نوکری میں آ گیا تھا۔ اس کی شہرت ایک دیانتدار پولیس آفیسر کی تھی۔ دیانتدار ہونے کے ساتھ ساتھ اسے ایک ایسا پولیس آفیسر بھی سمجھا جاتا تھا جسے اگر موقع دیا جاتا تو وہ بڑے بڑے اصلاحی کام کر سکتا تھا۔ ڈیور نے اسے پولیس چیف بنا کر گویا موقع بھی فراہم کر دیا اور ضروری اختیارات بھی مہیا کر دیئے۔

ویسے جب وہ کیپٹن تھا تو ایک بار پولیس کے ایک تفتیشی افسر نے اسکے بارے میں افسرانِ بالا کو رپورٹ دی تھی کہ اس کے پولیس اسٹیشن کی حدود میں کم از کم سولہ آدمی سٹہ کھلانے اور غیر قانونی شرطیں بک کرنے کا کام کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو بک میکر یا مختصراً بکی کہا جاتا تھا۔

اس افسر کی یہ رپورٹ اسکی نیک نیتی کا ثبوت نہیں تھی اور نہ ہی وہ شہر کی اصلاح کی فکر میں دبلا ہو رہا تھا بلکہ یہ محض دفتری سیاست اور پیشہ ورانہ رقابت کا شاخسانہ تھی۔ ہر دفتر اور ہر محکمے میں دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دینے والوں کو بھی اپنے ساتھیوں کے حسد اور رقابت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کے اپنے ہی ساتھی ان کی ٹانگ کھینچنے کیلئے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔

تاہم دیانتدار افسروں کے دل میں چونکہ چور نہیں ہوتا اس لئے وہ ایسی صورتحال سے پریشان نہیں ہوتے اور وہی جواب دیتے ہیں جو حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ چنانچہ کیپٹن کولن نے اس اعتراض کے جواب میں اپنے افسر سے کہا تھا۔ ”سر! مجھے اپنے علاقے کی ہر مشکوک جگہ کی نگرانی کرنے اور ان پر نظر رکھنے کیلئے کم از کم تین سو مزید آدمیوں کی ضرورت ہے، ان جگہوں کے آگے پیچھے دونوں طرف دروازے ہوتے ہیں اور ان میں ہر وقت پچاس افراد کی آمد و رفت رہتی ہے، ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ ملزم کو رنگے ہاتھوں یا ثبوت سمیت پکڑیں، ایسی ہی کارروائی مؤثر سمجھی جاتی ہے۔ اگر کارروائی کا کوئی نتیجہ نہ نکلے اور عدالت میں کوئی بات ثابت نہ کی جا سکے تو اسے بھی وقت اور توانائی کا زیاں سمجھا جاتا ہے اور اس پر بھی ہمیں افسروں سے ڈانٹ پڑتی ہے۔ آپ خود ہی سوچیں موجودہ پولیس فورس کے ساتھ میں کس طرح مؤثر کارروائیاں کر سکتا ہوں؟ جو کچھ میرے بس میں ہے، وہ بہرحال میں کر رہا ہوں۔“

اسکے استدلال کے سامنے افسر بھی لاجواب ہو گئے۔

ڈیور نے جب اسے پولیس چیف بنایا تو جس حد تک بجٹ اجازت دیتا تھا، اس حد تک کچھ نئی بھرتیاں کرنے کا اختیار بھی دیا۔ کولن نے اس کے فراہم کردہ مواقع اور اختیارات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے تیزی سے کارروائیاں شروع کر دیں۔

اس نے قمار خانوں اور بدنام جگہوں کے خلاف مہم کے انداز میں کارروائیاں کیں۔ ایک مرحلے میں اس نے 500 آدمیوں کو گرفتار کیا۔ دوسرے مرحلے میں 450 افراد کو گرفتار کیا، چھ مہینے کے اندر اندر اس نے چار ہزار سے زائد سیلون بند کرا دیئے اور پانچ سو کے قریب ایسی جگہیں بند کرا دیں جو ”سوڈا پارلر“ کہلاتی تھیں۔ بظاہر وہاں لوگ صرف کولڈ ڈرنک پینے آتے تھے لیکن درحقیقت وہاں شراب وغیرہ ملتی تھی اور موقع دیکھ کر لوگ دوسری حرکتیں بھی کر لیتے تھے۔

کولن نے تمام تھانوں کے انچارج آفیسرز سے کہہ دیا تھا: ”مجھے ہر حال میں نتائج چاہئیں، مجھے اس شہر کو ناجائز دھندوں سے پاک کرنا ہے۔“

پھر اس نے ایک پریس کانفرنس میں کہا۔ ”اگر میرے ساتھی آفیسر مجھے میرے مطلوبہ نتائج نہیں دیں گے تو جلد ہی وہ اپنے لئے دوسری نوکریاں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔“

پریس والوں نے پہلے بھی بہت سے پولیس آفیسرز سے اس قسم کے دعوے سنے تھے۔ وہ طنزیہ اور استہزائیہ سے انداز میں مسکرا کر رہ گئے۔ گویا دل ہی دل میں کہہ رہے ہوں۔ ”اچھا جناب......! آپکو بھی دیکھ لیتے ہیں کہ آپ کیا تیر مارتے ہیں۔“

لیکن پھر جب مختلف کاروبار کرنے والے 1400 سے زائد افراد کے لائسنس منسوخ کیے گئے تو پریس والوں کو بھی یقین کرنا پڑا کہ نیا پولیس چیف اپنے ارادوں کے معاملے میں مخلص معلوم ہوتا ہے۔

ظاہر ہے جان ٹوریو اور الکپون کا کاروبار بھی کولن کی کارروائیوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ کولن معقولیت اختیار کرنے پر ذرا بھی آمادہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جان ٹوریو اور الکپون کی اصطلاح میں ”معقولیت اختیار کرنا“ رشوت قبول کرنے کو کہتے تھے۔

رشوت قبول کرنے والے آفیسر کے بارے میں وہ لوگ اس طرح بات کرتے تھے کہ ”ابھی کل میں کیپٹن جونی سے ملا تھا، بڑا ہی معقول آفیسر ہے۔“

جو آفیسر رشوت نہیں کھاتا تھا، ان کی اصطلاح کے مطابق وہ نامعقول ہوتا تھا۔

جان ٹوریو کا کلب ”فور ڈیوسز“ اب اس کا اور الکپون کا ہیڈ کوارٹر تھا لیکن وہ بھی کولن کی کارروائیوں کی زد میں آ گیا۔ کولن نے بذاتِ خود اس پر چھاپہ مارا اور اس پر بڑا سا تالا لگا دیا۔ ویسے تو ان کے پاس ایک متبادل ہیڈ کوارٹر ”پرشنگ ہوٹل“ میں بھی تھا لیکن ان کی اصل پریشانی یہ نہیں تھی کہ وہ ہیڈ کوارٹر کے طور پر کون سی جگہ استعمال کریں۔

ان کی اصل پریشانی تو کولن کا طریقہ کار تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر کولن اسی طرح شہر کو ناجائز دھندوں سے پاک کرنے کی مہم چلاتا رہا تو ان کیلئے ”کاروبار“ جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اب بھی کاروبار میں دشواریاں پیش آ رہی تھیں لیکن ناجائز دھندے کرنے والے بہت سخت جان ہوتے ہیں، وہ اپنی بقا کی جنگ لڑتے رہتے ہیں۔ آسانی سے ہار نہیں مانتے۔

ابھی کسی نہ کسی حد تک یہ اطمینان تھا کہ ایک اڈہ بند ہوتا تھا تو اس کی جگہ چھپ چھپا کر کوئی نہ کوئی دوسرا اڈہ کھل جاتا تھا۔ دوسرے اڈے پر کو کہ پہلے اڈے جیسا دھندہ ممکن نہیں ہوتا تھا۔ آمدنی کم ہو جاتی تھی لیکن یہ اطمینان ہوتا تھا کہ کم از کم دھندہ جاری تو ہے۔ جان ٹوریو اور الکپون کو

اصل خطرہ یہ تھا کہ کولن اگر اسی یکسوئی اور جوش و خروش سے اپنی کارروائیاں کرتا رہا تو آخرکار دھندے بالکل ہی بند ہو جائیں گے۔

جان ٹوریو نے کولن کو ایک ہزار ڈالر روزانہ دینے کی پیشکش کی جس کے عوض وہ صرف یہ یقین دہانی چاہتا تھا کہ اس کے دھندوں میں مداخلت نہ کی جائے، اس نے یہ پیشکش بتدریج بڑھا کر ایک لاکھ ماہانہ تک کر دی۔ آج سے تقریباً 80 سال پہلے ایک لاکھ ڈالر ماہانہ بہت بڑی رقم تھی اور کولن کو یہ پیشکش صرف جان ٹوریو ہی کی طرف سے نہیں تھی، شہر میں اور بھی کئی شخصیات تھیں جو کولن کو ایسی ہی پیشکشیں کر رہی تھیں مگر وہ شخص اپنے کردار کی مضبوطی پر بلاشبہ داد و تحسین کا مستحق تھا کہ وہ لالچ میں نہیں آیا۔ جس راستے پر وہ چل رہا تھا، اس پر اس کے قدم نہیں ڈگمگائے حالانکہ اس کا انکار اسے نہ صرف بھاری مالی فوائد سے محروم کر رہا تھا بلکہ اس کیلئے روز بروز خطرات بھی بڑھ رہے تھے۔ وہ درندوں کی کچھاروں میں ہاتھ ڈال رہا تھا۔ ایسے ایسے لوگوں کے دھندے بند کرا رہا تھا جنہوں نے اس سے پہلے پولیس سے مکمل تحفظ حاصل کر رکھا تھا۔ پولیس، جان ٹوریو اور الکپون جیسے لوگوں کی تو جیب میں ہوتی تھی۔

ایک طرف پولیس کی سختی جاری تھی، دوسری طرف انہی دنوں جان ٹوریو اور الکپون کے دو مشترکہ دشمن سر اٹھانے لگے۔ ان میں سے ایک کا نام ڈوئل اور دوسرے کا مارٹن تھا۔ ڈوئل ایک قد آور اور مضبوط کاٹھی کا آدمی تھا۔ چہرہ شکن آلود ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بڑی عمر کا لگتا تھا لیکن درحقیقت اس کی عمر کچھ اتنی زیادہ نہیں تھی۔

ڈوئل کے تین بھائی بھی تھے۔ چاروں کے چاروں بھائی بدمعاش تھے لیکن ڈوئل سب سے بڑا بدمعاش تھا۔ وہ الکپون کو خاص طور پر اپنا حریف تصور کرتا تھا اور اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر اکثر کہا کرتا تھا۔ ”الکپون اگر مردوں کی طرح خالی ہاتھ آ کر کسی سڑک یا کسی میدان میں مجھ سے مقابلہ کرے تو میں اس کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دوں، اگر وہ کبھی میرے ہتھے چڑھ گیا تو میں اسے زندہ دفن کر دوں گا۔“

اس قسم کے اعلانات وہ اکثر کرتا رہتا تھا۔ اپنے بدمعاش بھائیوں کے سر پر بھی وہ کچھ زیادہ اکڑتا تھا تاہم اس کا اور الکپون کا کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا اور ڈوئل کو اپنے دعوے عملی طور پر سچ ثابت کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

درحقیقت ڈوئل کا بھی ناجائز شراب کا دھندہ تھا مگر بیچ میں وہ کچھ عرصے کیلئے جیل چلا گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کا کاروبار درہم برہم ہو گیا۔ وہ اس کا سب سے زیادہ ذمے دار الکپون کو سمجھتا تھا۔

وہ پیرول پر جیل سے رہا ہوا تو تمام تر ناموافق حالات کے باوجود اس نے دوبارہ اپنا دھندہ جمانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ جیل میں رہنے کے دوران اسکے بہت سے ایسے لوگوں سے تعلقات استوار ہوئے جو اسکی نظر میں ”کام“ کے آدمی تھے۔ ان میں سے بھی بعض پیرول پر رہا ہو چکے تھے، ڈوئل نے انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔

وہ جن سیلونز اور شراب خانوں میں اپنے نمائندوں کو شراب کی سپلائی کے معاملات طے کرنے کیلئے بھیجتا تھا، ان میں زیادہ تر جان ٹوریو اور الکپون کی شراب کے گاہک ہوتے تھے۔ ڈوئل کے آدمی دھونس اور دھمکی کے ذریعے انہیں اپنا سپلائر تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتے۔

جان ٹوریو کو پتہ چلا کہ ایک اور پارٹی مقابلے میں آ گئی ہے تو اس نے اپنی بیئر کی قیمت دس ڈالر فی بیرل کم کر دی۔ وہ پہلے کاروباری حربوں کے ذریعے ہی حریف کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

اسی دوران ڈوئل کا نمائندہ ایک بار میں پہنچا۔ اس کے مالک کا نام گیز تھا اور اس روز گیز خود بھی بار میں موجود تھا۔ وہ تقریباً چالیس کی عمر کا ایک مضبوط اور باڈی بلڈر ٹائپ آدمی تھا، وہ الکپون اور جان ٹوریو کا بہت ہی وفادار گاہک تھا۔ اب تو بیئر اسے دس ڈالر فی بیرل کی مزید رعایت سے بھی ملنے لگی تھی لیکن وہ اس قسم کا آدمی تھا کہ اگر اسے یہ رعایت نہ ملتی تب بھی وہ جان ٹوریو اور الکپون کی بھیجی ہوئی شراب ہی خریدتا۔

وہ اس وقت کاؤنٹر پر ایک طرف لاتعلق سے انداز میں کھڑا تھا۔ جب ڈوئل کا نمائندہ اندر آیا اور بارٹینڈر سے مذاکرات کرنے لگا، مذاکرات کیا تھے بس دھمکیاں ہی دھمکیاں تھیں۔ بارٹینڈر نے بے بسی سے گیز کی طرف دیکھا تو وہ آگے آیا۔

”میرے آدمی نے جب تمہیں بتا دیا ہے کہ ہم کسی اور سپلائر سے مال لیتے ہیں تو تم اسے اپنا مال بک کرانے پر کیوں مجبور کیے جا رہے ہو؟“ اس نے کافی تحمل سے ڈوئل کے نمائندے سے پوچھا۔

”اور جب ہم اسے بتا چکے ہیں کہ یہ اب اپنے پرانے سپلائر کو بھول جائے تو یہ ہماری بات کیوں نہیں سن رہا؟“ نمائندہ غرایا۔ ”تم نے ڈوئل کا نام تو سنا ہی ہوگا، آئندہ تمہیں ڈوئل ہی کا مال لینا ہوگا یا پھر کاروبار بند کر کے کوئی اور کام کرنے کے بارے میں سوچ لو۔“

”تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟“ گیز نے اب بھی رسان سے پوچھا۔

”ہاں۔“ نمائندے نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”اور ہماری دھمکی صرف دھمکی نہیں ہوتی، ہمیں اس پر عمل کرنا بھی آتا ہے۔“

تب گیز کاؤنٹر کے عقب سے نکل آیا۔ اس نے اچانک اور نہایت تیزی سے نمائندے کو دو گھونسے رسید کیے، اس کیلئے دو گھونسے ہی کافی تھے، نمائندہ وہیں چت ہو گیا۔ گیز نے اسے کسی بوری کی طرح دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور بار سے باہر لے جا کر پھینک دیا۔ نمائندے کے ساتھ چھلا دبلا بندر نما ایک شخص اور بھی تھا، وہ نمائندے کو گھونسے پڑتے دیکھ کر پہلے ہی باہر جا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو بچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ گیز ہاتھ جھاڑتا ہوا اندر واپس آ گیا اور دوبارہ کاؤنٹر کے عقب میں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

گیز ایک جرأت مند اور بے خوف آدمی تھا۔ اس نے ڈوئل کے بارے میں سن رکھا تھا اور اسے معلوم تھا کہ وہ کس طرح دھونس، دھمکی اور غنڈہ گردی کے ذریعے شراب کے کاروبار میں قدم جمانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ ان باتوں سے مرعوب نہیں ہوا تھا اور اس نے اپنی دانست میں ڈوئل کے نمائندوں کے ساتھ صحیح سلوک کیا تھا۔ اسے کسی حد تک یہ اطمینان بھی تھا کہ وہ جس طرح جان ٹوریو اور الکپون کا وفادار گاہک تھا، اسی طرح وہ دونوں بھی اسے اہمیت دیتے تھے اور انہوں نے اشاروں کنایوں میں اسے تسلی دے رکھی تھی کہ اگر وہ اچھے دوستوں کی طرح ثابت قدمی سے ان کے ساتھ چلے گا تو وہ اس کا پورا پورا خیال رکھیں گے اور اسے پولیس اور حریفوں کی چیرہ دستی سے بچائیں گے۔

گو کہ گیز کو ان تسلیوں کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک دلیر آدمی تھا اور وہی کرتا تھا جو اس کا دل کہتا تھا لیکن بہرحال جان ٹوریو اور الکپون جیسے آدمیوں کی طرف سے اس قسم کی تسلی نے اسکے حوصلے بڑھائے تھے اور اسے مزید بے خوف بنایا تھا۔

تاہم اس بیچارے کو معلوم نہیں تھا کہ اس کی یہ بے خوفی اسے کتنی مہنگی پڑنے والی تھی۔ ابھی اسے ڈوئل کے نمائندے کو بار سے باہر پھینکے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ چار آدمی گنیں لہراتے ہوئے بار میں داخل ہوئے اور انہوں نے آتے ہی گیز کے سر پر گنوں کے دستوں سے کئی وار کیے۔

اگر دست بہ دست لڑائی ہوتی تو شاید گیز چار آدمیوں کا بھی مقابلہ کرنے کی کوشش کرتا لیکن آنے والوں نے اسے اس کا موقع ہی نہیں دیا اور اس کی کھوپڑی بری طرح چٹخا دی، وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ لگتا یہی تھا کہ وہ مر چکا ہے۔

چاروں بدمعاشوں نے بارٹینڈر کو بھی نہیں بخشا۔ وہ بیچارہ ایک مسکین اور منحنی سا آدمی تھا۔ وہ ان کی سفاکانہ مار پیٹ کی تاب نہ لا سکا اور چند لمحوں میں ہی جان سے گزر گیا۔ ڈوئل کے چاروں بدمعاشوں نے قہقہے لگاتے ہوئے اور فاتحانہ انداز میں اکڑتے ہوئے دروازے کا رخ کیا۔ یہ چاروں بھی ڈوئل ہی کی طرح پیرول پر رہا ہونے والے پرانے جرائم پیشہ اور بدمعاش تھے۔

بار سے نکلتے وقت انہوں نے اپنی گنیں بھی جیبوں میں ٹھونس لی تھیں۔ اس وقت ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے باہر آتے ہی چار آدمیوں کو صف کی سی صورت میں سامنے کھڑے پایا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر انہیں گھور رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا لیکن اس سے بھی زیادہ خاص بات یہ تھی کہ ان چاروں کے ہاتھوں میں خوفناک ساخت کے ریوالور تھے جن کا رخ انہی کی طرف تھا۔

ڈوئل کے بدمعاشوں کو اپنے ریوالور دوبارہ جیبوں سے نکالنے کی مہلت نہیں ملی۔ دوسرے ہی لمحے فضا فائروں کے دھماکوں سے گونج اٹھی اور وہ چاروں آڑے ترچھے وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ان میں سے ایک کا تو آدھا چہرہ ہی اڑ گیا تھا۔ انہیں موقع پر ہی اپنے کیے کی سزا مل گئی تھی اور کچھ زیادہ ہی مل گئی تھی۔

وہ چاروں بندوق بردار چند لمحوں کے اندر اندر وہاں سے غائب ہو گئے۔ سڑک پر بھگدڑ مچ گئی تھی، جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگ لیا۔ خوانچے والے لمحوں میں غائب ہو گئے۔ ٹھیلوں والے اپنے ٹھیلے دھکیلتے ہوئے نہ جانے کہاں غائب ہو گئے۔ چار لاشوں سے بہتا ہوا خون سڑک کو سرخ کر رہا تھا، وہ ایک عبرتناک منظر تھا۔

ہوا دراصل یہ تھا کہ جب ڈوئل کے نمائندے آئے تھے اور گیز ان سے الجھ رہا تھا تو جان ٹوریو اور الکپون کا ایک آدمی گاہک کی حیثیت سے بار میں موجود تھا۔ اس نے جب گیز کے ہاتھوں ڈوئل کے نمائندے کی درگت بنتے دیکھی تھی تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے، اس نے باہر جا کر جلدی سے الکپون کو اس صورتحال سے مطلع کر دیا تھا۔

الکپون اپنے اور جان ٹوریو کے وفاداروں کو مشکل وقت میں تنہا چھوڑنے والا آدمی نہیں تھا۔ اس نے فوراً اپنے کارندے روانہ کر دیئے تھے اور انہیں ہدایت کر دی تھی کہ وہ ڈوئل کے آدمیوں کو کوئی بھی حرکت کرنے سے باز رکھیں اور اگر وہ کوئی کارروائی کر چکے ہوں تو انہیں اسی کی مناسبت سے سخت ترین سزا دیں۔ الکپون کے آدمی جب وہاں پہنچے تو انہیں یہی اندازہ ہوا کہ ڈوئل کے آدمیوں نے گیز اور اسکے بارٹینڈر کو بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے، انہوں نے انہیں سزا دینے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی۔

گیز بہرحال ایک سخت جان آدمی تھا۔ اس کی کھوپڑی جس طرح چٹخی تھی، اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید مر چکا ہوتا لیکن وہ اسپتال پہنچ کر موت کے منہ سے واپس آ گیا، اس کا بارٹینڈر البتہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

اس واقعے نے شہر میں سنسنی پھیلا دی۔ شراب کے دھندے اور حد بندی کے جھگڑے کے سلسلے میں ہونے والی یہ پہلی خونریزی تھی۔ حسبِ توقع اس واقعے کا بھی کوئی چشم دید گواہ میسر نہ آ سکا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ کون آیا، کہاں سے آیا، کس نے کس کو مارا...... بعض لوگوں نے یہ اعتراف ضرور کیا کہ انہوں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی لیکن انہیں نہیں معلوم کہ فائرنگ کس وجہ سے ہو رہی تھی اور کون کس پر فائرنگ کر رہا تھا۔

میئر نے اس سلسلے میں گویا سکھ کی سانس لیتے ہوئے پریس کو بیان دیا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ اس واقعے میں شریف شہری ہلاک نہیں ہوئے۔“ اس نے بے چارے بارٹینڈر کو بھی شریف شہریوں میں شمار نہیں کیا تھا۔

حریفوں اور دشمنوں کے معاملے میں قسمت جان ٹوریو اور الکپون پر مہربان تھی۔ ڈوئل کا دماغ تو اپنے چار بدمعاشوں کی اس انداز میں موت سے ہی کافی حد تک ٹھکانے پر آ گیا۔ جان ٹوریو اور الکپون کا ایک اور کاروباری حریف مورٹن بھی تھا۔ وہ برنین کا دوست بھی تھا۔ اس دوستی کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو اور بھی زیادہ طاقتور محسوس کرتا تھا۔

وہ بھی اکثر جان ٹوریو اور الکپون کو سبق سکھانے اور ان کا دماغ درست کرنے کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ الکپون کی خوش قسمتی تھی کہ اسے اس شخص سے ٹکرانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔

مورٹن کو گھڑ سواری کا بہت شوق تھا اور وہ خود کو بہت اچھا گھڑ سوار سمجھتا تھا۔ یہ محض اس کی خوش فہمی تھی۔ اس نے اپنا کوئی گھوڑا پالا ہوا نہیں تھا۔ جب اسے گھڑ سواری کا شوق چراتا تھا تو ایک اچھے اصطبل سے گھوڑا کرائے پر لے لیتا تھا اور کسی طرف نکل جاتا تھا۔ وہ غیر شادی شدہ تھا اور ایک عمدہ اپارٹمنٹ میں رہتا تھا، اس کا دوست برنین دو سال پہلے شادی کر چکا تھا۔

ایک روز مورٹن گھڑ سواری کیلئے گھوڑا لینے کی غرض سے اصطبل پہنچا۔ اس نے اپنے لئے عمدہ نسل کا سفید اور صحت مند گھوڑا پسند کیا، اصطبل کے منتظم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”سر......! یہ گھوڑا ابھی صحیح طرح سدھا ہوا نہیں ہے، ہو سکتا ہے یہ آپ کیلئے مسئلہ بنے، بہتر ہے کوئی دوسرا گھوڑا پسند کر لیں۔“

”نہیں......! مجھے یہی گھوڑا چاہئے۔“ مورٹن کے لہجے میں فوراً ہی ضد آ گئی۔

”سر......! یہ ابھی کچھ سرکش ہے...... ہفتے دس دن میں باہر لے جانے کے قابل ہو جائے گا۔“ منتظم نے ایک بار پھر اسے سمجھانے اور باز رکھنے کی کوشش کی۔ مورٹن جیسے لوگوں سے اسے مرعوب ہی رہنا پڑتا تھا، وہ انہیں زیادہ سختی سے کسی بات سے منع نہیں کر سکتا تھا۔

”تمہارا خیال ہے کہ میں سرکش گھوڑوں کو قابو میں کرنے کا اہل نہیں ہوں؟“ مورٹن نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

تب بے چارہ منتظم خاموش ہو گیا۔

مورٹن گھوڑا لے کر اصطبل سے باہر آیا اور اس پر سوار ہوا تو گھوڑا بری طرح ہنہنایا اور پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ مورٹن نے اسے قابو میں کرنے کی کوشش کی تو وہ اور بپھر گیا اسی کیفیت میں وہ سڑک پر گولی کی رفتار سے بھاگنے لگا۔

اب مورٹن کے حواس ذرا خراب ہوئے۔ اس نے سوچا کہ گرنے سے بچنے کیلئے اسے رکابوں میں پاؤں جما کر کھڑے ہو جانا چاہئے مگر اس کی بدقسمتی تھی کہ جونہی وہ کھڑا ہوا، اس کے وزن سے ایک طرف کی رکاب

ٹوٹ گئی۔

وہ گھوم کر سر کے بل اس طرح سڑک پر گرا کہ اس کا دوسرا پاؤں بدستور رکاب میں پھنسا ہوا تھا۔ گھوڑے کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی، وہ اسی طرح سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ آخرکار جب برنین کے آدمی مورٹن کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے تو وہ بہت بری حالت میں سڑک پر بے ہوش پڑا ہوا تھا۔

انہوں نے اسے اٹھا کر اسپتال پہنچایا مگر اسے ہوش نہ آیا، اسی بے ہوشی کی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ برنین کو ایک سچے دوست کی طرح اس کی موت کا بے حد افسوس ہوا، اس افسوس کا عملی اظہار اس نے یوں کیا کہ گھوڑے کو تلاش کر کے رسیوں سے بندھوایا اور پھر اسے ایک میدان میں لے جا کر گولی مار دی۔

واپس آ کر اس نے اصطبل کے مالک کو فون کیا اور کہا۔ ”میں نے تمہارے اس ذلیل گھوڑے کو سبق سکھا دیا ہے۔ اس کی لاش گراؤنڈ میں پڑی ہے، اگر اس کی زین کچھ قیمتی ہے اور تمہیں اس کی ضرورت ہے تو کسی آدمی کو بھیج کر اتروا لو۔“

یوں جان ٹوریو اور الکپون کو اپنے دوسرے دشمن اور کاروباری حریف سے خود بخود نجات مل گئی۔ ڈوئل کے چار آدمیوں کے قتل پر میئر ڈیور پولیس والوں پر خوب برہم ہوا۔ اس نے ایک پولیس آفیسر کو معطل بھی کر دیا اور ایک کا تبادلہ کر دیا۔

پریس کے سامنے اس نے دعویٰ کیا۔ ”ٹھیک ہے..... مرنے والے کوئی اچھے انسان نہیں تھے لیکن پولیس بہرحال دوسرے سب کام چھوڑ کر ان کے قاتلوں کو تلاش کرے گی اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک انہیں سزا نہیں مل جاتی۔“

شاید اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس نے پہلے پریس کے سامنے جو بیان دیا تھا، اس پر لے دے ہو سکتی تھی اسلئے اس نے جلدی سے دوسری پریس کانفرنس میں یہ بات کر دی تھی۔ اسے اندازہ تو تھا کہ یہ واردات جان ٹوریو اور الکپون کے گروہ کی تھی لیکن اسے ثابت کرنا بہت مشکل تھا۔ واردات کا انداز بتا رہا تھا کہ یہ غیر قانونی شراب کی فروخت کا شاخسانہ تھا۔

اس نے پوچھ گچھ کیلئے الکپون کو بلوا بھی لیا جبکہ جان ٹوریو خود ہی حاضر ہو گیا۔ واردات کے وقت جان ٹوریو تو شہر میں ہی نہیں تھا۔ الکپون نے بھی جائے وقوع سے اپنی غیر حاضری ثابت کر دی۔ اسکے ریوالور بھی چیک کیے گئے۔ اسکے پاس دو ریوالور تھے مگر اسکے پاس ان کے لائسنس بھی موجود تھے۔

ویسے تو جرائم پیشہ لوگوں کیلئے بھی ہتھیاروں کے لائسنس حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن اگر شکاگو میں کوئی دشواری پیش آتی تو قریبی شہر سیسرو جا کر لائسنس حاصل کیا جا سکتا تھا۔ الکپون کے پاس دونوں لائسنس سیسرو سے جاری شدہ تھے۔

سیسرو، شکاگو سے تقریباً چھ میل دور ایک الگ شہر تھا۔ وہ شکاگو جتنا بڑا تو نہیں تھا لیکن بہرحال ریاست الی نوائے کا پانچواں بڑا شہر تھا۔ وہ شہر خاص طور پر الکپون کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ اسے اس شہر میں بہت سی خوبیاں نظر آتی تھیں۔

سب سے اچھی بات تو یہ تھی کہ وہ شکاگو سے دور نہیں تھا مگر وہاں کے قوانین شکاگو سے بہت مختلف تھے۔ دوسرے وہاں کی انتظامیہ ڈھیلی اور کرپٹ تھی۔ وہاں سرکاری عہدیداروں کو آسانی سے خریدا جا سکتا تھا۔ شہر کی آبادی اچھی خاصی تھی۔ وہاں ناجائز شراب کی کھپت اور دیگر جرائم سے بھاری آمدنی ہو سکتی تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ فی الحال جرائم پیشہ افراد کی توجہ اس شہر کی طرف نہیں تھی۔ کسی بڑے گروہ نے وہاں قدم نہیں جمائے تھے۔

سب سے پہلے الکپون ہی کی نظر کرم اس شہر کی طرف گئی تھی اور اس نے وہاں پنجے گاڑنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ اس نے وہاں ایک ناکام اور متروک ہوٹل سستے داموں خرید لیا تھا اور اسے دوبارہ چلانے کے انتظامات کرنے لگا تھا۔ اسے اس طرح کی جگہوں کو چلانے کا خوب تجربہ ہو چکا تھا۔

ویسے بھی شکاگو میں ”اصلاح پسند“ میئر کی وجہ سے جان ٹوریو اور الکپون جیسے لوگوں کیلئے دشواریاں روز بروز بڑھ رہی تھیں۔ ایسے میں ایک متبادل اور مضبوط مرکز کا ہونا بہت ضروری تھا۔ شکاگو میں بھی ان کے کاروبار پر تو تھوڑا بہت اثر پڑا تھا لیکن باقی تمام پہلوؤں سے وہ اتنے مضبوط ہو چکے تھے کہ میئر ڈیور جیسے آدمی کیلئے بھی ان پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں رہا تھا۔

ڈوئل کے آدمیوں کے قتل کے کیس میں ان کا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ میئر ڈیور کے پریس کے سامنے دعوے محض دعوے ہی رہے۔ بڑے شہروں کی ہماہمی اور ہنگامہ خیز زندگی میں لوگ بہت جلد بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں گو کہ آج کے مقابلے میں وہ دور خاصا سست رفتار تھا اور آج کے بڑے شہروں کے مقابلے میں شکاگو کی آبادی کو بہت زیادہ نہیں کہا جا سکتا لیکن سب چیزیں بہرحال اپنے اپنے وقت کے پیمانوں سے ناپی جاتی ہیں۔ اپنے وقت کے اعتبار سے شکاگو بہت بڑا شہر اور وہاں کی زندگی بڑی ”طوفانی“ تھی۔

پولیس کو جان ٹوریو اور الکپون کو پوچھ گچھ کے بعد ایک گھنٹے کے اندر اندر ہی چھوڑنا پڑ گیا تھا۔ ڈوئل بھی سردست تو چپ ہو کر بیٹھ گیا تھا، ایسا لگتا تھا کہ وہ انتقام کی منصوبہ بندی کیلئے پہلے اس جھٹکے سے سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جان ٹوریو کی والدہ اور سوتیلے والد بروکلین میں رہتے تھے۔ انہی دنوں اس کی ماں نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ جان ٹوریو بروکلین پہنچا تو اس کی ماں نے بڑے جذباتی اور درد بھرے لہجے میں کہا۔ ”بیٹا! میں اور تمہارے پاپا اب بوڑھے ہو گئے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ ہم زندگی کے آخری دن اپنے آبائی وطن میں، اپنی سرزمین پر، اپنے گاؤں میں گزاریں اور ہمیں وہیں موت آئے کیا تم ہماری یہ خواہش پوری کر سکتے ہو؟“

جان ٹوریو جرائم پیشہ اور بدمعاش سہی لیکن والدین کیلئے وہ ہر ممکن حد تک سعادت مند تھا۔ اس نے فوراً ہامی بھر لی اور اپنے والدین کو سسلی لے جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس کام میں چند قانونی دشواریاں حائل تھیں لیکن اس نے رفتہ رفتہ سب کا حل نکال لیا۔ ان چکروں میں ڈھائی تین ماہ لگ گئے لیکن آخرکار وہ اپنے والدین کو لے کر سسلی روانہ ہو گیا۔

اپنے گاؤں پہنچ کر جان ٹوریو نے اپنے والدین کو ایک ولا خرید کر دیا اور ان کی خدمت کیلئے کئی نوکر رکھ دیئے۔ اس کے والدین بہت خوش تھے اور اسے دعائیں دیتے تھے۔ ان کے پرانے جاننے والے اور گاؤں کے دوسرے لوگ ان کے ٹھاٹ باٹ دیکھنے آتے اور حیران ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر رشک بھی کرتے کہ اللہ نے انہیں کیسا سعادت مند بیٹا دیا تھا جس نے امریکا جا کر خوب دولت بھی کمائی تھی، وہاں بھی اپنے والدین کو عیش و آرام سے رکھا تھا اور اب ان کی خواہش پر آخری عمر میں انہیں ان کے آبائی گاؤں لے آیا تھا اور یہاں بھی ان کیلئے دنیا کی ہر آسائش کا انتظام کر دیا تھا۔

گاؤں کے بیچارے سیدھے سادے لوگوں کو معلوم تھا اور نہ ہی انہیں یہ جاننے سے غرض تھی کہ جان ٹوریو نے امریکا میں دولت کیسے کمائی ہے، وہ تو بس حیرت اور رشک سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسکے اور اسکے والدین کے ٹھاٹ باٹ دیکھتے تھے۔

جان ٹوریو کا خود بھی گاؤں میں ایسا دل لگا کہ وہ کئی مہینوں تک وہیں پڑا رہا، اس کا واپس جانے کو جی نہ چاہا۔

اسکی عدم موجودگی میں الکپون نے سارا کاروبار اور سارے معاملات اس سے بھی زیادہ بہتر انداز میں سنبھالے۔ ویسے بھی اب وہ جان ٹوریو کا ففٹی ففٹی کا پارٹنر تھا اور اسے تمام فیصلے کرنے کا بھی اختیار حاصل تھا چنانچہ اب وہ ہر قدم ذرا سی بھی ہچکچاہٹ کے بغیر اٹھاتا تھا اور کاروبار کو خالصتاً اپنے انداز میں چلا رہا تھا۔ درحقیقت اب وہی مالک و مختار تھا، جان ٹوریو پس منظر میں چلا گیا تھا، اسے بس بیٹھے بٹھائے اپنا حصہ مل جاتا تھا، وہ اپنی اس پوزیشن پر خوش اور مطمئن تھا۔ درحقیقت وہ کافی حد تک آرام طلب ہو گیا تھا اور اپنے آپ کو زیادہ جھنجھٹوں میں ڈالنے سے بچائے رکھتا تھا۔ الکپون کی طرف سے اُسے اطمینان تھا کہ وہ اس کا حق اسے پہنچا رہا ہے، اس کے مفادات کی حفاظت کر رہا ہے اور کاروبار کو بہتر انداز میں چلا رہا ہے۔ اسے یقین تھا کہ تمام سلسلے اسی طرح خوش اسلوبی سے چلتے رہیں گے اور وہ اپنے دھندوں کی پریشانیوں میں الجھے بغیر زندگی سے لطف اندوز ہوتا رہے گا۔

اسکی عدم موجودگی میں الکپون نے سب سے اہم فیصلہ تو یہی کیا کہ اپنا ہیڈکوارٹر شکاگو سے سیسرو منتقل کرنے کے منصوبے پر سرگرمی سے کام شروع کر دیا۔ شکاگو میں بھی دھندے چل تو رہے تھے لیکن انہیں جاری رکھنے میں خاصی دشواریاں پیش آنے لگی تھیں۔ الکپون نے یہ امکان ذہن میں رکھا تھا کہ شکاگو میں ان پر مزید برا وقت بھی آ سکتا ہے اس نے اس کیلئے پیش بندی کر لی تھی۔ سیسرو میں انہیں کسی خاص کاروباری رقابت کا سامنا کرنے کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔

وہاں جوئے کے دھندے پر صرف ایک آدمی چھایا ہوا تھا۔ اس کا نام ووگل تھا، اس نے بھی جواخانے وغیرہ نہیں کھولے ہوئے تھے، وہ صرف سلاٹ مشینوں کے ذریعے جوا کھلاتا تھا، ان مشینوں میں سکہ ڈالا جاتا تھا تو وہ آن ہو جاتی تھیں۔ مختلف مشینوں میں مختلف طریقوں سے جوا کھیلا جاتا تھا۔

ووگل نے یہ مشینیں شہر کے شراب خانوں خاص خاص دکانوں اور سیلونز وغیرہ میں لگا رکھی تھیں، آمدنی کا ساٹھ فیصد وہ خود لیتا تھا اور چالیس فیصد اس جگہ کے مالک کو دیتا تھا جہاں مشین نصب ہوتی تھی۔ اس کا دھندہ بڑے ہموار انداز میں چل رہا تھا اور اسے اس سے بڑی اچھی آمدنی ہو رہی تھی۔

ایک طرح سے سیسرو میں ناجائز دھندہ کرنے والا وہی سب سے بڑا آدمی تھا۔ وہاں کی پولیس بلکہ پوری انتظامیہ ہی اسکی جیب میں تھی۔ اسے ایڈورڈ نامی ایک سابق باکسر کی بھی مدد حاصل تھی۔ وہ اس کا خاص کارندہ تھا، جہاں بدمعاشی کی ضرورت ہوتی تھی، وہاں ایڈورڈ آگے ہوتا تھا۔

ووگل سے الکپون کا کوئی ٹکراؤ نہیں تھا۔ کم از کم الکپون تو یہی سمجھتا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ووگل آدھا یورپین تھا اور وہ اطالویوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ خاص طور پر وہ الکپون کے ماضی اور حال سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اور جان ٹوریو فحاشی کے اڈے چلاتے رہے ہیں اور ابھی تک چلا رہے ہیں۔

ووگل خواہ خود بھی جوئے کی مشینوں کی کمائی کھا رہا تھا لیکن اس کی کچھ اخلاقیات تھیں۔ وہ اس طرح کی کمائی کھانے والوں کو بہت ہی برا اور ناقابل برداشت سمجھتا تھا۔ شاید اس بات میں اس کی کوششوں کا بھی کچھ دخل تھا کہ سیسرو میں فحاشی کا کوئی باقاعدہ اڈہ نہیں تھا اور ووگل کی خواہش تھی کہ یہ صورتحال اسی طرح رہے۔

الکپون نے سیسرو میں قدم جمانے کا فیصلہ کیا تو اس نے سب سے پہلے وہاں ایک کام شروع کر دیا جو اس کے خیال میں سب سے جلدی چل پڑتا تھا۔ اس نے جو ہوٹل خریدا تھا، وہ تو ابھی توڑ پھوڑ اور نئے سرے سے تزئین و آرائش کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اسی دوران اس نے ایک ایک کمرے کے اپارٹمنٹس پر مشتمل چھوٹی سی ایک بلڈنگ خریدی اور چھ بری عورتوں کو اس میں منتقل کر دیا۔ ان دنوں شکاگو میں ان کا ہر دھندہ بہت ٹھنڈا تھا۔

ان کے شکاگو والے نائٹ کلب ”فور ڈیوسز“ میں لال بالوں والی ایک ”میڈم“ بیٹھا کرتی تھی۔ وہ فحاشی کے اڈے چلانے میں بڑی ماہر تھی۔ الکپون نے سیسرو میں نیا اڈہ چلانے کیلئے اسے ہی بھیجا لیکن بیچاری اس میڈم کو وہاں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ہی نہیں ملا، پولیس نے پہلی ہی رات اس اڈے کو بند کر دیا۔

الکپون پولیس کی اس مستعدی پر حیران رہ گیا تاہم اس نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک معروف چوراہے پر ایک دکان کھلوائی۔ اس کا ارادہ اس دکان کی آڑ میں شراب کا دھندہ شروع کرنے کا تھا لیکن اس وقت اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب دوسرے ہی دن پولیس نے اس بے ضرر سی دکان کو بھی بند کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ دکان میں جو کوئی بھی موجود تھا، پولیس نے اسے بھی حراست میں لے لیا۔

الکپون کو یہ پتہ چلانے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہ سب کچھ ووگل کے اشارے پر ہو رہا تھا۔ ووگل یہ بھول گیا تھا کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ سیسرو اپنی جگہ ایک شہر ضرور تھا لیکن قانونی طور پر وہ ایک کاؤنٹی کی عملداری میں آتا تھا جس کا نام کک تھا، چنانچہ کک کاؤنٹی کا شیرف ہی سیسرو کا سب سے بڑا حاکم تھا اور شیرف...... الکپون کی جیب میں تھا مگر یہ بات بے چارے ووگل کو معلوم نہیں تھی۔

شیرف کا نام ہوف مین تھا۔ ووگل کی جوئے کی مشینوں کو ہٹانا شیرف ہوف مین کی ذمے داری تھی لیکن اس نے انہیں نظرانداز کر رکھا تھا۔ اس نے کسی ذاتی غرض اور لالچ کے بغیر ووگل کو اس معاملے میں ڈھیل دے رکھی تھی لیکن جان ٹوریو اور الکپون کا وہ بہرحال ”نمک خوار“ تھا۔

جب ان دونوں کی طرف سے اس پر دباؤ پڑا تو اسے حرکت میں آنا پڑا۔ اسے ووگل کی جوئے کی مشینوں کو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو کسی خوف اور اندیشے کے بغیر گویا سرعام لگی ہوئی تھیں۔ شیرف نے وہ سب کی سب اٹھوا لیں یوں گویا ووگل کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ بند ہو گیا۔

اس ”آپریشن“ میں جو پیغام پنہاں تھا، اسے سمجھنا ووگل کیلئے مشکل نہیں تھا۔ جان ٹوریو اور الکپون نے گویا اس پر واضح کر دیا تھا کہ اگر وہ سیسرو میں ”کاروبار“ نہیں کر سکتے تو پھر کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

ووگل نے گھٹنے ٹیکنے میں دیر نہیں لگائی اور جلد ہی صلح کا جھنڈا بلند کر دیا۔ اس نے کچھ لوگوں کو بیچ میں ڈالا کہ جان ٹوریو اور الکپون سے اس کی صلح کرائی جائے۔ جان ٹوریو تو چونکہ سسلی میں تھا اور اس کی غیر موجودگی میں تمام اختیارات الکپون کے پاس ہی تھے اس لئے ووگل کو اسی کی خدمت میں حاضر ہونا پڑا۔

وہ اکیلا ہی الکپون کے سامنے نہیں گیا۔ شکاگو کا ڈوئل بھی اسکے ساتھ گیا جس کے چار آدمی الکپون نے ایک ساتھ ہی صاف کرا دیے تھے، اسے بھی گویا سبق مل چکا تھا، وہ بھی صلح کا خواہشمند تھا۔

الکپون نے انہیں ذلیل نہیں کیا اور اپنے سامنے زیادہ جھکانے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے آسانی سے انہیں معاف کر دیا۔ اس کے خیال میں یہی کافی تھا کہ ان کا دماغ جلد ٹھکانے پر آ گیا تھا۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ ووگل اور ڈوئل دونوں ہی الکپون کے تقریباً ساتھی شمار ہونے لگے۔ ڈوئل کا ایک بھائی تو باقاعدہ الکپون کیلئے کام کرنے لگا۔

جان ٹوریو طویل عرصے سسلی میں ہی رہا، اس نے اپنے والدین کیلئے چند نوکر رکھ لئے تھے اور خود اپنے لئے اس نے اٹلی اور سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں دس لاکھ ڈالر محفوظ کر دیئے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ اس جیسے لوگوں پر برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔ اس نے یہ جمع پونجی برے وقت کیلئے رکھ دی تھی۔

اس کی غیر موجودگی میں الکپون نے سارے ”کاروبار“ نہ صرف عمدگی سے چلائے بلکہ انہیں خوب وسعت دی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے انداز و اطوار میں بردباری آتی جا رہی تھی، اب وہ بات بات پر اشتعال میں نہیں آتا تھا۔ اس نے مخالف گروہوں سے بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھنا چھوڑ دیا تھا، جب کوئی بہت ہی زیادہ جان کو آ جاتا تھا تو پھر وہ اسے سبق سکھانے کا بندوبست کرتا تھا تاہم کبھی کبھی چھوٹی موٹی باتوں پر بھی اس کا روایتی غصہ ابل پڑتا تھا۔

اس زمانے کے بیشتر بدمعاشوں کی طرح الکپون بھی پبلسٹی سے گھبراتا تھا۔ اسے بالکل شوق نہیں تھا کہ اخباروں میں اس کی تصویریں چھپیں۔ اس ضمن میں بدمعاشوں کا ایک نظریہ یہ بھی ہوتا تھا کہ مختلف موقعوں پر مختلف زاویوں سے کھنچی ہوئی تصویریں انسان کی شناخت کا بڑا ذریعہ بن سکتی ہیں اور ان جیسے لوگوں کی شناخت جتنی بھی مبہم اور غیر واضح رہے، اتنا ہی بہتر ہے۔

کافی عرصے تک الکپون نے بھی یہی نظریہ اپنائے رکھا۔ اگر کبھی کسی اخبار کا فوٹوگرافر کسی ایسی جگہ اس کی تصویر کھینچنے کی کوشش کرتا جہاں دوسرے لوگ بھی موجود ہوتے تھے تو وہ اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیتا تھا اور اگر کوئی فوٹوگرافر اکیلے میں اس کی تصویر کھینچنے کی کوشش کرتا تھا تو اسے وہ دو چار تھپڑ رسید کرتا تھا۔

ایک فوٹوگرافر نے بہت بعد میں 1923ء کے زمانے کا ایک واقعہ اپنے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے بتایا: ”کسی مسئلے پر پوچھ گچھ کیلئے کسی طرح پولیس نے الکپون کو ہیڈکوارٹرز بلایا تھا جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ الکپون کئی فوٹوگرافرز کو تھپڑوں اور گھونسوں سے مار رہا تھا اور پولیس ایک طرف کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔ پتہ چلا کہ فوٹوگرافرز نے کچھ اس حالت میں اس کی تصویریں کھینچنے کی کوشش کی تھی جس سے ظاہر ہوتا جیسے وہ پولیس کی حراست میں ہے اور اس کیلئے انہوں نے کسی سے پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی بس اس پر الکپون تو آپے سے باہر ہو گیا، میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میں ذرا دیر سے وہاں پہنچا تھا اس لئے مار کھانے والوں میں شامل ہونے سے بچ گیا۔ پولیس والے چونکہ دل ہی دل میں تو پریس فوٹوگرافرز سے ناخوش ہی رہتے ہیں اس لئے وہ بھی مداخلت کی زحمت نہیں کر رہے تھے بلکہ شاید وہ اندر ہی اندر خوش ہو رہے ہوں۔ درحقیقت وہ اگر کبھی کبھار الکپون جیسے لوگوں کو رسمی سی پوچھ گچھ کیلئے بلا بھی لیتے تھے تو یہ بھی پریس ہی کے دباؤ کا نتیجہ ہوتا تھا ورنہ ان میں سے اکثر تو الکپون جیسے لوگوں کے ہاتھوں بکے ہوئے ہوتے تھے۔“

بعد میں تو خیر الکپون اتنی نمایاں شخصیت بن گیا کہ شناخت وغیرہ کے مسائل اس کیلئے بے معنی ہو گئے۔ اسی زمانے میں ایک روزنامے ”ہیرالڈ“ کے ایڈیٹر نے اسے سمجھایا۔ ”تم صحافیوں اور پریس فوٹوگرافرز کے ساتھ بدسلوکی نہ کیا کرو، اب تم اس مقام پر ہو کہ تصویریں اور خبریں چھپنے سے تمہیں نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی پہنچے گا۔ یہ درست ہے کہ تمہاری تصویر یا خبر کسی اچھے حوالے سے نہیں چھپے گی لیکن رسوائی بھی درحقیقت ایک طرح کی شہرت ہی ہوتی ہے اور شہرت کی بہرحال اپنی ایک طاقت ہے۔ پریس میں جتنا زیادہ تمہارا ذکر آئیگا، تمہاری طاقت میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔“

لگتا ہے یہ بات الکپون کی سمجھ میں آ گئی کیونکہ اس کے بعد اس نے فوٹوگرافرز سے منہ چھپانا اور ان کے ساتھ مار پیٹ کرنا ترک کر دیا بلکہ پھر تو اس کا معاملہ بالکل ہی الٹ ہو گیا۔ پریس کے ساتھ اس کے دیگر تمام بدمعاشوں کی نسبت زیادہ خوشگوار تعلقات استوار ہو گئے، پریس والوں کیلئے اس سے ملنا سب سے زیادہ آسان ہو گیا، وہ جب چاہتے اس سے رابطہ کر سکتے تھے، وہ انہیں اہمیت دینے لگا۔ یوں رفتہ رفتہ پریس والوں کے دل میں بھی اس کیلئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا اور وہ کسی حد تک اسے پسند بھی کرنے لگے۔ رویے کی اس تبدیلی نے بھی اس کی شہرت کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

تاہم ان تبدیلیوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ الکپون کچھ زیادہ نرم دل، شائستہ یا مہذب ہو گیا تھا۔ جوں جوں وہ ظاہری طور پر مضبوط ہو رہا تھا اور اس کی دولت میں اضافہ ہو رہا تھا، اسکے اندر کا بدمعاش بھی بتدریج بڑا ہو رہا تھا۔ اس کے انداز و اطوار میں زیادہ بے خوفی آ رہی تھی، اس کا ایک ثبوت ”فاریسٹ ویو“ والے واقعے سے بھی ملتا ہے۔

”فاریسٹ ویو“ دراصل شکاگو اور سیسرو کے درمیان نئی آباد کی گئی ایک ٹاؤن شپ یا ہاؤسنگ اسکیم تھی۔ اس کا پس منظر کچھ یوں تھا کہ پہلی جنگ عظیم میں نمایاں خدمات انجام دینے والے ایک ریٹائرڈ فوجی آفیسر کو بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ شکاگو کے مضافات میں دیہی طرز کی ایک ایسی بستی بسائی جائے جہاں مکان، اپارٹمنٹ یا دیگر جگہیں سابق فوجیوں کو ترجیحی بنیادوں پر دی جائیں تاکہ وہ گنجان آباد شہر سے ذرا ہٹ کر پرسکون اور پرفضا مقام پر اپنی بیوی، بچوں یا پوتے، پوتیوں اور نواسے، نواسیوں کے ساتھ رہ سکیں۔ سابق فوجیوں کو دینے کے بعد جو جگہیں اور پلاٹ وغیرہ بچ جائیں، وہ عام شہریوں کو دیئے جائیں۔

شکاگو سے ڈیڑھ دو میل دور اس کی اپنی بھی چند ایکڑ زمین تھی جس پر بیکار سے فارم بنے ہوئے تھے جن سے کوئی خاص آمدنی نہیں تھی۔ اس نے پہلے پہل اپنی اسی زمین سے ہاؤسنگ اسکیم کا آغاز کرنے کیلئے دوڑ دھوپ شروع کر دی، بعد میں اس کے ساتھ کچھ اور سابق فوجی بھی شامل ہو گئے۔

کافی تیزی سے ان کے کام ہوتے چلے گئے اور ”فاریسٹ ویو“ کے نام سے ایک نئی نواحی ہاؤسنگ اسکیم آباد ہوتی چلی گئی۔ جس سابق فوجی کے خواب کی یہ تعبیر تھی، اس کا نام نوزک تھا، اب وہی اس کا کرتا دھرتا تھا، وہ نئی آباد ہونے والی اس گاؤں نما اسکیم کا پولیس مجسٹریٹ بن گیا۔

اس کا بھائی اس اسکیم کا پریذیڈنٹ بن گیا۔ وہاں کے پولیس چیف کے طور پر انہوں نے ڈلن نامی ایک شخص کا تقرر کر دیا۔ ڈلن کا بھی اپنے بارے میں یہی کہنا تھا کہ وہ سابق فوجی ہے لیکن اس کے بارے میں یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ درحقیقت وہ کوئی سزا یافتہ سابق قیدی تھا جس کی کچھ سزا ایک سابق گورنر نے معاف کر دی تھی۔

جلد ہی ڈلن نے نوزک کو بتایا کہ رالف اور الکپون نامی دو بھائیوں نے تجویز دی ہے کہ وہ ”فاریسٹ ویو“ میں ایک ہوٹل تعمیر کرنا چاہتے ہیں، انہیں اس کی اجازت دی جائے۔ نوزک یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ ظاہر ہے ایک اچھے ہوٹل کی تعمیر سے اس کی نوآبادبستی کو کچھ اور ترقی ملتی۔

بعد میں اس موضوع پر بات کرتے ہوئے نوزک نے بتایا۔ ”مجھے پتہ نہیں تھا کہ رالف اور الکپون کس قسم کے لوگ ہیں۔ میں نے خوشی خوشی متعلقہ لوگوں کو ہدایت کر دی کہ ہوٹل کا منصوبہ لے کر آنے والوں کو ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جائیں لیکن مزید چند دن بعد جب میرے پاس رالف اور الکپون کے بارے میں معلومات جمع ہو گئیں تو میرے ہوش اڑ گئے۔“

(جاری ہے)

نوزک نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”جب مجھے ذرا تفصیل سے معلوم ہوا کہ رالف اور الکپون کس قسم کے آدمی ہیں تو یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ ہماری بسائی ہوئی اس نئی بستی میں ہوٹل کیوں تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

میں چشم تصور سے دیکھ سکتا تھا کہ اگر وہ یہاں ہوٹل تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کا مصرف کیا ہوگا اور اسکی وجہ سے یہاں کیا کچھ ہوگا۔ چنانچہ میں نے ڈلن سے کہا کہ وہ ان بدمعاشوں اور ان کے ساتھیوں کو فاریسٹ ویو سے نکال باہر کرے۔“

نوزک کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ رالف اور الکپون کس قسم کے آدمی ہیں لیکن اس نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کی کہ ان کی مخالفت کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔

دوسرے روز ایک شخص لات مار کر اسکے آفس کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں گویا آگ برسا رہی تھیں۔

”تمہیں معلوم ہے میں کون ہوں؟“ اجنبی نے پھنکارنے کے سے انداز میں پوچھا۔ وہ نوزک کی میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر خطرناک انداز میں اس کی طرف جھکا ہوا تھا۔

”نہیں.....“ نوزک نے نفی میں سر ہلایا۔ ”لیکن میں تمہیں جاننے سے پہلے یہ جاننا چاہوں گا کہ تم ایسے بے ہودہ انداز میں میرے آفس میں کیوں داخل ہوئے ہو؟“

اس مضبوط اور دراز قد آدمی نے ادھیڑ عمر نوزک کو گریبان سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اس کی کرسی سے اٹھا لیا اور تقریباً اس کی ناک سے ناک ملا کر بدستور پھنکارنے کے سے انداز میں بولا۔ ”میرا نام رالف ہے۔ میں الکپون کا بھائی ہوں۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم نے ہمیں یہاں ہوٹل کی تعمیر کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ہم یہاں زمین بھی خرید چکے ہیں۔ نقشہ بھی منظور کرا چکے ہیں۔ یعنی ایک موٹی رقم انویسٹ کر چکے ہیں؟ تمہارا خیال ہے ہم یہ رقم ڈوبنے دیں گے؟ تم ہوتے کون ہو ہمیں روکنے والے؟“

نوزک کا دم گھٹ رہا تھا اور وہ کوئی جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد رالف نے اسے واپس کرسی پر پٹختے ہوئے کہا۔ ”ہوٹل یہاں ضرور تعمیر ہوگا۔ تم ہمارا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ میں تمہیں علاقے کے سب سے بڑے گٹر میں پھینک دوں گا۔“

رالف کی یہ بے خوفی اور غنڈہ گردی دیکھ کر بھی نوزک ان کی طاقت کے بارے میں اندازہ لگانے سے قاصر رہا۔ اسے سخت غصہ آیا اور اس نے متعلقہ لوگوں کو ہوٹل کے لئے زمین کی فروخت اور نقشہ منسوخ کرنے کا حکم دیا۔ ابھی شاید کوئی اس کے حکم پر عملدرآمد کے لئے قلم بھی اٹھا نہیں پایا تھا کہ دوسرے روز صبح کے چار بجے، یعنی منہ اندھیرے دو بھاری بھرکم مسلح آدمی نوزک کے گھر میں گھس آئے۔

وہ اسے بستر سے نکال کر گھسیٹتے ہوئے ٹاؤن ہال لے گئے جو قریب ہی واقع تھا۔ وہاں سات مسلح آدمی اور موجود تھے۔ انہوں نے نوزک کو دیکھتے ہی بندوقوں کے دستوں سے مارنا شروع کر دیا۔ کچھ ضربیں اسکے سر پر بھی لگیں۔ وہ گھٹنوں کے بل فرش پر گر گیا اور گڑگڑانے لگا۔ وہ ان بے رحم لوگوں سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔

بعد میں اس نے کچھ لوگوں سے بات کرتے ہوئے اعتراف کیا۔ ”مجھے یہ تسلیم کرنے میں عار نہیں کہ میں بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ لوگ مجھے جان سے مار دیں گے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں دل میں بھی دعا کر رہا تھا کہ میری جان بچ جائے اور میں نے ان خبیثوں سے بھی زندگی کی بھیک مانگی۔“

بدمعاشوں نے اس کی جان بخشی اس شرط پر کی تھی کہ وہ فوری طور پر اس بستی سے نکل جائے جس کی بنیاد اس نے خود رکھی تھی۔ نوزک نے یہ شرط مان لی تھی۔ یہ بھی ایک ستم ظریفی تھی کہ جس نے بستی بسائی تھی اسے خود اس بستی سے اجڑنا پڑا۔

الکپون کے گروہ نے ایک ایک کر کے تقریباً تیس آدمیوں کو مزید وہاں سے نکال باہر کیا جن کے بارے میں انہیں اندیشہ تھا کہ وہ ان کے راستے میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ اسکے بعد انہوں نے وہاں مضافاتی علاقوں کا سب سے بڑا ہوٹل ”سیمل اِن“ تعمیر کرایا۔

یہ ہوٹل کیا، بس ہر طرح کے ناجائز دھندوں کا بہت بڑا اڈہ تھا۔ فاریسٹ ویو رفتہ رفتہ عام لوگوں میں ”الکپون ویل“ یعنی الکپون کی مضافاتی بستی کے نام سے جانا جانے لگا۔ یہ نام اسے وہاں کے اخبار ”ٹریبون“ نے دیا تھا۔ بعد میں دوسرے اخبار بھی اس ٹاؤن کے لئے یہی نام استعمال کرنے لگے۔

اخبارات نے یہ نام طنزیہ طور پر رکھا تھا۔ ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ فاریسٹ ویو میں تو بس الکپون کی بادشاہت ہے۔ الکپون اس طنز کا برا نہیں مناتا تھا۔ اس نے واقعی وہاں اپنی بادشاہت قائم کر لی تھی اور یہ بادشاہت اس نے لوگوں کو دہشت زدہ کر کے قائم کی تھی۔ لوگ اس سے نفرت کرتے تھے مگر الکپون کو اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اس احساس سے لطف اندوز ہوتا تھا کہ لوگ اس سے نفرت کرتے تھے لیکن اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔

سیمرو کا معاملہ دوسرا تھا۔ وہاں کی صورتحال کافی مختلف تھی۔ وہاں بھی الکپون کی گرفت مضبوط تھی اور اسے اس شہر پر کنٹرول حاصل ہو چکا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں بھی سختی اور دہشت گردی کا مظاہرہ کرتا تھا لیکن درحقیقت اس نے مختلف محکموں کے افسروں کو خرید کر شہر پر اپنی گرفت مضبوط کی تھی۔ اس کی آمد سے پہلے جو افسر اور اہلکار کرپٹ اور بدعنوان نہیں تھے، اس نے انہیں بھی اس راہ پر لگا دیا تھا۔ انہیں بھی مال مفت کی چاٹ لگ گئی تھی اور وہ الکپون کے اشاروں پر ناچنے لگے تھے۔

تاہم وہاں الکپون نے اپنی عزت بنانے پر بھی توجہ دی تھی۔ جس حد تک بھی ممکن ہو سکا تھا، اس نے شرفاء اور معززین سے رابطے اور مراسم استوار کئے تھے۔ وہ فلاحی کاموں کیلئے چندے اور عطیات بھی دیتا تھا۔ بعض اوقات غریبوں، کمزوروں اور مظلوموں کی ہر ممکن مدد بھی کرتا تھا۔ یوں بہت سے لوگوں کی نظر میں وہ جرائم پیشہ، دہشت گرد اور بدمعاش نہیں بلکہ ہیرو تھا۔

اس نے سیمرو میں جو تین منزلہ اور خاصا بڑا ہوٹل بند حالت میں خریدا تھا، وہ بھی مرمت، آرائش اور بہت سے اضافوں کے بعد کھول دیا گیا تھا اور خوب چل رہا تھا۔ اس کی آڑ میں الکپون کے سب دھندے بھی خوب چل رہے تھے۔

الکپون نے اب اپنا ہیڈ کوارٹر بھی اسی ہوٹل کی ایک منزل پر بنا لیا۔ وہ اس منزل پر آنے والوں کو پہلے پچیس فٹ لمبی ایک راہداری سے گزرنا پڑتا تھا جس میں بہ ظاہر مختلف کاموں کے لئے کچھ لوگ میز کرسیاں وغیرہ لگا کر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بیٹھے تھے۔ کوئی مہمانوں سے ہیٹ وغیرہ لے کر سنبھالتا تھا۔ کوئی سگاروں کے ڈبے وغیرہ ایک اسٹینڈ پر سجائے بیٹھا تھا لیکن درحقیقت یہ سب الکپون کے تعینات کئے ہوئے گارڈ تھے جو ہر آنے والے ملاقاتی اور مہمان پر گہری نظر رکھتے تھے۔ پچیس فٹ لمبی اس راہداری سے گزرنے والے کا گویا مکمل ایکسرے ہو جاتا تھا۔

1924ء میں یہ ہوٹل نئے سرے سے آباد ہوا اور اسکے بعد جلد ہی آس پاس الکپون کے دوسرے اڈے کھلنے لگے۔ سب سے پہلے ہوٹل کے قریب ہی جوئے کا ایک اڈہ کھلا۔ بظاہر یہ سگاروں کی دکان تھی اور ”اسموک شاپ“ کہلاتی تھی۔

جوئے کا دوسرا اڈہ ”سب وے“ کے نام سے اور تیسرا ”ریڈیو“ کے نام سے کھلا۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے اس ایک شاہراہ پر ہی الکپون کے، جوئے کے چھ اڈے قائم ہو گئے۔ بہ ظاہر ان سب میں کوئی اور کاروبار ہوتا تھا۔ دکھاوے کے لئے پولیس کبھی کبھار ان میں سے کسی ایک اڈے پر چھاپہ مار دیتی تھی۔ آخر اسے بھی عوام اور پریس کے سامنے اپنی کچھ کارکردگی دکھانی ہوتی تھی۔ دو چار دن بعد وہ اڈہ دوبارہ کھل جاتا تھا۔ بتدریج ان کی تعداد میں اضافہ بھی ہوتا گیا۔

ہر اڈے کے مالک صرف جان ٹوریو اور الکپون ہی نہیں تھے، بعض اڈوں کی ملکیت میں انہوں نے دوسروں کو بھی شریک کر لیا۔ ان میں سے ایک میں ان کا پارٹنر برنین بھی تھا جو کبھی ان کا کاروباری حریف اور دشمن ہوا کرتا تھا۔ ان کا وہ اڈہ بڑی وسعت اختیار کر گیا۔ شاید وہ شہر کا ہی نہیں، بلکہ اس وقت ملک کا بھی سب سے بڑا جوئے کا اڈہ تھا۔ اس میں بعض اوقات جوئے کی میزوں پر ایک لاکھ ڈالر بکھرے ہوتے تھے۔

خود سرکاری افسروں کا اندازہ تھا کہ جان ٹوریو اور الکپون کو ان اڈوں سے کم از کم تین لاکھ ڈالر ماہانہ آمدنی ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ دوسروں کے اڈوں سے بھی پچاس فیصد آمدنی وصول کر رہے تھے۔ آمدنی کے اندازے کیلئے انہوں نے دوسروں کے اڈوں پر اپنا ایک ایک آدمی بھی تعینات کیا ہوا تھا۔

دوسروں کی آمدنی میں وہ جو حصے دار بنے ہوئے تھے تو یہ بھتہ خوری نہیں تھی۔ یہ درحقیقت وہ ان لوگوں کو تحفظ فراہم کرنے کا معاوضہ لے رہے تھے۔ جان ٹوریو اور الکپون ہی درحقیقت انہیں پولیس، دوسرے محکموں اور ”غیر متعلقہ“ بدمعاشوں سے بچاتے تھے کیونکہ سیمرو شہر کی انتظامیہ ان کی جیب میں تھی۔

جب کسی شہر میں کرپشن اور بدعنوانی حد سے زیادہ ہونے لگتی ہے تو پھر اصلاح کا شور بھی بلند ہوتا ہے۔ پہلے دبی دبی آوازیں اٹھتی ہیں کہ اصلاح احوال ہونی چاہئے۔ پھر غلغلہ سا بلند ہوتا ہے۔ انتخابات ہی کے موقع پر عوام کو یہ امید نظر آتی ہے کہ اگر وہ اچھی شہرت کے حامل اور دیانتدار لوگوں کو مختلف عہدوں کیلئے منتخب کر لیں تو شاید انہیں جرائم اور خوف و ہراس کی فضا سے نجات مل جائے۔

چنانچہ کاؤنٹی کے مختلف عہدوں کے لئے جب 1924ء کے الیکشن ہونے لگے تو چند دیانتدار اور باکردار لوگ بھی ہمت کر کے میدان میں اترے۔ لوگ انہیں سپورٹ کر رہے تھے۔ الکپون کی زمانہ شناس نگاہوں نے دیکھ لیا کہ اگر وہ لوگ انتخابات میں کامیاب ہو کر آ گئے تو اس کے دھندے ٹھپ ہو جائیں گے۔

یہ صرف اسی کا نہیں بلکہ اس جیسے دوسرے لوگوں کی بقاء کا بھی مسئلہ تھا لیکن صرف الکپون نے یہ محسوس کیا کہ اگر وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو ان کا تختہ الٹ جائے گا۔ اس نے یہ بات برنین اور ڈوئل جیسے بدمعاشوں کو بھی سمجھائی۔ وہ اس کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیلئے فوراً تیار ہو گئے۔ ویسے بھی اب وہ اس کے پارٹنر تھے۔

چنانچہ الیکشن والے دن صورت حال یہ تھی کہ مسلح آدمیوں سے بھری ہوئی بارہ بڑی گاڑیاں گلی کوچوں میں گشت کر رہی تھیں۔ زیادہ تر ووٹرز کو ڈرا دھمکا کر بھگا دیا گیا تھا۔ باقی کو پکڑ کر اندر لے جا کر ان سے اپنے من پسند امیدواروں کے ناموں پر مہریں لگوائی جا رہی تھیں۔ میئر کے عہدے کیلئے کھڑا ہونے والا اصلاح پسند امیدوار اغوا ہو چکا تھا اور اس کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔

جب الیکشن ختم ہو گیا تو وہ بے چارہ ہانپتا کانپتا واپس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ کچھ مسلح افراد اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر نہ جانے کہاں لے گئے تھے۔ وہاں اسے بند کر دیا گیا اور پھر اسی طرح نہ جانے کون لوگ شام کو اسے واپس چھوڑ گئے..... بلکہ چھوڑ کیا گئے، ایک سڑک پر پھینک گئے۔

اس طرح وہی لوگ منتخب ہو گئے جو پہلے سے ان عہدوں پر موجود تھے اور الکپون جیسے لوگوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ تاہم ایسا نہیں تھا کہ الیکشن کے دوران ہونے والی دھاندلی کو روکنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ شہریوں کی طرف سے شکایات کاؤنٹی جج تک پہنچیں۔ جج نے شکاگو کے میئر ڈیور سے مشورہ کیا۔ قانونی طور پر میئر ڈیور، سیمرو کے معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا تھا لیکن اس نے اسپیشل ایجنٹس کے طور پر کچھ پولیس والے سادہ لباس اور سادہ گاڑیوں میں اس صورتحال کو کنٹرول کرنے کے لئے بھیجے کیونکہ مقامی پولیس نے اگر مسلح افراد کو روکنے کی کوشش کی تھی تو انہوں نے پولیس والوں کو بھی مار مار کر لٹا دیا تھا۔

سادہ گاڑیوں میں آنے والے پولیس والوں کا سامنا مسلح افراد کی ایک ٹولی سے ہوا جس کی قیادت الکپون کا بڑا بھائی فرینک کر رہا تھا۔ ان میں تصادم ہو گیا اور فرینک مارا گیا۔ بعد میں ہونے والی تحقیقات میں پولیس نے دعویٰ کیا کہ فرینک نے فائر کرنے میں پہل کی تھی۔ اس نے فرینک کی گن بھی پیش کی جس میں تین گولیاں کم تھیں۔

اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ گولیاں خود سادہ لباس والے پولیس کے آدمیوں نے کم کی تھیں یا سچ مچ فرینک نے گولی چلانے میں پہل کی تھی۔ عین ممکن ہے یہ جعلی ”پولیس مقابلہ“ رہا ہو اور یہ امکان بھی تھا کہ فرینک نے اجنبی مسلح آدمیوں کو سادہ لباس اور سادہ گاڑی میں دیکھ کر، دشمن سمجھ کر سچ مچ گولی چلانے میں پہل کر دی ہو۔

جب یہ واقعہ رونما ہوا، شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ جب فرینک سینے پر گولی کھا کر گرا تو باقی لوگ فائرنگ کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور شام کے ملگجے اندھیرے میں ادھر ادھر غائب ہو گئے۔ ایک افواہ یہ بھی سننے میں آئی کہ ان لوگوں میں خود الکپون بھی شامل تھا تاہم بعد میں اس افواہ کی تردید ہو گئی۔

اطالویوں کے رواج کے مطابق الکپون نے فرینک کی تدفین تک شیو نہیں بنایا۔ فرینک کی قبر پر بیس ہزار ڈالر کے پھول ڈالے گئے جو برنین کی پھولوں کی دکان سے آئے تھے۔ برنین یوں تو دوسرے دھندوں میں الکپون کا پارٹنر تھا اور گروہ میں شامل تھا لیکن اس نے ایک شریفانہ کاروبار بھی شروع کر لیا تھا یعنی پھولوں کی دکان کھول لی تھی۔ عام لوگ تو اس دکان سے پھول خریدتے ہی ہوں گے لیکن گروہ کے تمام لوگوں کیلئے بھی وہ پھولوں کا گویا ”آفیشل سپلائر“ تھا۔

الکپون نے فرینک کیلئے تابوت بھی نہایت خوبصورت اور قیمتی بنوایا تھا۔ فرینک کی ناگہانی موت کے بعد تو یہی طریقے رہ گئے تھے جن سے وہ اپنی والہانہ محبت کا اظہار کر سکتا تھا۔ اس کا گھر تعزیت کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ فرینک کی تدفین کے موقع پر سیمرو میں دو گھنٹے کے لئے تمام سیلون اور شراب خانے بند رہے۔ سیمرو کے شرابیوں کی زندگی کے شاید یہ دو کٹھن ترین گھنٹے تھے جب وہ شراب سے محروم رہے۔

جلد ہی اس المناک واقعے کا زخم بھر گیا اور زندگی معمول پر آ گئی۔ سیمرو کے میئر کا نام کلین تھا جو دوسری مرتبہ منتخب ہوا تھا۔ وہ الکپون کا زرخرید آدمی تھا اور دوسری مرتبہ اس کا انتخاب خاص طور پر صرف الکپون کے گروہ کی وجہ سے ہی ممکن ہوا تھا..... بلکہ دیکھا جائے تو اسے منتخب کرانے کے لئے الکپون نے اپنے سگے بھائی کی قربانی دی تھی۔

مگر کچھ عرصے بعد نہ جانے کیا ہوا کہ کلین پر بھی اصلاح کا ”دورہ“ پڑا۔ نہ جانے اس کا ضمیر بیدار ہو گیا تھا یا اس پر کسی طرف سے دباؤ پڑا تھا یا پھر کسی اور وجہ سے اس کے خیالات میں تبدیلی آ گئی تھی۔ بہرحال، اس نے ارادہ کیا کہ شہر کو بدمعاشوں کے گروہوں سے پاک کیا جائے۔ وہ بھول گیا تھا کہ شہر میں بدمعاشوں کے گروہوں کو مضبوط کرنے والوں میں وہ خود بھی شامل تھا۔ اسے شاید یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ جو ایک بار بدمعاشوں اور زیر زمین دنیا کے لوگوں کے ہاتھ بک جائے، اس کے پاس واپسی کا راستہ نہیں رہتا۔

کلین نے الکپون کے احکام ماننا اور اس کے آدمیوں کو رعایتیں دینا ترک کر دیا۔ اسے شاید صحیح طور پر یہ اندازہ بھی نہیں رہا تھا کہ اب الکپون کتنا طاقتور ہو چکا ہے۔ الکپون نے کچھ دن تو اس کے طور طریقوں میں تبدیلی کا یہ تماشا دیکھا پھر ایک روز وہ سٹی ہال جا پہنچا۔ اس نے کلین کو باہر بلوا لیا۔

کلین باہر آیا تو ایک پولیس مین اسکے ساتھ تھا۔ الکپون سیڑھیوں پر اس کا منتظر تھا۔ دو قدم دور اس کی گاڑی کھڑی تھی جس میں چند مسلح افراد موجود تھے مگر انہوں نے اترنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ تاہم وہ ایک ٹک سیڑھیوں ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کلین جونہی الکپون کے قریب آیا، الکپون نے اسکے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔ الکپون کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا اور اس کی آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔ کلین سیڑھیوں پر گر پڑا۔ وہ اپنے ساتھ جس پولیس مین کو غالباً اپنی حفاظت کے خیال سے لایا تھا، وہ دم دبا کر ایک طرف کو ہو گیا۔

الکپون آخر میں کلین کو ایک ٹھوکر رسید کر کے اور چند گالیوں سے نواز کر رخصت ہو گیا۔ ظاہر ہے یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ شہر کے میئر کو اس کے اپنے دفتر کے سامنے، ایک بارونق شاہراہ کے کنارے، تھپڑ مار مار کر سیڑھیوں پر گرا دیا گیا تھا۔ جلد ہی اس سلسلے میں کارروائی کیلئے سٹی کونسل کی میٹنگ بلائی گئی۔

ابھی سٹی کونسل کا اجلاس شروع ہی ہوا تھا کہ ہال میں دس بارہ مسلح افراد گھس آئے۔ وہ کچھ اس طرح دندناتے ہوئے اور چہرے پر خوفناک تاثرات لئے ہوئے اندر آئے تھے کہ سٹی کونسل کے ارکان میٹنگ کو بھول کر جانیں بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ایک رکن مسلح آدمیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ اسے کھینچتے ہوئے باہر لے آئے اور پستولوں کے دستوں سے مار مار کر لہولہان کر دیا۔

اس واقعے پر بھی کوئی الکپون کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس کا حوصلہ اور بے خوفی بڑھ گئی۔ ایک اخبار نویس سے اسکے کافی حد تک دوستانہ تعلقات تھے۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے الکپون نے کہا۔ ”جن لوگوں کو میں خرید چکا ہوں، انہیں میں اتنی آزادی نہیں دے سکتا کہ وہ میرے خلاف ہی کارروائیاں شروع کر دیں۔ ابھی تو میں نے انہیں ہلکا سا سبق سکھایا ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ انہیں زیادہ صحیح سبق سکھانے کے لئے مجھے کسی ایک آدھ بڑے انتظامی عہدے دار کو قتل کرانا پڑے گا۔ تب یہ لوگ سیدھے ہوں گے۔“

تاہم کلین اس سے پہلے ہی ”سیدھا“ ہو گیا۔ اس نے الکپون کی طاقت دیکھ لی تو پہلے والی روش پر لوٹ آیا۔ تب الکپون نے اسے پہلے سے بھی زیادہ نوازنا شروع کر دیا۔ اس نے ہر شعبے میں اس کی رشوت اتنی بڑھا دی کہ اگر وہ اپنی خفیہ دولت ظاہر کر دیتا تو وفاقی حکومت کا ٹیکس وصول کرنے والا محکمہ چکرا جاتا۔ اس کا شمار بلاشبہ شہر کے چیدہ چیدہ دولت مندوں میں ہو سکتا تھا۔ یہی حال پولیس چیف اور شہر کے دوسرے بڑے عہدیداروں کا تھا۔

ٹاؤن کونسل اور سٹی کونسل بھی سیدھی ہو چکی تھی۔ جواباً الکپون نے بھی اپنے طور طریقوں میں کچھ تبدیلی کی تاکہ سٹی کونسل کے ارکان اور دوسرے عہدیدار زیادہ بدنام نہ ہوں اور ان پر زیادہ تنقید نہ ہو۔ الکپون نے قحبہ خانوں کے اڈوں کو مزید ایسے علاقوں میں پھیلانے کا پروگرام ترک کر دیا جو ابھی تک ان سے بچے ہوئے تھے۔

اس نے کوشش کی کہ جوئے کے اڈے بھی زیادہ تر ایسے علاقوں تک ہی محدود رہیں جو پہلے ہی بدنام ہو چکے تھے۔ اس نے گویا انتظامیہ پر رحم کھاتے ہوئے کچھ علاقوں کو شریفانہ ہی رہنے دیا اور ان کی شہرت کو داغدار ہونے سے بچانے میں انتظامیہ کی مدد کی۔

اس نے گلی کوچوں میں ہونے والے عمومی سے جرائم کی سطح نیچی رکھنے میں بھی انتظامیہ کی مدد کی۔ اس کے اپنے آدمی ویسے بھی اسٹریٹ کرائمز میں کم ہی ملوث ہوتے تھے۔ ان میں بدنامی اور خطرات زیادہ ہوتے تھے۔ مالی فائدہ کم ہی ہوتا تھا۔ الکپون اور اسکے گروہ کا مقصد تو جرائم کو اونچے درجے کے کاروباروں کی طرح منظم کرنا تھا۔

انہوں نے اپنی زیادہ توجہ ناجائز شراب کے دھندے کو پھیلانے پر ہی مرتکز کر رکھی تھی۔ الکپون اور جان ٹوریو کے پاس اسی سے دولت کے انبار جمع ہوتے جا رہے تھے۔ دیگر اڈے پہلے ہی سے چل رہے تھے، ان کی کمائی اس کے علاوہ تھی۔

اسٹریٹ کرائمز کے اعداد و شمار کم رکھنے کا پولیس نے ایک طریقہ یہ بھی ایجاد کر رکھا تھا کہ وہ تمام جرائم کی رپورٹ سامنے آنے نہیں دیتے تھے۔ وہ بہت سے جرائم کی باقاعدہ ایف آئی آر ہی درج نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے بالا ہی بالا انہیں نمٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ بعض اوقات تو وہ ان معاملات میں بدمعاشوں کی مدد بھی لیتے تھے۔ یہ بدمعاش الکپون یا کسی اور گروہ کے بھی ہو سکتے تھے۔

اس معاملے میں یادداشت کے لئے پولیس والے سادہ کاغذوں پر ہی اندراجات کر لیتے تھے جو ان کے اپنے پاس ہی رہتے تھے۔ انہیں ایک طرح کی ”پکی ایف آئی آر“ کہا جا سکتا تھا۔ اس طریقہ کار کی وجہ سے ریکارڈ کی حد تک جرائم کم ہی نظر آتے تھے۔ یعنی ریاست الی نوائے کے پانچویں بڑے شہر میں عالم یہ تھا کہ پولیس فورس تین شفٹوں میں کام کرتی تھی اور ہر شفٹ میں کل ستر، پولیس والے ہوتے تھے۔ ریکارڈ کی حد تک شہر میں ایک مہینے میں رہزنی کی طرف تین اور نقب زنی یا چوری کی سات آٹھ وارداتیں ہوتی تھیں۔

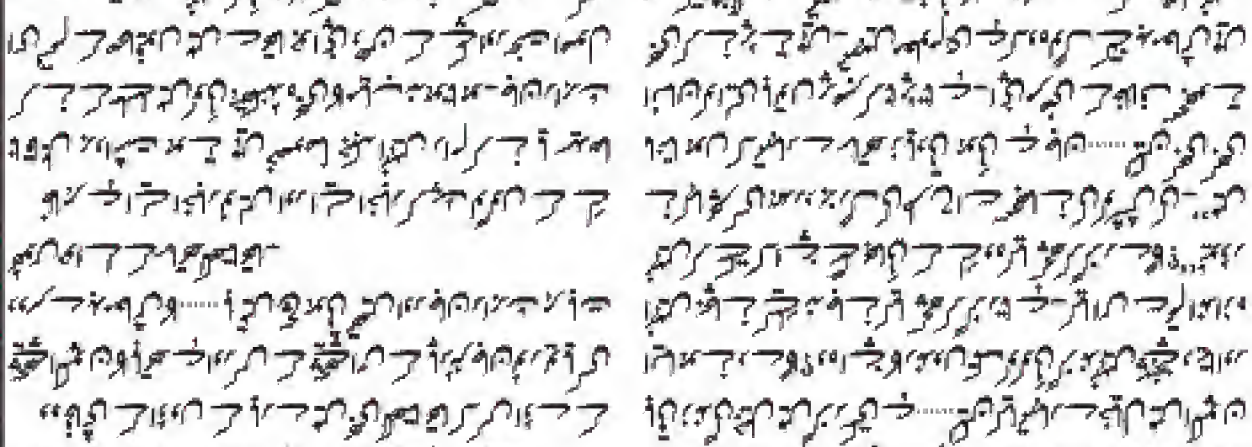

یہ وارداتیں کرنے والے بھی یا تو بہت ہی ضرورت مند یا پھر بے وقوفی کی حد تک دلیر تھے کیونکہ انہیں پکڑنے کیلئے صرف پولیس ہی نہیں، الکپون کے آدمی بھی چوکس رہتے تھے۔ شہر کو نیک نام بنانے میں الکپون پولیس کی مدد کر رہا تھا۔ چنانچہ کلین بڑے فخر سے دعویٰ کرنے لگا تھا کہ اس کے شہر کو امریکا کے پرامن ترین شہروں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

خود الکپون پر بھی اگر اسکے مخصوص غیظ و غضب کا دورہ نہیں پڑا ہوتا تھا تو وہ مسئلے کو مار دھاڑ یا خون خرابے سے حل کرنے کے بجائے پیسہ خرچ کر کے اور صلح جویانہ طور طریقوں سے نمٹانے کی کوشش کرتا تھا۔ خاص طور پر اخبار والوں کے معاملات میں وہ سختی نہیں برتتا تھا اور اپنے بھیانک غصے کو قابو میں رکھتا تھا بلکہ اگر اخبار نویسوں کے معاملے میں اس کا کوئی آدمی سختی یا تشدد کر چکا ہوتا تھا تو وہ اسے بھی ڈانٹ پلاتا تھا۔ اس کی ایک مثال رابرٹ جان والا واقعہ تھا۔

رابرٹ جان نے 1922ء میں سیسرو سے ایک اخبار "ٹریبیون" نکالا تھا۔ اس نے شروع سے ہی شہر کی کرپٹ انتظامیہ اور الکپون کو ہدف بنایا تھا۔ وہ اپنے اخبار کے آغاز سے ہی ان کے خلاف لکھ رہا تھا۔ سرکاری افسروں کے بارے میں اندر کی خبریں نکال کر لاتا تھا۔ کس نے کون سا ٹھیکہ دینے کے سلسلے میں کتنی رشوت لی۔ کس نے کس بدقماش اور بدمعاش کو کون سی رعایت دینے کے عوض کتنی رقم وصول کی۔

وہ فحاشی کے اڈوں کے بارے میں بھی لکھتا تھا کہ کس اڈے کے پیچھے الکپون کا ہاتھ ہے اور کس کے پیچھے اس کے پارٹنر جان ٹوریو یا کسی دوسرے بدمعاش کا...... باتیں سچ ہوتی تھیں اور جان رابرٹ ہر بات ٹھوس حوالے کے ساتھ لکھتا تھا۔

ظاہر ہے ایسے اخبار نویس اور ایسے اخبار کرپٹ لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ انہیں رام کرنے یا سیدھا کرنے کے سلسلے میں کوئی ہتھکنڈہ بھی کامیاب نہ ہوتا ہو۔ جان رابرٹ اسی قسم کے صحافیوں میں سے تھا جو اپنی دھن کے پکے اور سخت اصول پرست ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی جھکا سکتا ہے اور نہ خرید سکتا ہے۔ وہ کسی دھونس، دباؤ، لالچ یا دھمکی سے متاثر نہیں ہوتے اور جس راستے کو صحیح سمجھتے ہیں، زندگی کی آخری سانس تک اسی پر ثابت قدم رہتے ہیں۔

الکپون اور کلین نے پہلے تو جان رابرٹ کا معاشی طور پر گلا گھونٹنے کے لئے تمام ہتھکنڈے استعمال کئے۔ اسکے اخبار کے تمام سرکاری اشتہارات بند کر دیئے گئے اور اسکے مقابلے میں ایک دوسرے اخبار "لائف" کی سرپرستی شروع کر دی گئی جو پہلے ہی "ٹریبیون" کا حریف تھا۔

صرف یہی نہیں، عام تاجروں اور دکانداروں کو بھی منع کر دیا گیا کہ وہ "ٹریبیون" کو اشتہار نہ دیں ورنہ ان کے ٹیکس کے معاملات کی نئے سرے سے چھان بین شروع کر دی جائے گی اور ان پر نئے ٹیکس عائد کر دیئے جائیں گے۔ اس ہدایت کی خلاف ورزی کرنے والے دکانداروں کی دکانوں وغیرہ کے سامنے پہلے تو سرکاری طور پر "نو پارکنگ" کے بورڈ نصب کر دیئے جاتے تاکہ گاہکوں کو گاڑیاں کھڑی کرنے کی جگہ نہ ملے اور دکانداری متاثر ہو۔

جو کوئی اس "ابتدائی تنبیہ" سے باز نہ آتا، اس کے خلاف مرحلہ وار انتقامی کارروائیاں آگے بڑھنے لگتیں۔ کسی کے ٹیکس کے معاملات الجھ جاتے، کسی پر جرمانے عائد ہونے لگتے۔ یہ ہتھکنڈے کسی بھی اخبار کی کمر توڑنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ تاہم جان رابرٹ نے اپنی بقاء کی جنگ جاری رکھی۔

اس دوران اخبار کو خریدنے کی کوششیں بھی ہوتی رہیں۔ جان رابرٹ کے اخبار کے دو ملازمین اس کے پارٹنر بھی تھے۔ جان اور اس کے پارٹنرز سے بار بار پوچھا جاتا رہا کہ وہ اخبار کتنے میں بیچیں گے؟ انہیں بھاری منافع کی پیشکش کی جاتی رہی۔ دوسری طرف اخبار کی اشاعت کو مشکل سے مشکل تر بنانے کی کوششیں بھی جاری رہیں۔ یہ دوطرفہ دباؤ تھا جس کا مقابلہ کرنا آج کے دور کے بڑے بڑے اخباروں کے لئے بھی بہت مشکل ہوتا ہے مگر جان رابرٹ اس زمانے میں بھی اپنے محدود سے وسائل کے ساتھ اپنے چھوٹے سے مقامی اخبار کو سینے سے لگائے اس کی بقاء کی جنگ لڑتا رہا۔

آخرکار الکپون کے بارے میں ایک خبر کی اشاعت کے بعد اسکے بھائی رالف کپون کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے ایک قاصد کی زبانی جان رابرٹ کو صرف اتنا پیغام بھیجا۔ "تمہاری حرکتیں اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔"

جان رابرٹ نے جواب میں کہلا بھیجا۔ "میرے لئے تو تم لوگوں کی حرکتیں نہ جانے کب سے ناقابل برداشت ہیں لیکن افسوس، کہ میں انہیں برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔"

یہ جواب سن کر رالف کا غصے سے برا حال ہو گیا۔ دوسرے روز جان رابرٹ اپنے دفتر کے سامنے پہنچ کر سڑک عبور کرنے ہی لگا تھا کہ بڑی سی ایک کار ٹائروں کی چرچراہٹ کے ساتھ اس کے قریب آ کر رکی۔ نہ جانے کیوں کار کو دیکھ کر ہی احساس ہو رہا تھا کہ وہ بدمعاشوں کے استعمال میں رہتی ہوگی۔

اس میں سے جو چار افراد کود کر اترے وہ واقعی بدمعاش ہی تھے۔ ان میں سے ایک رالف تھا اور باقی تین اسکے گرگے۔ تینوں بدمعاشوں نے لاتوں، گھونسوں اور پستول کے دستے سے جان رابرٹ کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا جبکہ رالف اطمینان سے کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگا۔

جان رابرٹ کو مارنے کیلئے بدمعاش ایک اور چیز استعمال کر رہے تھے جو ہتھیار تو نہیں تھی لیکن سخت تکلیف دہ اور ضرر رساں تھی۔ یہ اس طرح کے بدمعاشوں کی اپنی ایجاد تھی۔ وہ لمبی سی ایک جراب میں صابن کی ٹکیہ ڈال لیتے تھے اور جراب کا ایک سرا پکڑ کر، گھما گھما کر اس سے اپنے شکار کو ضربیں لگاتے تھے۔ اس سے انسان کے جسم سے خون تو نہیں نکلتا تھا لیکن چوٹیں اسی طرح آتی تھیں جیسے ہتھوڑے سے ضربیں لگائی جا رہی ہوں۔

جان رابرٹ بیچارہ سڑک پر گر پڑا اور دونوں بازوؤں سے اپنے سر کے گرد حلقہ بنا کر سر کو چوٹوں سے بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ بدمعاشوں کے گھیرے میں آنے سے پہلے اس نے کچھ فاصلے پر دو پولیس والوں کو کھڑے دیکھا تھا لیکن وہ اس کی مدد کو آنے کے بجائے منہ پھیر کر دوسری طرف کو چل دیئے۔ وہ عقلمند اور تجربے کار تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کس معاملے میں دخل دینا چاہئے اور کس میں نہیں۔ جان رابرٹ آخرکار بے ہوش ہو گیا۔

اسکی آنکھ اسپتال میں کھلی۔ دو چار دن اسپتال میں رہنے کے بعد جب اسے گھر جانے کی اجازت ملی اور وہ اپنے علاج معالجے کا بل ادا کرنے کے لئے کیشیئر کے پاس رکا تو کیشیئر نے بتایا کہ اس کا بل ادا کیا جا چکا ہے۔

"کس نے ادا کیا ہے؟" جان رابرٹ نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی دراز قد اور بھاری بھرکم سا آدمی تھا۔" کیشیئر بولا۔ "اس نے اپنا نام تو نہیں بتایا...... بہرحال...... حلیے سے وہ کوئی امیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ نیلے سوٹ میں تھا۔ اس کی ٹائی پن میں ہیرا لگا ہوا تھا۔"

ہیرے والی ٹائی پن گویا الکپون کی پہچان تھی۔ اس کی ہر ٹائی پن میں ہیرا لگا ہوتا تھا۔

جان رابرٹ لنگڑاتا ہوا اسپتال سے پولیس اسٹیشن پہنچا۔ پولیس چیف ٹیوڈر اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا بلکہ جان رابرٹ تو اسے اپنے دوستوں میں شمار کرتا تھا۔ جان کو یقین تھا کہ سارا واقعہ ٹیوڈر کے علم میں ہوگا۔ پھر بھی اس نے ضابطے کی کارروائی کے طور پر ساری بات اسے بتائی اور مطالبہ کیا کہ اس کے حلفیہ بیان کی بنیاد پر رالف اور اسکے تین بدمعاشوں کے وارنٹ جاری کئے جائیں۔ ان میں سے ایک کو تو وہ جانتا تھا۔ اس نے اس کا نام بھی بتا دیا۔ اسے یقین تھا کہ دو افراد کی شناخت متعین ہونے کے بعد باقی دو کو بھی پولیس آسانی سے تلاش کر لے گی۔

ٹیوڈر نے اس کی بات تحمل سے سنی پھر اس کی درخواست پر عمل کرنے کے بجائے الٹا اسے سمجھانے لگا۔ "میرا دوستانہ مشورہ ہے کہ اس چکر میں نہ ہی پڑو تو اچھا ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"کیوں فائدہ نہیں ہوگا؟" جان رابرٹ نے حیرت سے پوچھا۔

"جو الزامات تم رالف پر لگا رہے ہو، اگر وہ ثابت ہو جائیں تو اس کی باقی زندگی جیل میں گزر سکتی ہے...... لیکن کیا تمہارے خیال میں الکپون ایسا ہونے دے گا؟ وہ اپنے کارندوں تک کو کوئی گزند نہیں پہنچنے دیتا اور انہیں بچانے کیلئے نہ جانے کیا کچھ کر گزرتا ہے۔ کیا اس سے تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ اپنے سگے بھائی کے لئے وہ کیا کچھ کر گزرے گا؟" ٹیوڈر نے کہا پھر کسی ہمدرد بزرگ کی طرح اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں مانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے جان...... لیکن کبھی کبھی انسان کو ایسی باتوں پر صبر کرنا پڑتا ہے۔ اپنی مرضی کے خلاف سمجھوتے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ کتنے بدمعاش ہیں اور کتنے منظم ہیں۔ تمہیں ان قانونی کارروائیوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ جو ہو چکا ہے، اس پر صبر کرو اور بات کو مزید نہ بڑھاؤ۔"

"تم پولیس آفیسر ہو کر یہ بات کر رہے ہو؟" جان رابرٹ نے حیرت اور بے یقینی سے کہا۔ "جب پولیس ہی غنڈوں بدمعاشوں اور دہشت گردوں کی سرکوبی کرنے کے بجائے شریف شہریوں کو ان سے مار کھانے کے بعد صبر کر کے بیٹھ جانے کا سبق دے گی تو اس شہر کا...... اور معاشرے کا انجام کیا ہوگا؟"

ٹیوڈر نے اس سے مزید بحث نہیں کی اور افسردہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا۔

جب جان رابرٹ نے قانونی کارروائی کرنے پر بہت ہی زیادہ اصرار کیا تو ٹیوڈر نے اس سے کہا۔ "اچھا تم کل صبح میرے پاس آنا، پھر بات کریں گے۔"

جان دوسرے روز پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔

"تم ذرا اوپر میرے دوسرے کمرے میں بیٹھ کر تھوڑی دیر انتظار کرو۔ میں کارروائی کرتا ہوں۔" ٹیوڈر نے کہا اور ایک کانسٹیبل کے ساتھ اسے اوپر دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔

چند منٹ بعد اس کمرے کا دروازہ کھلا اور بیش قیمت نیلے سوٹ میں ایک دراز قد شخص مسکراتا ہوا اندر آ گیا۔ وہ الکپون تھا۔ جان رابرٹ نے تیس سال بعد اس ملاقات کا احوال لکھا۔

الکپون نے اندر آ کر اس سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور بلاتمہید کہا۔ "تم نے خواہ مخواہ ہی اپنے دل میں میرے خلاف عناد بٹھا لیا ہے جان رابرٹ! میں اتنا برا آدمی نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھتے ہو۔ ٹھیک ہے، میرے کچھ ناجائز دھندے ہیں لیکن یقین کرو، اس دنیا میں ہر شخص کچھ نہ کچھ ناجائز ضرور کر رہا ہے۔ کم از کم میں بلاوجہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، بلاسبب کسی کو نہیں مرواتا۔ خاص طور پر تم صحافیوں اور اخبار نویسوں کے ساتھ تو میں بہت ہی اچھی طرح پیش آتا ہوں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں لکھنے پڑھنے والے لوگوں کی قدر کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ بھی ایک خاص وجہ ہے۔ جانتے ہو وہ کیا ہے؟"

جان رابرٹ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

الکپون خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولا۔ "اس لئے کہ تم لوگوں کی وجہ سے مجھے یا میرے کاروبار کو مفت میں شہرت حاصل ہوتی ہے۔ مفت کی اس پبلسٹی کیلئے میں دل ہی دل میں تم لوگوں کا شکریہ ادا کرتا رہتا ہوں۔ مثال کے طور پر میرا وہ نائٹ کلب جس کا نام "شپ" ہے، بہت بڑا نائٹ کلب ہے۔ اسے چلانا اور اس سے خاطر خواہ منافع حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اسکے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور دوسری سیکڑوں الجھنیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ اگر تم لوگوں کا تعاون شامل حال نہ ہو تو شاید میرا وہ کلب نقصان میں جانے لگے۔"

اس کی یہ بات سن کر جان رابرٹ کی آنکھوں میں الجھن نمودار ہو گئی۔ تب الکپون نے وضاحت کی۔ "تم جیسے صحافی اپنی دانست میں اسکے خلاف خبریں لگاتے ہیں کہ وہاں یہ ہوتا ہے...... وہ ہوتا ہے...... تم لوگ سمجھتے ہو کہ اس سے میرا کلب بند ہو جائے گا، اس کا بیڑا غرق ہو جائے گا، اس پر تالا پڑ جائے گا، لیکن درحقیقت ایسی خبروں کی وجہ سے وہاں گاہکوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ میں اگر اس کلب کا اشتہار دینا چاہوں تو تم جیسا کوئی مالک اسے اپنے اخبار میں نہیں چھاپے گا...... لیکن ایسی خبروں کی صورت میں مفت میں میرا اشتہار چھپتا رہتا ہے اور میں بڑی بڑی رقمیں خرچ کرنے سے بھی بچ جاتا ہوں۔ یہ ہے میری وہ خدمت جو تم لوگ نادانستگی میں مفت انجام دیئے جا رہے ہو۔ اس لئے میں تم جیسے لوگوں کی زیادہ قدر کرتا ہوں۔ میں بھلا تم لوگوں سے ناراض کیوں ہوں گا؟"

اس نے سگریٹ سلگائی اور انگلی سے اپنی پتلون کو جھاڑا حالانکہ اس پر کچھ لگا ہوا نہیں تھا۔ اس کی پتلون کی کریز تلوار کی دھار جیسی تھی۔ اس کی ٹائی میں لگی ہوئی ہیرے کی پن چمک رہی تھی۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ "مجھے بہت افسوس ہے کہ رالف اور اس کے آدمیوں نے تمہارے ساتھ مار پیٹ کی۔ میں نے انہیں ایسی کوئی ہدایت ہرگز نہیں کی تھی۔ میرا بھائی دماغ کا ذرا تیز ہے۔ وہ میرے بارے میں کسی کی کوئی اونچی نیچی بات برداشت نہیں کر پاتا۔ اس رات ویسے بھی وہ اور اس کے ساتھی بہت زیادہ پیتے پلاتے رہے تھے جس سے اگلی صبح انہوں نے آ کر تمہارے ساتھ جھگڑا کیا۔ اس رات ہی وہ تمہارے بارے میں بڑے غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ صحافیوں اور ایڈیٹروں...... یا اس طرح کے دوسرے دانشور یا لکھنے پڑھنے والے لوگوں کے بارے میں کوئی سخت قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں...... مگر شراب ان کے دماغوں کو چڑھ رہی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں بھی انہیں سمجھایا کہ ہم شراب تیار ضرور کرتے ہیں اور بیچتے بھی ہیں لیکن ہمیں خود پینی نہیں چاہئے...... اور اگر پی بھی لیں تو نشے میں آپے سے باہر نہیں ہونا چاہئے۔ میرا خیال تھا کہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی ہوگی اور میرے کہے کا ان پر اثر ہو گیا ہوگا مگر افسوس......"

الکپون نے جملہ ادھورا چھوڑ کر ٹھنڈی سانس لی اور مغموم لہجے میں بولا۔ "ان پر کوئی اثر نہیں ہوا! بڑے ہی موٹے دماغ کے لوگ ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا کیا علاج کروں۔ غلطیاں یہ کرتے ہیں اور میں ان کے اثرات دور کرتا پھرتا ہوں۔ یقین کرو، میں بے وقوف لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتا لیکن کیا کروں...... رالف میرا بھائی ہے۔ اب میں اسے مار تو نہیں سکتا...... اور نہ ہی اپنے سے الگ کر سکتا ہوں......"

یہ کہہ کر اس نے نوٹوں کی ایک موٹی گڈی نکالی اور اس میں سے چند نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔ "رقم سے ہر چیز کی تلافی تو نہیں ہوتی لیکن کچھ نہ کچھ اشک شوئی ضرور ہو جاتی ہے۔ تمہیں چند دن اسپتال میں رہنا پڑا۔ تمہارا اور تمہارے اخبار کا کافی نقصان ہوا ہوگا۔ یہ رقم اس کی کچھ نہ کچھ تلافی کرے گی۔ تمہارا اسپتال کا بل ادا کیا جا چکا ہے لیکن تمہارے کپڑے بھی پھٹے ہوں گے یا خراب ہوئے ہوں گے۔ یہ رقم ان کے سلسلے میں ہے......" یہ کہہ کر اس نے مزید چند نوٹ جان رابرٹ کے سامنے میز پر رکھ دیئے۔

اسکے بعد بھی اس نے گڈی سے نوٹ نکالنے کا سلسلہ ختم نہیں کیا۔ اس نے مزید چند نوٹ نکال کر میز پر رکھے اور بولا۔ "ہو سکتا ہے کچھ نقصانات میری نظر سے اوجھل ہوں...... یا میں ان کا ذکر کرنا بھول گیا ہوں، یہ رقم ان کی تلافی کیلئے ہے......"

جان رابرٹ کے اندازے کے مطابق اس کے سامنے کم از کم تین ہزار ڈالر تو رکھے جا چکے تھے۔ وہ اب بھی خاموش تھا۔

اس نے تیس سال بعد اعتراف کے سے انداز میں اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے اپنی یادداشتوں میں لکھا۔ "میں اس وقت خاموش تھا لیکن درحقیقت میرے اندر خیالات کا ایک طوفان برپا تھا۔ میں ایک کشمکش میں گرفتار تھا۔ میرے ذہن میں الکپون کے یہ الفاظ بار بار گونج رہے تھے 'میں بے وقوفوں کو برداشت نہیں کر سکتا......' میں سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ شاید میں بیوقوف ہی تھا۔ شاید مجھ جیسے سارے لوگ ہی بیوقوف ہوتے ہیں شاید الکپون جیسے لوگ ہی عقلمند اور ذہین ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں...... لیکن پھر میں یکایک اس کشمکش سے نکل آیا۔ میں نے اپنے ان خیالات پر لعنت بھیجی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ حالانکہ میرے جسم کے بعض حصوں میں ابھی تک درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں جو یکدم حرکت کرنے کی وجہ سے کچھ تیز ہو گئیں لیکن میں نے ان کی پروا نہیں کی اور نہایت باوقار انداز میں...... بلکہ تقریباً اکڑتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ نوٹ میز پر ہی رکھے رہ گئے۔ میں اپنی کشمکش سے نکل آیا تھا اور مجھے خوشی تھی کہ میں اپنے نظریات پر قائم رہا تھا۔ میرے پائے استقلال میں لغزش آنے لگی تھی مگر میں فوراً ہی سنبھل گیا تھا۔ میں نے پلٹ کر الکپون کے تاثرات بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی اور کمرے سے باہر آ گیا......"

جان رابرٹ کو اپنے نظریات پر ثابت قدم رہنے کی خوشی سے لطف اندوز ہونے کا کچھ زیادہ موقع نہیں مل سکا۔ چند دن بعد وہ دفتر پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ اسکے پاس اخبار کی پالیسی کے سلسلے میں فیصلے کرنے کا اختیار ہی نہیں رہا۔

ہوا یہ تھا کہ جان رابرٹ نے جب اخبار نکالا تو اسکے پاس خاطر خواہ وسائل نہیں تھے لیکن وہ ایک نظریاتی اور جنونی قسم کا صحافی تھا۔ اخبار نکالنا اس کا خواب تھا چنانچہ اس نے کارپوریٹ بنیادوں پر اخبار نکالا۔ شہر کے کارپوریٹ قوانین کے مطابق اس طرح کوئی کاروبار شروع کرنے کے لئے اس میں کم از کم تین پارٹنرز کا ہونا ضروری تھا۔

جان رابرٹ نے دو دوستوں کو اخبار میں شامل کیا جنہوں نے رقم بھی لگائی اور اس کے ساتھ کام بھی کرنے لگے تاہم جان رابرٹ کے پاس چونکہ اخبار کے زیادہ شیئرز تھے اس لئے پالیسی کے سلسلے میں فیصلوں کا اختیار اس کے پاس تھا...... مگر اس روز وہ آفس پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے دونوں ساتھی اپنے شیئرز فروخت کر چکے ہیں اور اب شیئرز کا توازن کچھ ایسا بن گیا ہے کہ زیادہ شیئرز کسی اور کے پاس چلے گئے ہیں اور یوں اخبار کی پالیسی کے بارے میں فیصلوں کا اختیار بھی اس کے پاس چلا گیا ہے۔

......اور وہ آدمی الکپون تھا!

جان ٹوریو جب اٹلی سے واپس آیا تو اس کیلئے گویا دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ تاہم اسکی عدم موجودگی میں جو تبدیلیاں آئی تھیں وہ اس کے لئے بے پناہ خوش کن تھیں۔ الکپون نے "کاروبار" کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔ جان ٹوریو بہت طویل عرصے کے بعد واپس آیا تھا۔ الکپون نے اس دوران نہ صرف اس کے مفادات کی حفاظت بہترین طریقے سے کی تھی بلکہ دھندوں کو پھیلانے کے سلسلے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا اظہار بھی کیا تھا۔

گو کہ کاروبار کو پھیلانے میں اس کا اپنا بھی فائدہ تھا کیونکہ وہ اس میں ففٹی ففٹی کا پارٹنر تھا لیکن بعض پارٹنر اپنے اس مفاد کا بھی خیال نہیں رکھ پاتے اور نہ ہی ان میں اپنے طور پر کاروبار کو وسعت دینے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ اپنے پارٹنر کی غیر موجودگی میں کاروبار کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں یا پھر خوب گھپلے کرتے ہیں۔ آثار بتا رہے تھے کہ الکپون نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔

جان ٹوریو بہت خوش ہوا اور اس نے الکپون پر پہلے سے بھی زیادہ اعتماد کرنا شروع کر دیا۔ الکپون کاروبار بڑے ڈسپلن سے چلاتا تھا اور ڈسپلن کے معاملے میں وہ بڑا سخت گیر تھا۔ غلطی کرنے والے کو وہ دونوں کانوں سے پکڑ کر اٹھاتا اور دیوار پر دے مارتا تھا۔ وہ صرف اسی پر بس نہیں کرتا تھا بلکہ جب زیرعتاب شخص دیوار سے ٹکرا کر دھب سے فرش پر گرتا تو وہ اس کی پسلیوں پر ایک آدھ ٹھوکر بھی رسید کرتا۔

دوسری طرف وہ مہربان صفت اور فراخدل بھی بہت تھا۔ اچھا کام کرنے والوں کو خوب نوازتا تھا۔ اپنے نچلے درجے کے ملازموں اور کارندوں کا خاص طور پر بہت خیال رکھتا تھا جن کی تنخواہیں یا آمدنی کے ذرائع معمولی ہوتے تھے۔ ایسے لوگوں کو وہ اکثر بلاسبب ہی نوازتا رہتا تھا۔

اس کا ڈرائیور ایک بار اپنے دوست اور کسی دوسرے آدمی کے ڈرائیور کو بتا رہا تھا۔ "میں کل باس کو ریس کورس پہنچانے گیا تو باس نے گاڑی سے اترتے وقت پوچھا 'کون! تمہارے پاس کل کتنی رقم ہے؟' میں نے جواب دیا 'سر! پچاس ڈالر' باس نے چھ سو ڈالر نکال کر مجھے دیئے اور کہا 'یہ رکھ لو...... اور ہاں...... شام کو چھ بجے مجھے یہاں سے واپس لے جانے کے لئے آ جانا۔' میں حیران رہ گیا کہ انہوں نے اچانک مجھے یہ رقم کیوں دے دی؟ جبکہ میں نے ان سے کچھ مانگا تھا اور نہ ہی کسی ضرورت کا اظہار کیا تھا لیکن انہیں بہرحال یہ معلوم تھا کہ ہم جیسے کم تنخواہ والے لوگ اکثر ہی ضرورت مند رہتے ہیں۔"

(جاری ہے)

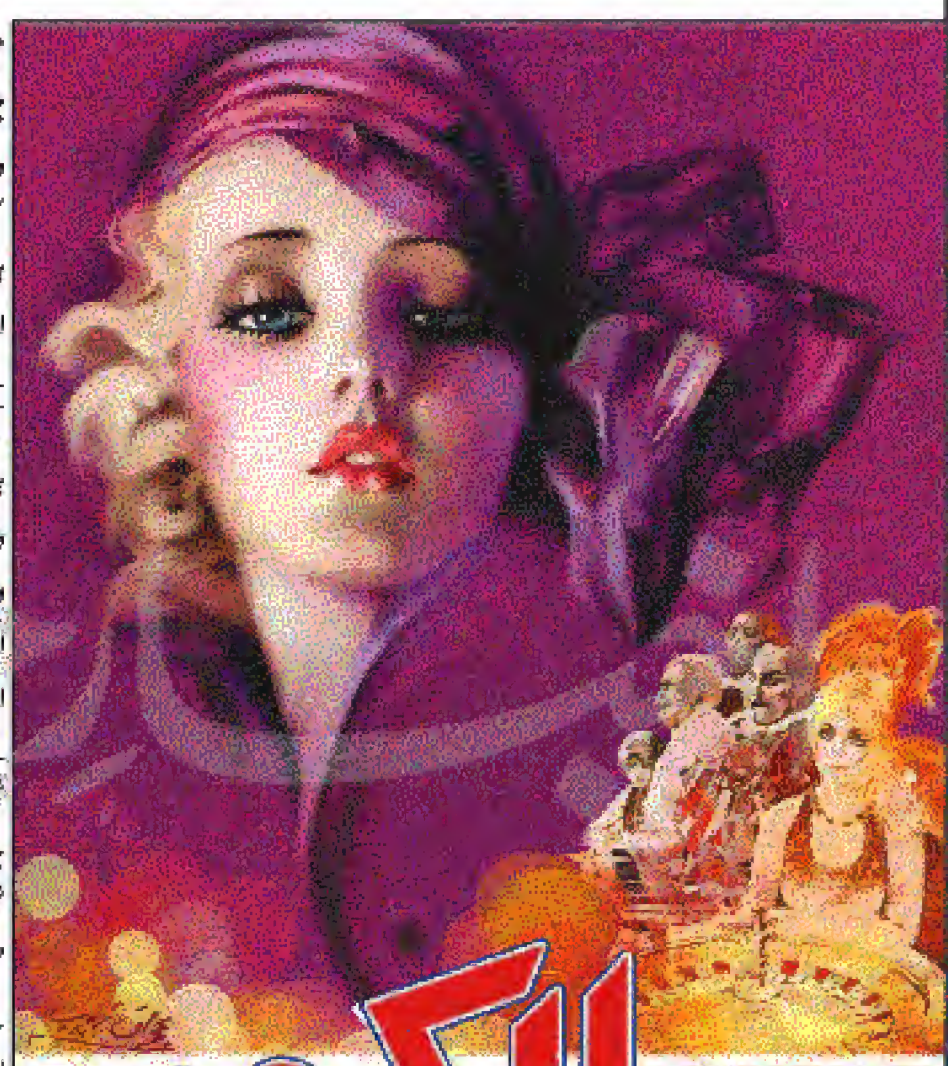

الکپون

ترجمہ : محمود احمد مودی

قسط : 9

الکپون صرف اپنے ڈرائیور کے ساتھ ہی نہیں اپنے دوسرے ملازموں کے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک کرتا رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کے وفادار اور جانثار تھے۔ بعض اوقات تو الکپون ان کیلئے اس حد تک چلا جاتا تھا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اس نے جان رابرٹ کا اخبار "ٹریبون" جس طرح خریدا، اس میں رابطے کا ذریعہ ایک اخبار فروش بنا تھا جو فٹ پاتھ پر چھوٹا سا ایک نیوز اسٹینڈ چلاتا تھا، اس کا نام لوئس تھا۔ اس نے چونکہ اپنا کام نہایت عمدگی سے انجام دیا تھا اور الکپون کو اس کے مقصد میں کامیاب کرانے میں خاصا اہم کردار ادا کیا تھا جس کے نتیجے میں الکپون اس اخبار پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گیا تھا جو اس سے پہلے کسی طرح اس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا چنانچہ لوئس پر الکپون اس قدر مہربان ہوا کہ اس نے اسے فٹ پاتھ سے اٹھا کر ایک شاندار دفتر میں بٹھا دیا۔

دراصل اس نے لوئس کو "بانڈز مین" بنا دیا تھا۔ بانڈز مین وہ آدمی ہوتا تھا جو ملزموں کی ضمانت کرانے کیلئے بانڈ یا مچلکہ بھر کر جمع کراتا تھا مثلاً کسی ملزم کی ضمانت پچاس ہزار ڈالر میں ہوتی ہے تو وہ پچاس ہزار کا ضمانت نامہ بھر کر عدالت میں جمع کرا دیتا تھا لیکن اس کیلئے اس کا خود صاحب حیثیت اور صاحب جائیداد ہونا ضروری تھا چنانچہ الکپون نے اس کے نام پر پانچ لاکھ ڈالر مالیت کی ایک بلڈنگ خرید دی تھی۔

اس میں الکپون کی نوازش کے علاوہ اس کی ایک مصلحت اور مفاد بھی تھا۔ لوئس کو درحقیقت دوسروں کیلئے بعد میں اور الکپون کے آدمیوں کیلئے پہلے بانڈز مین کے فرائض انجام دینے تھے۔ ہر بڑا گروہ اپنا ایک خاص بانڈز مین ضرور رکھتا تھا جس کا کام سب سے پہلے اپنے گروہ کے آدمیوں کی ضمانتیں کرانا ہوتا تھا، دوسروں کی طرف وہ بعد میں دیکھتا تھا۔ یوں لوئس بھی اس حسن سلوک کے نتیجے میں اس کا گرویدہ بلکہ عمر بھر کیلئے گویا زر خرید غلام ہو کر رہ گیا تھا۔

الکپون اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا کرتا تھا "انڈر ورلڈ بھی درحقیقت اوپر والی یا عام دنیا کی طرح ہوتی ہے، زیر زمین دنیا میں کوئی ایسی انوکھی بات نہیں ہوتی جو عام دنیا میں نہ ہوتی ہو، عام دنیا میں بھی خوب سازشیں ہوتی ہیں اور سب اپنے اپنے مفاد کیلئے جیتے ہیں، زیر زمین دنیا کے لوگ بھی یہی کچھ کرتے ہیں، عام دنیا میں بھی آپ کسی کے ساتھ مہربانی کا سلوک کرتے ہیں، اس کیلئے حد سے گزر جاتے ہیں تو وہ آپ کا وفادار ہو جاتا ہے۔ زیر زمین دنیا میں بھی یہی ہوتا ہے، کوئی بھی بڑی کمپنی یا ادارہ اپنے ملازمین کا خیال رکھتا ہے، آڑے وقت میں ان کے کام آتا ہے، ان کی بہتری اور خوشحالی کیلئے کوششیں کرتا رہتا ہے تو ملازمین اس کے وفادار ہوتے ہیں۔ زیر زمین دنیا میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ میں اپنے آدمیوں کیلئے خلوص دل سے بہت کچھ کرتا ہوں اور ان کیلئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہوں اس لئے وہ بھی میری خاطر جان دینے کو تیار رہتے ہیں۔"

اپنے آدمیوں کیلئے کسی بھی حد سے گزر جانے کا ثبوت الکپون نے ایک مرتبہ اس انداز میں دیا کہ سب حیران رہ گئے۔

گوزک نامی ایک شخص اس کا معمولی ملازم تھا۔ اس نے اسے اپنے ایک اڈے کا منیجر بنا دیا تھا۔ وہ پانچ فٹ قد کا ایک عجیب گول مٹول اور پلپلا سا آدمی تھا مگر وہ بڑا خوش مزاج تھا۔ اکثر ہنستا مسکراتا ہی دکھائی دیتا تھا۔ الکپون کی اچھی خاصی رقم بھی اس کی تحویل میں رہتی تھی اور اسے ضرورت مندوں کو سود پر رقم دینے کا اختیار بھی حاصل تھا لیکن اسے یہ کام بہت دیکھ بھال کر کرنا ہوتا تھا کیونکہ رقم کی واپسی بھی اس کی ذمے داری تھی چنانچہ اسے یہ دیکھنا ہوتا تھا کہ وہ اس انداز میں یا کسی ایسے آدمی کو رقم نہ دے بیٹھے کہ وہ ڈوب جائے اور اس کی واپسی کی امید نہ رہے۔

گو کہ اسے رقم کی وصولی کیلئے بدمعاشوں کی مکمل مدد بھی حاصل رہتی تھی اس کے باوجود یہ خاصی ذمے داری کا کام تھا۔ بعض لوگوں کو تو اس بات پر حیرت ہوتی تھی کہ الکپون نے گوزک جیسے آدمی کے سپرد یہ کام کر رکھا تھا اور اسے اپنے ایک اڈے کا منیجر بھی بنا رکھا تھا۔ یہ شخص بھی الکپون کا نہایت وفادار اور جانثار تھا۔

ایک روز وہ اس عالم میں گرتا پڑتا اور روتا بلبلاتا الکپون کے سامنے پہنچا کہ اس کا گول مٹول اور پلپلا سا چہرہ خون میں تر تھا اور کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔

"کس نے کیا ہے تمہارا یہ حال؟" الکپون نے فوراً پوچھا۔ اس کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔

"جوزف ہاورڈ نے!" گوزک نے روتے ہوئے جواب دیا۔

الکپون نے یہ پوچھنے کی زحمت نہیں کی کہ بات کیا تھی۔ یہ نوبت کیوں آئی تھی کہ جوزف ہاورڈ نے مار مار کر گوزک کو لہولہان کر دیا۔ اس نے کسی قسم کی تفصیلات جاننے میں وقت ضائع نہیں کیا اور فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

جوزف ہاورڈ اوسط درجے کا ایک بدمعاش تھا لیکن اسے اپنے آپ پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ دراز قد اور مضبوط جسم کا مالک تھا، کچھ خود پسند بھی تھا، بہت جلد غصے میں آ جاتا تھا۔ اکثر خونخوار سا ہی دکھائی دیا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ بھی سننے میں آتا تھا کہ وہ تین قتل کر چکا تھا جن کے سلسلے میں اسے حراست میں بھی لیا گیا تھا مگر کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے تینوں مرتبہ پوچھ گچھ کے بعد چھوڑ دیا گیا تھا۔

اس نے گوزک کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، اس کے بارے میں بعد میں مختلف باتیں سننے میں آئیں۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ اس نے گوزک سے کچھ رقم قرض کے طور پر مانگی تھی۔ گوزک نے اسے قرض دینے سے انکار کر دیا تھا جس پر وہ آگ بگولا ہو گیا تھا۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ گوزک نے جوزف ہاورڈ کی ایک گرل فرینڈ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی۔

بعض لوگوں نے جوزف ہاورڈ کے ہاتھوں گوزک کی پٹائی کا منظر بھی دیکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ان دونوں کے درمیان نیچی آوازوں میں چند منٹ گفتگو ہوئی تھی پھر اچانک جوزف ہاورڈ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اور اس نے گوزک کو گریبان سے پکڑ کے اس کے چہرے پر زوردار تھپڑ برسانے شروع کر دیئے تھے پھر اس نے گوزک کے چہرے پر ہی دو تین گھونسے بھی رسید کئے، وہ اس وقت تک اسے مارتا رہا جب تک اس کا چہرہ بری طرح خون میں نہا نہیں گیا۔

گوزک اس دوران روتا رہا، چیختا رہا اور رحم کی بھیک مانگتا رہا لیکن جوزف ہاورڈ نے گویا اس کی آواز سنی ہی نہیں۔ وہ لوگ اس وقت جیکب کے بار میں تھے، وہاں دو چار دوسرے افراد بھی موجود تھے، وہ سب خوفزدہ انداز میں یہ منظر دیکھتے رہے۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ آ کر گوزک کو مشتعل جوزف ہاورڈ سے چھڑاتا، سب اس سے عام حالت میں بھی ڈرتے تھے جبکہ اس وقت تو وہ غصے میں تھا۔

آخرکار جب گوزک بے سدھ سا ہو گیا تب جوزف نے اسے چھوڑا اور وہ گرتا پڑتا، سسکیاں سی لیتا وہاں سے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد الکپون بار میں داخل ہوا۔ اس وقت تک جوزف ہاتھ منہ دھو کر پرسکون ہو چکا تھا اور سگاروں والے کاؤنٹر پر کھڑا تھا۔ گوزک کی اچھی طرح پٹائی لگانے کے بعد اسے گویا قرار آ گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر ذرا بھی غصے کے آثار نہیں تھے۔ بار میں اس وقت جوزف اور بار ٹینڈر کے سوا کوئی نہیں تھا۔

"ہیلو الکپون! کیسے ہو؟" جوزف نے اسے دیکھ کر خوش مزاجی سے پوچھا۔ شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اپنے ایک معمولی ملازم کے پٹ جانے پر الکپون شدید غصے میں بھی ہو سکتا ہے۔ الکپون کے چہرے سے اس وقت غصے کا اظہار بھی نہیں ہو رہا تھا۔

الکپون کاؤنٹر کے قریب آیا اور جوزف کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "تمہیں معلوم ہے نا گوزک میرا آدمی ہے؟"

"مجھے کیا پورے شہر کو معلوم ہے۔" جوزف برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔ اسے گویا گوزک کا نام سننا بھی ناگوار گزر رہا تھا۔

"اس کے باوجود تم نے اسے اس بری طرح مارا؟ تمہیں اسکی جرأت کیسے ہوئی؟" الکپون دھاڑا ساتھ ہی اس نے جوزف کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

جوزف بھی انڈر ورلڈ کا آدمی تھا اور الکپون کی اصل حیثیت سے بے خبر نہیں تھا لیکن اس وقت شاید اس پر تکبر اور خود پسندی کا کچھ زیادہ شدید دورہ پڑا۔ اس نے قہر آلود نظروں سے الکپون کے اس ہاتھ کو دیکھا جس میں اس کا گریبان تڑ مڑ کر پھنسا ہوا تھا۔ الکپون کی طرح اس کے تاثرات بھی یکدم تبدیل ہو گئے تھے۔

"تمہیں میرا گریبان پکڑنے کی جرأت کیسے ہوئی، عورتوں کے بیوپاری......؟" اس نے بھی الکپون ہی کے سے انداز میں گرجنے کی کوشش کی لیکن گریبان الکپون کی آہنی گرفت میں ہونے کی وجہ سے اس کا گلا دبا ہوا تھا۔ زیادہ بلند آواز برآمد نہیں ہو سکی تاہم اس نے انہی الفاظ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید بولا۔ "جاؤ جا کر اپنا اصل دھندا کرو...... زیادہ بڑے بدمعاش بننے کی کوشش نہ کرو۔"

دوسرے ہی لمحے الکپون نے اس اچھے خاصے قد آور اور مضبوط آدمی کو ایک ہی ہاتھ سے اس کا گریبان پکڑے پکڑے فرش سے اونچا اٹھا لیا اور پھر کاؤنٹر کے اوپر سے کھینچتے ہوئے باہر نکال لیا صرف یہی نہیں بلکہ اس دوران وہ دوسرے ہاتھ سے اپنی ہپ پاکٹ سے ریوالور بھی نکال چکا تھا۔

جوزف کا سانس رک رہا تھا، اس نے ذرا بہتر طور پر سانس لینے کیلئے منہ کھولا ہوا تھا، الکپون نے اسکے منہ میں ریوالور کی نال گھسیڑتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔

جوزف کا تقریباً ایک طرف کا جبڑا اور رخسار ہی اڑ گیا شاید وہ فوراً ہی مر گیا تھا لیکن الکپون نے اس کا گریبان چھوڑنے اور فرش پر اس کے گرنے کے بعد بھی مزید پانچ گولیاں اس کے جسم میں اتار دیں پھر وہ مڑا اور جس طرح آیا تھا، اسی طرح وہاں سے چلا گیا۔

حسب سابق پولیس کو اس واقعے کا کوئی گواہ میسر نہیں آیا جس سے اسے اس کیس کو حل کرنے میں کوئی مدد مل سکتی۔ بارٹینڈر تک کا بیان یہی تھا کہ وہ کوئی اجنبی تھا جو آیا اور جوزف پر اپنا ریوالور خالی کر کے چلا گیا، اس نے اس سے پہلے کبھی اس شہر میں اس شخص کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

تاہم الکپون اس دوران احتیاطاً شہر سے غائب ہو گیا۔ پولیس نے بہرحال اس دوران اس سے پوچھ گچھ کرنا چاہی تھی لیکن اسے بتایا گیا کہ وہ تو کچھ شہروں کے تفریحی دورے پر نکلا ہوا ہے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت کہاں ہو گا۔

ایک ماہ بعد جب اس کے آدمیوں نے اسے گرین سگنل دے دیا کہ مطلع صاف ہے تو وہ واپس آ گیا اور خود ہی اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ اٹارنی کے آفس میں چلا گیا جو پچیس چھبیس سال کا ایک نوجوان تھا، اسے یہ عہدہ سنبھالے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔

"سنا ہے آپ لوگ مجھے تلاش کر رہے تھے؟" الکپون نے نہایت معصومیت سے کہا۔ "میں ذرا اپنے اعصاب کو آرام دینے کیلئے تفریحی دورے پر گیا ہوا تھا، آپ لوگوں کو مجھ سے کیا کام تھا؟"

اس سے کچھ دیر پوچھ گچھ کی گئی لیکن اس کا کہنا یہی تھا کہ اسے جوزف ہاورڈ کے قتل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، وہ تو وقوعے کے روز شہر میں بھی نہیں تھا۔ اس نے ریلوے، بحری جہاز کے ٹکٹ اور ہوٹلوں کے ایسے بل پیش کر دیئے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وقوعے سے ایک روز پہلے ہی شہر سے رخصت ہو چکا تھا۔

کوئی کچھ بھی نہ کر سکا اور یہ کیس یونہی رہا۔ کبھی حل نہیں ہو سکا۔ اس واقعے سے الکپون کو بہت فائدہ پہنچا۔ اس کے ساتھیوں اور کارندوں کا اس پر اعتماد بڑھ گیا، انہیں اندازہ ہو گیا کہ الکپون ان کیلئے کس حد تک جا سکتا ہے۔ یہ احساس ہونے کے بعد وہ پہلے سے زیادہ اس کے وفادار اور جانثار ہو گئے۔

☆......☆......☆

شراب کے دھندے میں الکپون کے پارٹنر برنین نے ایک مرتبہ اندازہ ظاہر کیا تھا کہ شکاگو میں ہر ماہ تین ملین ڈالر کی شراب فروخت ہوتی ہے جس پر ٹیکس ادا نہیں کیا جاتا۔ اس کے بجائے تین ملین ڈالر کی اس رقم میں سے ایک ملین ڈالر پولیس والوں، ایف بی آئی کے ایجنٹوں اور انتظامیہ میں عہدے حاصل کر لینے والے سیاستدانوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔

خانہ پری کیلئے حکومت کو تھوڑے بہت ٹیکس ادا کئے جاتے تھے لیکن یہ اس رقم کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتے تھے جو حکومت کو درحقیقت ملنی چاہئے تھی۔ شراب پر عائد ٹیکس چرانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ متعلقہ افراد اور اداروں کی کرپشن نے الکپون جیسے لوگوں کا کام بہت آسان کر دیا تھا۔

وہ ایسے لیبل چھپوا لیتے تھے جو بریوری سے نکلنے والی شراب کی بوتلوں اور بیئر کے بیرل وغیرہ پر چسپاں کر دیئے جاتے تھے اور ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان بوتلوں یا بیرل پر ٹیکس ادا کر دیئے گئے ہیں۔ درحقیقت ٹیکس ادا کرنے کے بجائے کبھی کبھار چیکنگ کیلئے آنے والے ایجنٹوں کی خدمت میں طے شدہ نذرانہ پیش کر دیا جاتا تھا یوں صرف ٹیکس چرا کر ہی الکپون اور اس کے پارٹنرز جیسے لوگ کروڑ پتی بن رہے تھے جبکہ شراب کے علاوہ بھی ان کے بہت سے دھندے تھے۔ اس زمانے میں کروڑ پتی ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

الکپون کا پارٹنر برنین ایک دلچسپ کردار تھا۔ اس کی ذات تضادات کا مجموعہ تھی، وہ نمایاں قد کاٹھ کا آدمی تو نہیں تھا لیکن بہرحال مضبوط جسم کا مالک تھا۔ گو کہ وہ ایک اچھا خاصا بڑا بدمعاش تھا لیکن بدمعاش سے زیادہ دکاندار نظر آتا تھا۔ دکاندار تو وہ واقعی تھا، اس نے پھولوں کی دکان کھول رکھی تھی۔

انڈر ورلڈ کا آدمی ہونے کے باوجود اسے کسی نفیس اور صاحب ذوق انسان کی طرح پھولوں سے بڑی محبت تھی، وہ اکثر دکان میں کئی ملازموں کی موجودگی میں بھی خود اپنے ہاتھوں سے پھولوں کی تراش خراش اور گلدستوں کی سجاوٹ میں لگا رہتا تھا۔

سگریٹ وہ نہیں پیتا تھا۔ شراب بھی بہت کم پیتا تھا، شام کو سیدھا گھر جاتا تھا۔ اس کی بیوی کا کہنا یہی تھا کہ وہ محبت کرنے والا، نرم مزاج اور بہترین شوہر تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کا ذکر بھی بڑی محبت سے کرتا تھا۔ جسے سخت ناپسند کرتا تھا، اس کے بارے میں بھی عاجزانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کرتا تھا۔ "بہت اچھا آدمی ہے۔ اس کی کیا بات ہے......!"

مگر یہی برنین جب غصے میں آتا تھا تو لگتا تھا کہ وہ ساری دنیا کو اپنے غصے کی آگ سے جلا کر بھسم کر دے گا۔ اس کے دل میں اگر اچانک کوئی خیال آتا تھا تو وہ اس پر عمل کر گزرتا تھا۔

ایک روز وہ اپنی بریوری سے نکلا تو اس نے کچھ دور دو پولیس والوں کو کچھ مشکوک سے انداز میں کھڑے دیکھا۔ اس روز گرمی بہت تھی اور پولیس والے پسینے میں تر ہو رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی بریوری کی "خفیہ" نگرانی کرنے کیلئے آئے تھے۔

برنین کو انہیں پسینے میں تر دیکھ کر بڑا ترس آیا، وہ انہیں بریوری کے اندر لے آیا حالانکہ اس وقت وہ کسی کام سے جا رہا تھا مگر وہ گویا اپنا کام بھول گیا اور پولیس والوں کی آؤ بھگت میں لگ گیا۔ انہیں ٹھنڈی بیئر پلائی، بڑی محبت سے ان کے ساتھ باتیں کیں۔ پولیس والے اسکی بریوری میں وارنٹ کے بغیر گھسنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ خود انہیں اپنے ساتھ اندر لے آیا تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ جب وہ ان کی خاطر مدارات سے فارغ ہو گیا تو اس نے انہیں بڑی فراخدلی سے دعوت دی کہ وہ چاہیں تو پوری بریوری میں اچھی طرح گھوم پھر کر دیکھ لیں، جو بھی چیز چیک کرنا چاہیں، اطمینان سے چیک کر لیں۔ پولیس والے اسکے طرز عمل پر حیران پریشان ہوتے رہے۔

پولیس والوں کو وہ کئی بار حیران کر چکا تھا۔ جس زمانے میں وہ نقب زن ہوا کرتا تھا۔ ایک بار گلیوں میں گشت کرنے والے پولیس والوں نے رات کے پچھلے پہر برنین کو دیکھا۔ وہ ایک لیٹر باکس پر چڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اور ویران گلی میں رات کے سناٹے میں گلا پھاڑ پھاڑ کر ایک گانا گا رہا تھا جبکہ اس کا نقب زنی کے اوزاروں کا تھیلا اس کے پیروں کے قریب رکھا ہوا تھا۔ کوئی صحیح الدماغ نقب زن ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے گویا چیخ چیخ کر پولیس والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی۔

ایک بار اس نے بازار میں گاؤں کی ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا۔ وہ کسی مال گاڑی پر سوار ہو کر نہ جانے کس چکر میں شہر آ گئی تھی اور مصائب کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کے جسم پر ناکافی لباس تھا اور وہ بھی جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا، بیچاری سخت ہراساں اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ دو چار اوباش اور لفنگے قسم کے لڑکے اسے تنگ بھی کر رہے تھے۔

برنین نے سب سے پہلے تو اوباش اور لفنگے لڑکوں کو گھونسے تھپڑ اور لاتیں رسید کر کے وہاں سے بھگایا پھر لڑکی سے اس کا احوال پوچھا۔ اتفاق سے اس وقت برنین کی جیب میں نقد رقم نہیں تھی، اس نے وہیں بازار میں کھڑے ہو کر اپنا ہیٹ بھکاریوں والے انداز میں ہاتھ میں لے کر لڑکی کیلئے باعزت لباس خریدنے کی غرض سے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ آخرکار اس نے لڑکی کو باعزت لباس پہنا کر اور کچھ نقد رقم دے کر ہی رخصت کیا۔

وہ جب اپنی پھولوں کی دکان میں ہوتا تھا تو خوش اخلاقی کا پیکر ہوتا تھا۔ گاہک کے قدموں میں بچھا جاتا تھا۔ گاہکوں سے چیک بھی قبول کر لیتا تھا۔ بعض لوگ اسے بوگس چیک بھی دے کر چلے جاتے تھے لیکن وہ بعد میں ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے بھی کسی قسم کی برہمی کا اظہار نہیں کرتا تھا۔

ایک رپورٹر نے تو ایک بار اخبار میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا بھی تھا کہ الکپون نہ جانے اس قسم کے پارٹنر کے ساتھ کیسے گزارا کر رہا تھا جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس وقت کیا کر گزرے۔

اس کا پھولوں کی دکان والا فون ٹیپ ہوتا تھا اور یہ بات برنین کو معلوم بھی تھی۔ عام حالات میں تو وہ بات چیت کرنے میں ذرا احتیاط کر بھی لیتا تھا لیکن غصے میں سب کچھ بھول جاتا تھا۔

ایک بار اس کے شراب کے ایک ٹرک کو دو پولیس والوں نے مشکوک قرار دے کر کہیں راستے میں روک لیا۔ سبھی کو معلوم تھا کہ زیادہ تر ٹرکوں میں ایسی ہی شراب جا رہی ہوتی تھی جس پر ٹیکس ادا نہیں کئے گئے ہوتے تھے خواہ ان پر لیبل کیسا ہی لگا ہوتا۔ یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ یہ تمام سلسلہ پولیس اور دوسرے لوگوں کی ملی بھگت سے چل رہا تھا۔

لیکن بعض ایسے پولیس والے جن کے حصے میں اوپر کی آمدنی میں سے کچھ نہیں آتا تھا، راستے میں شراب کے کسی ٹرک کو مشکوک قرار دے کر روک لیتے تھے اور سودے بازی کے بعد تھوڑا بہت "چائے پانی" انہیں بھی مل جاتا تھا۔

اسی چکر میں برنین کے ٹرک کو بھی روکا گیا تھا۔ برنین کے کارندے نے فون پر اسے اطلاع دی تو اس کا لہجہ ذرا تشویش زدہ تھا۔ "دو پولیس والوں نے ٹرک روک لیا ہے اور کچھ زیادہ ہی سختی دکھا رہے ہیں۔ میں نے انہیں ڈھائی سو ڈالر تک کی پیشکش کر دی ہے لیکن وہ تین سو ڈالر مانگ رہے ہیں۔"

"تین سو ڈالر......؟" برنین ایک دم غصے سے پھٹ پڑا۔ "ان کا دماغ تو ٹھیک ہے؟ اس سے آدھی رقم میں تو میں ان کا پتہ صاف کرا سکتا ہوں۔"

جو لوگ ٹیلیفون ٹیپ کرنے کی ڈیوٹی پر بیٹھے ہوئے تھے، وہ برنین کی غیظ و غضب سے بھری آواز میں یہ سن کر ڈر گئے۔ انہیں اندیشہ محسوس ہوا کہ برنین کہیں موقع پر ہی پولیس والوں کا کام تمام نہ کرا دے۔ انہوں نے فوراً متعلقہ پولیس اسٹیشن کو اطلاع دی کہ برنین کے منہ سے یہ بات سننے میں آئی ہے۔ چنانچہ ان دو پولیس والوں کے پاس کمک کے طور پر مزید پولیس فورس روانہ کی جائے۔

یہ دوسری بات تھی کہ مزید پولیس فورس کے پہنچنے سے پہلے ڈھائی سو ڈالر پر ہی سودا طے پا گیا اور کچھ دیر بعد برنین کے کارندے نے اطلاع دی کہ وہ ٹرک لے کر آگے روانہ ہو گیا ہے۔ بات صرف پچاس ڈالر کی تھی لیکن برنین کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس بات پر ہتھے سے اکھڑ جائے اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آئے۔

اپنے اسی غصے کے باعث برنین لین دین کے کسی جھگڑے میں ڈفی نامی ایک آدمی کو گولی مار کر ہلاک کر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد تناؤ کشیدگی اور کشمکش کی عجیب سی صورتحال پیدا ہو گئی۔ ڈفی دراصل جنا فیملی کا کارندہ تھا۔

شکاگو کا جو علاقہ ”لٹل اٹلی“ کہلاتا تھا، جنا فیملی کا اس پر راج تھا۔ جنا فیملی کو شکاگو کی ابتدائی مافیا فیملیز میں سے ایک کہا جاسکتا تھا۔ یہ کوئی خاص بڑی فیملی نہیں تھی۔ اس کی ساری طاقت درحقیقت صرف دو

بھائیوں کے ہاتھ میں تھی اور وہ دونوں ہی بڑے خونخوار تھے۔ زیادتی کی ابتدا انہی کی طرف سے ہوئی تھی۔ انہوں نے ان علاقوں میں بھی اپنی شراب فروخت کیلئے بھیجنی شروع کردی تھی جو پہلے برنین کیلئے مخصوص سمجھے جاتے تھے۔

ظاہر ہے یہ بات برنین کیلئے ناقابل برداشت تھی۔ برنین کے ہاتھوں جنا فیملی کا آدمی ڈی ڈی اسی چکر میں مارا گیا تھا مگر یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس طرح گویا جنا فیملی اور برنین کے درمیان دشمنی کا آغاز ہوگیا۔ ادھر چونکہ برنین کے ساتھ الکپون اور جان ٹوریو کا اتحاد تھا اس لئے جنا فیملی نے ان کا نام بھی خواہ مخواہ ہی اپنے دشمنوں کی فہرست میں لکھ لیا جبکہ اس سے پہلے ان کے درمیان اچھے خاصے خوشگوار تعلقات تھے۔

جان ٹوریو کافی حد تک امن پسند آدمی تھا۔ وہ خواہ مخواہ کی مصیبتیں مول لینے اور اپنے لئے بلاوجہ مسائل کھڑے کرنے کا قائل نہیں تھا، اس کے اور الکپون کیلئے یہی کافی تھا کہ وہ برنین جیسے مشتعل مزاج آدمی کو برداشت کررہے تھے جو اکثر کوئی نہ کوئی بڑا مسئلہ کھڑا کردیتا تھا۔ وہ دونوں اب جنا فیملی کے دو خونخوار بھائیوں سے محض برنین کی خاطر دشمنی مول لے کر گروہوں کے درمیان ایک خونریز جنگ شروع کرانا نہیں چاہتے تھے۔

جنگ تو شاید شروع ہو ہی چکی ہوتی مگر غنیمت یہ رہا کہ ان دنوں جنا فیملی سے تعلق رکھنے والے دونوں بھائی اپنے خاندان کے ایک شخص مائیک مرلو کو اپنے بزرگ اور سرپرست کا درجہ دیئے ہوئے تھے۔ وہ نہایت سرکش اور تند مزاج ہونے کے باوجود مائیک مرلو کا حکم مانتے تھے اور مائیک مرلو نے فی الحال انہیں برنین کو قتل کرنے سے روک دیا تھا۔ مائیک کو بھی اندازہ تھا کہ برنین کو قتل کرنے سے گروہوں کے درمیان خونریزی شروع ہوجائے گی۔

برنین کے خلاف جب جنا فیملی کی طرف سے کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوئی تو وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگیا کہ جنا برادرز اس سے مرعوب ہیں اور اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر پا رہے۔ اس خوش فہمی کے تحت وہ ایک قدم اور آگے بڑھ گیا، اس نے جنا فیملی کا شراب کا ایک ٹرک لوٹ لیا۔

یہ واردات خاصے فلمی انداز میں ہوئی۔ ایک سیاہ کار نے شراب کی بوتلوں سے بھرے ٹرک کا تعاقب کیا۔ ٹرک نے شہر سے باہر کا رخ کیا اور رفتار بڑھا کر نکل جانا چاہا مگر کار نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور فلمی انداز میں چیزنگ جاری رکھی۔

آخرکار شہر سے باہر جاکر کار نے ٹرک کو پیچھے چھوڑا اور کچھ دور جاکر سنسان سڑک پر اس طرح ترچھی ہوکر رک گئی کہ ٹرک کیلئے نکلنا ناممکن نہ رہا۔ ٹرک کافی بڑا تھا۔ کار سے چار آدمی شاٹ گنیں لئے اترے۔ ٹرک پر تین افراد موجود تھے، وہ بھی مسلح تھے لیکن انہوں نے فائر کرنے میں پہل نہیں کی۔ انہیں شاید گمان بھی نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اگر معاملہ صرف شراب ہی لوٹنے کا ہوتا تو شاید وہ مزاحمت بھی نہ کرتے۔

وہ شاید اس خیال سے بھی تعاقب کرنے والی کار پر فائر کرنے سے باز رہے کہ اس میں خفیہ پولیس یا ایف بی آئی کے آدمی نہ ہوں۔ انہیں کچھ جاننے کی مہلت نہیں مل سکی۔ وہ جونہی ٹرک سے اترے، پے درپے دھماکوں سے ویرانے کی فضا مرتعش ہوگئی، ان میں سے دو کی تو آدھی آدھی کھوپڑی اڑ گئی، ایک کارندے کے جسم میں پانچ گولیاں پیوست ہوگئیں اور اس کا پاؤں ٹرک کے پائیدان میں ہی پھنسا رہ گیا، وہ کچھ اس طرح ترچھا لٹکا ہوا تھا کہ اس کا سر سڑک پر تھا اور پاؤں اوپر تھے۔

ایک بندوق بردار نے اسے کھینچ کر سڑک پر پھینکا پھر دو بندوق بردار ٹرک میں سوار ہوئے اور اسے لے کر واپس شہر کی طرف چل دیئے، مزید دو بندوق بردار اسکی حفاظت کیلئے سیاہ گاڑی میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے جبکہ پانچواں ڈرائیو کررہا تھا۔

انڈر ورلڈ کے لوگوں کے معلومات کے اپنے ہی ذرائع ہوتے ہیں۔ پولیس اور خفیہ اداروں کو ان کے بعض معاملات کے بارے میں شاید کچھ معلوم نہ ہو لیکن انہیں ایک دوسرے کی سرگرمیوں اور حرکتوں کے بارے میں جلد یا بدیر سب کچھ معلوم ہوجاتا ہے، خواہ موقع کا کوئی گواہ موجود ہو یا نہ ہو۔

جنا برادرز کیلئے بھی یہ جاننا مشکل نہیں تھا کہ ان کے تین آدمیوں کو قتل کرنے اور شراب کا ٹرک لوٹنے والے کون تھے اور انہوں نے کس کے حکم پر ایسا کیا تھا۔ اسکے بعد ایک طوفان برپا ہوسکتا تھا لیکن جنا برادرز کی طرف بدستور ایک سکوت طاری رہا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں بھائی ان دنوں مائیک مرلو کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے جو کینسر سے مر رہا تھا۔ اسکی زندگی کے آخری دن چل رہے تھے۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے گا۔ جنا برادرز پوری طرح اس کی خبرگیری کررہے تھے اور باقی ہر بات گویا بھولے ہوئے تھے۔

مائیک مرلو ایک پڑھا لکھا، نہایت شائستہ، نفیس اور خوش لباس آدمی تھا۔ یہ بات کچھ عجیب سی لگتی تھی کہ وہ ایک مافیا فیملی کا سرپرست تھا اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ جنا برادرز جیسے وحشی نوجوان اس کا احترام کرتے تھے۔ وہ کچھ ایسا عمر رسیدہ بھی نہیں تھا۔ کینسر جیسے موذی مرض نے اسے موت کے منہ میں پہنچا دیا تھا ورنہ بظاہر تو ابھی اس کی مرنے کی عمر نہیں تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنا برادرز اب خود پر ضبط کئے اس کے مرنے کا انتظار کررہے تھے۔ انہوں نے شاید سوچ لیا تھا کہ اب انہیں جو کچھ بھی کرنا ہے، اس کے مرنے کے بعد ہی کرنا ہے۔

الکپون اور جان ٹوریو بھی اس حقیقت سے آگاہ ہوچکے تھے کہ برنین کے آدمیوں نے جنا برادرز کے تین آدمیوں کو قتل کرکے شراب کا ایک ٹرک لوٹا ہے۔ یہ حرکت ان کی نظر میں بھی قطعی اچھی نہیں تھی، انہیں معلوم تھا کہ برنین چونکہ ان کا ”اتحادی“ ہے اس لئے بات ان پر بھی آئے گی، کوئی یہ تسلیم نہیں کرے گا کہ برنین نے اتنا بڑا قدم ان کی تھپکی لئے بغیر اٹھالیا ہوگا۔

الکپون اور جان ٹوریو دونوں ہی محسوس کررہے تھے کہ برنین کا ساتھ ان کیلئے ایک بوجھ بنتا جارہا تھا اور بے مقصد طور پر انہیں بڑے بڑے خطرات کی طرف دھکیل رہا تھا۔ اسی دوران دو تین اور بڑے واقعات ایسے ہوئے جنہوں نے ان دونوں کو برنین کی طرف سے بالکل ہی بدظن کردیا۔

ایک واقعہ تو کچھ یوں تھا کہ جان ٹوریو نے اپنی ایک بریوری ڈیڑھ لاکھ ڈالر میں برنین کے ہاتھ فروخت کی۔ برنین نے اس کیلئے بیعانہ دے دیا مگر مقررہ تاریخ پر ادائیگی نہیں کی۔ صحیح معنوں میں انڈر ورلڈ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی اخلاقیات بعض معاملات میں عام ایماندار اور شریف شہریوں سے بھی بلند ہوتی ہیں، وعدہ خلافی ان کے ہاں بہت ہی سنگین جرم سمجھا جاتا ہے۔

تاہم جان ٹوریو نے اس سلسلے میں فوری طور پر کوئی سخت ردعمل ظاہر نہیں کیا اور برنین سے رقم کا تقاضا کرتا رہا۔ برنین ٹال مٹول کرتا رہا، وہ اس دوران اپنے گروہ کے ذریعے دوسروں کی شراب کے ٹرک لوٹنے میں لگا ہوا تھا اور خود اس کی اپنی بریوریاں بھی پیداوار دے رہی تھیں، شاید اس لئے وہ جان ٹوریو کی بریوری کی کچھ زیادہ ضرورت محسوس نہیں کررہا تھا لیکن انڈر ورلڈ میں وعدہ بہرحال وعدہ ہوتا ہے، اگر محض زبانی بھی کسی سے کوئی وعدہ کیا جائے تو اسے بھی پورا کرنے کیلئے جان لڑا دی جاتی ہے جبکہ یہ سودا تو باقاعدہ کاغذات پر طے ہوا تھا۔

اسی دوران ایک مزید بڑی بات یہ ہوئی کہ ٹیکس چوری کے سلسلے میں اس بریوری پر چھاپہ پڑ گیا اور اس پر تالا ڈال دیا گیا۔ نئے پولیس چیف کولنز پر بہت دباؤ تھا اور وہ بدمعاشوں کے خلاف کچھ کارکردگی دکھانا چاہتا تھا۔

اب جان ٹوریو اور برنین کے درمیان تلخی اور بڑھ گئی۔ جان کا مؤقف تھا کہ اگر برنین اسے صحیح وقت پر ادائیگی کرچکا ہوتا تو اب تک بریوری اس کی ملکیت ہوتی اور چھاپے کے مسائل اسے بھگتنا پڑتے جبکہ برنین اپنی جگہ خوش تھا کہ وہ ایک مصیبت سے بچ گیا، اگر وہ ادائیگی کرچکا ہوتا تو رقم بھی جاتی اور بریوری پر بھی تالا پڑا ہوتا۔ وہ اپنی اس خوشی کا باقاعدہ اظہار بھی کرتا تھا جو الکپون اور جان ٹوریو دونوں ہی کو برا لگتا تھا۔

بات پھر وہی آجاتی تھی کہ وعدہ بہرحال وعدہ تھا۔ برنین کو اب بھی ادائیگی کرکے بریوری اپنی ملکیت میں لینی چاہئے تھی۔ برنین یہ بات سن کر استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے الکپون اور جان ٹوریو سے کہتا تھا۔ ”کیا تم دونوں مجھے بالکل ہی پاگل سمجھتے ہو؟ ایک بریوری جس پر چھاپہ پڑچکا ہے اور جس پر تالا پڑا ہوا ہے میں اس کیلئے تمہیں ادائیگی کروں؟ کیا یہی کافی نہیں ہے کہ میں تم لوگوں سے اپنا بیعانہ واپس نہیں مانگ رہا؟ اخلاق اور اصولی طور پر تو تمہیں میرا بیعانہ واپس کردینا چاہئے مگر تم لوگوں میں اخلاقیات اور اصول پسندی کہاں؟“

الکپون کے مقابلے میں جان ٹوریو زیادہ صلح جو اور امن پسند آدمی تھا۔ وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے بولا۔ ”لیکن تم نے تحریری طور پر ادائیگی کی جو تاریخ دی تھی، اسکے بعد بھی کافی دنوں تک بریوری پر چھاپہ نہیں پڑا تھا، وہ کھلی تھی اور اس میں پروڈکشن ہورہی تھی۔“

”یہ تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ برنین بے پروائی سے بولا۔ ”میں تو اس وقت کی صورتحال دیکھوں گا جب تم مجھ سے رقم کا تقاضا کررہے ہو۔“

”یہ سنگین قسم کی وعدہ خلافی ہے، بات رقم کی نہیں اصول کی ہے۔“ الکپون کے لہجے میں ہلکی سی تنبیہ تھی۔ ”ہم نے آپس میں اتحاد ایک دوسرے کے کاروبار کو بڑھاوا دینے اور ایک دوسرے کے راستے میں حائل رکاوٹیں دور کرکے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کیلئے کیا تھا، جب ہم اتحادی ہی ایک دوسرے سے کئے ہوئے وعدے پورے نہیں کریں گے تو ہم دوسروں سے اپنے کسی ساتھی کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟“

”یہ اچھا اتحاد ہے کہ تم لوگ اپنے ساتھی کو ہی لوٹنے پر تلے ہوئے ہو۔“ برنین برا سا منہ بنا کر بولا۔

جان ٹوریو اب بھی تحمل سے کام لیتے ہوئے بولا۔ ”میں بریوری میں کام شروع کرادیتا ہوں، میری متعلقہ پولیس اسٹیشن کے انچارج سے بات ہوگئی ہے جو پہلے بھی ہمارے ہاتھوں بکا ہوا تھا لیکن بڑے افسروں کے دباؤ کی وجہ سے وہ آپریشن کے دوران ہمارے لئے کچھ نہیں کرسکا، اب معاملہ ٹھنڈا پڑچکا ہے، اب ایسا بندوبست ہوسکتا ہے کہ بریوری پر بدستور تالا پڑا رہے گا اور باہر دو پولیس والے اسی طرح پہرہ دیتے رہیں گے جس طرح اس وقت دے رہے ہیں لیکن اندر پروڈکشن شروع ہوجائے گی، ذرا ڈھکے چھپے انداز میں پچھلے گیٹ سے ٹرک آتے جاتے رہیں گے۔“

”آخر تم لوگ وہ بریوری میرے ہی سر کیوں منڈھنے پر تلے ہوئے ہو؟“ برنین گویا سخت بدمزہ ہوتے ہوئے بولا۔

”اس میں سر منڈھنے والی تو کوئی بات نہیں۔“ جان ٹوریو اب گویا ذرا سا برا مناتے ہوئے بولا۔ ”تم نے خود اصرار کرکے خریدی تھی اور ہم نے بھی اس لئے بیچ دی تھی کہ وہ ان علاقوں کے بالکل قریب ہے جہاں تمہارا مال جاتا ہے، تمہارے لئے اس کو خریدنے میں بہت فائدہ تھا بھی تو تمہاری اس پر رال ٹپکی تھی، ہمارے لئے اس کو چلانے میں سپلائی کے مسائل کی وجہ سے اخراجات بھی زیادہ ہیں اور خطرات بھی...... ہمیں زیادہ پولیس والوں اور دوسرے افسروں کو بھتے دینے پڑتے ہیں کیونکہ ہمارا مال وہاں سے زیادہ دور جاتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو، بہرحال میں اب اس بریوری کو خریدنے میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ میرے بیعانے کی رقم کو تم میری طرف سے تحفہ سمجھ کر رکھ سکتے ہو۔“ یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ شاہانہ ہوگیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ الکپون اور جان ٹوریو کو کوئی بڑی رقم خیرات کے طور پر دے رہا ہو۔

الکپون نے خاموشی سے مگر نہایت خوفناک نظروں سے برنین کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں موت رقصاں تھی لیکن برنین اپنے زعم میں رہنے والا آدمی تھا، وہ ایسی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔

بات ختم ہوگئی۔ جان ٹوریو نے بہرحال اپنی بریوری میں اپنے ارادے کے مطابق پروڈکشن شروع کرالی۔ مین گیٹ پر بدستور تالا پڑا رہا اور باہر دو پولیس والے بھی تعینات رہے لیکن اندر کام شروع ہوگیا۔ رات کے اندھیرے میں پچھلے گیٹ سے ٹرک آتے اور مال لے جاتے، متعلقہ پولیس اسٹیشن اور دیگر افراد کے علاوہ باہر ڈیوٹی دینے والے اہلکاروں کو بھی ان کا طے شدہ حصہ ملنے لگا اور کچھ دنوں کے تعطل کے بعد کاروبار دوبارہ چل پڑا۔

مگر جان ٹوریو کے ستارے ان دنوں گردش میں تھے۔ یہ سلسلہ زیادہ دن نہیں چل سکا، نیا پولیس چیف کولنز ایک ایماندار اور فرض شناس آفیسر تھا۔ شہر کی حالت پر اس کا دل کڑھتا تھا۔ جہاں تک اس کا بس چل رہا تھا، وہ سخت کارروائیاں کررہا تھا، اس نے فحاشی کے بہت سے اڈے، کئی بریوریز اور بہت سے سیلون بند کرادیئے تھے۔

جنا برادرز بھی اس کی کارروائیوں سے نہیں بچ سکے تھے۔ شراب کے کاروبار میں انہوں نے تو حد ہی کردی تھی۔ شہر میں الکوحل کی سب سے بڑی مقدار استعمال کرنے کے لائسنس ان کے پاس تھے جو انہوں نے نہ جانے کس طرح بہت پہلے حاصل کرلئے تھے اور انہوں نے شراب کی تیاری کو بہت ہی نچلی سطح تک پہنچادیا تھا۔

لٹل اٹلی کے علاقے میں جس اطالوی کے گھر میں بھی کوئی خالی گیراج یا فالتو کمرہ تھا، انہوں نے اسے اپنے شراب کے کاروبار میں شریک کرلیا اور اس کے گیراج یا خالی کمرے میں شراب کی بھٹی لگوادی۔ لٹل اٹلی کے بارے میں ان دنوں یہ مشہور تھا کہ اس کی بعض گلیوں سے تو محض گزرنے پر ہی نشہ ہوجاتا تھا۔ نیا پولیس چیف کولنز اس صورتحال پر بھی قابو پانے کی کوشش کررہا تھا لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اسے جس پولیس فورس سے کام لینا تھا، اس میں سے بیشتر کرپٹ تھی۔ انتظامیہ اور زیادہ تر سرکاری اداروں کا بھی یہی حال تھا۔

بہرحال جان ٹوریو کی بریوری پر ایک رات اچانک چھاپہ پڑ گیا گو کہ اس کے مخبر اور وظیفہ خوار ہر جگہ موجود تھے لیکن اس چھاپے کے بارے میں کوئی بھی اسے پیشگی خبردار نہیں کرسکا۔ کولنز خود اس چھاپے کی نگرانی کررہا تھا۔ اسے سرکاری طور پر بند کی گئی ایک بریوری میں باقاعدہ پہلے ہی کی طرح شراب بنتے دیکھ کر اتنا غصہ آیا کہ اس نے باہر نگرانی پر کھڑے دونوں پولیس اہلکاروں کی پیٹیاں اور بیج خود کھینچ کھینچ کر اتارے اور انہیں دو دو تھپڑ بھی رسید کئے، اس نے متعلقہ پولیس اسٹیشن کے انچارج کو بھی اسی وقت معطل کردیا اور اس کی جگہ اپنے ہی جیسے ایک دیانتدار پولیس آفیسر کیپٹن مائیکل کو تعینات کیا۔

اس کارروائی میں الکپون اور جان ٹوریو بھی پکڑے گئے۔ جب وہ دونوں پولیس کی حراست میں ہیڈ کوارٹرز پہنچے تو انہوں نے برنین کو بھی وہاں موجود پایا۔ پتہ چلا کہ وہ بھی پکڑ دھکڑ کی زد میں آگیا تھا لیکن اسے محض پوچھ گچھ کیلئے لایا گیا تھا۔

وہ بے فکری سے سیٹی بجاتا ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا، اسکے ساتھ کوئی خاص سختی نہیں برتی جارہی تھی۔ الکپون اور جان ٹوریو کے دل میں اسی وقت شک بیٹھ گیا کہ جان کی بریوری کے بارے میں برنین نے مخبری کی تھی، وہ غداری کررہا تھا اور دوست کے روپ میں دشمن تھا۔ وہ آستین کا سانپ ثابت ہورہا تھا۔

پولیس چیف کولنز اور کیپٹن مائیکل اس وقت وہاں نہیں تھے۔ برنین نے اپنی جیب سے پیسے دے کر بہت سے پولیس والوں کیلئے باہر سے کھانا بھی منگایا، وہ یوں مطمئن اور بے فکر دکھائی دے رہا تھا جیسے پکنک پر آیا ہو۔ الکپون اور جان ٹوریو کو یقین ہوگیا کہ اسے محض دکھاوے کیلئے پکڑا گیا تھا۔

الکپون کی تو دوسرے روز ضمانت ہوگئی۔ اس پر کوئی خاص سنگین الزام نہیں تھا، برنین کو ویسے ہی چھوڑ دیا گیا لیکن جان ٹوریو کو ایک سال قید کی سزا ہوگئی۔

جان ٹوریو کا غصے سے برا حال تھا۔ وہ تو غنیمت تھا کہ الکپون سارے کاروبار کو سنبھالنے کیلئے باہر موجود تھا ورنہ سب کچھ ٹھپ ہوجاتا۔ جان ٹوریو کے جرائم کے مقابلے میں ایک سال کی سزا کچھ بھی نہیں تھی لیکن کاروبار کی نگرانی کیلئے اگر ایک بھی سربراہ موجود نہ ہوتا تو کاروبار کے ٹھپ ہونے کیلئے ایک سال کافی تھا۔

الکپون نے جیل میں جان ٹوریو سے ملاقات کی۔ جیل میں بھی انہیں سر جوڑ کر مشورہ کرنے کا موقع مل گیا، واپس آکر الکپون نے ایک بار پھر نیویارک سے بیل کو بلا بھیجا۔ ایک بار پھر اس کی ضرورت آن پڑی تھی۔ مقصد وہی تھا جس کیلئے اسے پہلے زحمت دی گئی تھی۔ اس وقت وہ بگ جم کیلئے فرشتۂ اجل بن کر آیا تھا۔

اسی دوران جنا برادرز کا سرپرست مائیک مرلو اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ کینسر نے آخرکار اس کی جان لے لی، اسکی آخری رسوم بڑی شان وشوکت سے انجام پائیں۔ ہزاروں افراد اس کے جنازے میں شریک ہوئے جن میں خاصے بڑے سیاستدان اور سرکاری عہدیدار بھی موجود تھے۔

الکپون بھی تدفین میں شریک ہوا۔ جان ٹوریو نے جیل ہی میں بیٹھے بیٹھے ہدایات دے کر اس کی قبر کیلئے ہزاروں ڈالر کے پھول بھجوائے۔ الکپون کی طرف سے بھی ہزاروں ڈالر کے پھول آئے تھے۔ مائیک مرلو کا جنازہ دیکھ کر لگتا تھا کہ شہر کا کوئی بڑا آدمی مرگیا ہے۔ سیکڑوں گاڑیاں اسکے جنازے کے ساتھ چل رہی تھیں جبکہ اس زمانے میں گاڑیاں بہت کم لوگوں کے پاس ہوتی تھیں۔

تدفین ہوچکی اور پادری دعائیں پڑھ چکے تو جنا برادرز مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں رخصت کرنے لگے۔ الکپون بھی رخصت ہونے کیلئے مصافحہ کرنے آیا تو جنا برادرز نے اسے رکنے اور ایک طرف کھڑے ہونے کا اشارہ کردیا۔ ان کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ الکپون سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام انجلو اور دوسرے کا مائیک تھا۔ جنا ان کا خاندانی نام تھا۔ ویسے تو ان کا ایک تیسرا بھائی ٹونی بھی تھا لیکن وہ زیادہ تر پس منظر میں ہی رہتا تھا، فیملی میں اس کا نام اتنا نمایاں نہیں تھا۔

تمام مہمان رخصت ہوچکے تو انجلو نے الکپون کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”تمہارے آدمی نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔“

وہ الکپون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہا تھا۔ تینوں بھائیوں میں انجلو سب سے زیادہ خونخوار اور غصہ ور تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے یہ بات کہنے کیلئے مائیک مرلو کے قبر میں اترنے کا انتظار تھا۔

الکپون نے بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائے بغیر گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”وہ اب ہمارا آدمی نہیں رہا۔“

انجلو کو گویا خفیف سا دھچکا لگا۔ اس کی آنکھوں میں سفاکی کی جگہ ہلکی سی حیرت جھلک آئی۔

”تمہارا مطلب ہے کہ اگر اسے سزا دی گئی تو تم اور جان ٹوریو اسے بچانے یا اس کی موت کا بدلہ لینے کی کوشش نہیں کروگے؟“ انجلو نے تصدیق چاہی۔

”ہرگز نہیں...... جان ٹوریو تو شاید خود اسی کی وجہ سے جیل میں ہے، ہم تو خود برنین کے بارے میں ایک اہم فیصلہ کرچکے ہیں۔“ الکپون نے تقریباً صاف طور پر بتادیا۔ انجلو اس کا مطلب آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔

”ہم ہر کارروائی میں تمہارے شانہ بشانہ ہیں۔“ انجلو نے دوبارہ اس سے یوں ہاتھ ملایا جیسے ان کے درمیان کوئی معاہدہ طے پارہا ہو۔

”اس کا گروہ خاصا بڑا ہے۔ اس میں بہت سے قاتل اور گن مین ہیں۔ ہمیں ردعمل کا سامنا کرنے کیلئے تیار رہنا پڑے گا۔“ الکپون نے احساس دلایا۔

”اگر تم نے اور جان ٹوریو نے اس کی سرپرستی ترک کردی ہے تو پھر ہم اس کے سارے گینگ کو دفن کرسکتے ہیں۔“ انجلو کے لہجے میں اسکی مخصوص سفاکی جھلک آئی۔

الکپون نے مدبرانہ سے انداز میں سر ہلایا اور انہیں خدا حافظ کہہ کر واپس روانہ ہوگیا۔

10 نومبر 1924ء کو پیر کے دن ساڑھے گیارہ بجے برنین اپنی فلاور شاپ میں موجود تھا۔ وہ ایک خاصی بڑی دکان تھی جس میں کاؤنٹرز اور شوکیسوں میں سلیقے اور قرینے سے طرح طرح کے پھول مختلف انداز میں سجے ہوئے تھے۔

ایک تنگ سا راستہ دکان کے پچھلے حصے کی طرف جاتا تھا جو ایک طرح کا ورک روم تھا، وہاں پھولوں اور ٹہنیوں کی کاٹ چھانٹ اور گلدستوں وغیرہ کی تیاری کا کام ہوتا تھا، وہیں سے تنگ سا ایک بل کھاتا زینہ اوپر جارہا تھا، اوپر چھوٹا سا آفس تھا جس میں دکان کا منیجر بیٹھتا تھا جو اکاؤنٹینٹ کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔

برنین اس وقت ورک روم میں تھا اور بڑی محبت اور انہماک سے کچھ پھولدار ٹہنیوں کی کاٹ چھانٹ اپنے ہاتھ سے کررہا تھا۔ ایک سیاہ فام ملازم دکان کے فرش کی صفائی کرکے فارغ ہی ہوا تھا کہ تین آدمی دروازہ کھول کر اندر آئے۔ ان میں سے ایک دراز قد اور کلین شیو تھا، دو ذرا چھوٹے قد کے تھے لیکن کرخت صورت اور سخت جان معلوم ہوتے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز سن کر برنین خود ہی سامنے والے حصے میں آگیا اور حسب عادت اس نے اجنبیوں سے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں بڑی سی قینچی اور کچھ پھول تھے۔

دراز قد اجنبی بیل تھا۔ اس نے برنین کا صرف ہاتھ ہی نہیں بلکہ بازو بھی مضبوطی سے پکڑ لیا۔ دوسرے دو، جنا برادرز کے آدمی تھے، ان کے نام جون اور البرٹ تھے۔ برنین انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ انہوں نے پھرتی سے اپنے ریوالور نکال لئے۔

دوسرے ہی لمحے اندر موجود ملازم نے پے درپے پانچ فائروں کی آواز سنی۔ دو گولیاں برنین کے سینے میں پیوست ہوگئیں۔ دو گردن سے گزر گئیں اور پانچویں نے اس کا جبڑا ایک طرف سے اڑادیا، ایک لمحے کے توقف کے بعد چھٹے فائر کا دھماکا بھی گونجا۔ برنین کی موت کو یقینی بنانے کیلئے یہ گولی اس کی کھوپڑی میں ماری گئی تھی۔

(جاری ہے)

الکپون

ترجمہ : محمود احمد مودی

قسط : 10

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز سچی کہانی

ماضی کا ایک کردار جو کسی نہ کسی روپ میں جنم لیتا رہتا ہے

دکان کے پچھلے حصے میں اس وقت تین اور ملازمین بھی موجود تھے لیکن وہ فائرنگ کی آواز سنتے ہی پچھلا دروازہ کھول کر بھاگ گئے۔ صرف صفائی کرنے والے سیاہ فام ملازم نے درمیانی دروازہ کھول کر ڈرتے ڈرتے دکان کے اگلے حصے میں جھانکا۔ اس نے برنین کو خون میں لت پت، فرش پر پڑے دیکھا۔ اسی لمحے تین آدمی دکان سے باہر جارہے تھے لیکن وہ ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا۔

یہی مسئلہ پولیس کو بعد میں بھی درپیش رہا۔ قاتلوں کو کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ برنین نے دیکھا تھا مگر وہ مر چکا تھا۔ قاتل جب پھولوں کی دکان سے نکلے تو فٹ پاتھ کے ساتھ لگی ہوئی ایک کار ان کی منتظر تھی جس کا انجن اسٹارٹ تھا۔ یہ تو کوئی نئی بات نہیں تھی۔ نئی بات یہ تھی کہ وہاں چھ اور کاریں موجود تھیں جن کے انجن اسٹارٹ تھے۔

وہ کچھ اس طرح سڑک پر آگئیں کہ ٹریفک رک گیا۔ جب تک قاتلوں کو لے جانے والی کار غائب نہیں ہوگئی تب تک ان چھ کاروں نے ٹریفک روکے رکھا تاکہ کوئی اس کار کا تعاقب نہ کرسکے۔ جب وہ کار غائب ہوگئی جس میں تین افراد دکان سے نکل کر بیٹھے تھے تو یہ چھ کاریں بھی سیدھی ہوگئیں اور ٹریفک میں شامل ہوکر چند لمحوں بعد ادھر ادھر ہوگئیں۔

کیپٹن ہل اس کیس کا انچارج مقرر ہوا۔ وہ ایک دیانتدار پولیس آفیسر تھا۔ اس نے تفتیش کے سلسلے میں کافی بھاگ دوڑ کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ جس پر اسے شک تھا، اس نے ان تمام لوگوں سے پوچھ گچھ کی لیکن ہر ایک معصوم اور انجان بنا ہوا تھا۔ کیپٹن ہل کے پاس انہیں جھوٹا ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

برنین کے گروہ کے لوگ سخت غصے میں تھے۔ ان میں ایک سے ایک بڑھ کر خطرناک اور خونخوار آدمی شامل تھا۔ وہ قسمیں کھا رہے تھے کہ برنین کے قتل کا بدلہ لیں گے۔ خود برنین بھی کوئی کم خطرناک آدمی نہیں تھا۔ اخبارات تو اسکے بارے میں صاف طور پر لکھ چکے تھے کہ وہ غیر رسمی طور پر انڈر ورلڈ کا بادشاہ تھا..... مگر انڈر ورلڈ کا یہ بادشاہ اس وقت تدفین و تدفین کرنے والے ایک ادارے میں، ایک قیمتی تابوت میں لیٹا ہوا تھا اور اپنے منہ پر سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتا تھا۔

دیانتدار میئر ڈیور پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ سارے بدمعاشوں، قاتلوں، دہشت گردوں اور گروہ بازوں کو جیل میں ڈال دے یا شہر سے نکال باہر کرے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ برائی جب پھیل جاتی ہے، خوب طاقتور ہوجاتی ہے تو ایک عفریت کی طرح ہو جاتی ہے جو دیانتداروں کے قابو میں بھی نہیں آتا۔ تفتیش کے سلسلے میں اس نے بڑے سخت احکام جاری کئے تھے اور کہا تھا کہ پوچھ گچھ کے سلسلے میں اگر پولیس کسی بدمعاش کو حراست میں لینے کے لئے جائے اور وہ مزاحمت کرے تو اسے موقع پر ہی گولی ماردی جائے۔

اس حکم کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کسی بدمعاش کو بھلا مزاحمت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ اطمینان سے پولیس کی تحویل میں جاتا تھا، پوچھ گچھ کے مراحل سے گزرتا تھا۔ اپنی بے گناہی کی سچی یا جھوٹی شہادتیں پیش کرتا تھا اور اس کا وکیل چند گھنٹوں کے اندر اندر اسے چھڑا کر لے جاتا تھا۔

آخر کار دیانتدار پولیس چیف کولنز کو بھی شکست خوردہ سے انداز میں کہنا پڑا۔ ”قاتل صرف اسی صورت میں پکڑے جاسکتے ہیں کہ قسمت ہم پر غیر معمولی حد تک مہربان ہوجائے یا پھر ہمیں غیر معمولی اختیارات حاصل ہوجائیں۔“

چونکہ اس طرح کا کوئی معجزہ رونما نہیں ہوسکا اسلئے شہر کے حالات وہی رہے۔ شراب بکتی رہی، ٹیکس چوری کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا رہا، گولیاں چلتی رہیں، بدمعاش ایک دوسرے کو، یا پھر شریف شہریوں کو سبق سکھاتے رہے۔ کبھی کسی گندے نالے میں، کبھی کسی گندی گلی میں کوئی لاش ملتی رہی۔ سب کچھ جوں کا توں رہا۔ شہر کا نظام چلتا رہا۔ زندگی اسی حال میں رواں دواں رہی۔ وقت گزرتا رہا۔

☆----☆----☆

جان ٹوریو صرف تین ماہ جیل میں رہا۔ سزا کے طور پر یہ عرصہ چھ ماہ شمار ہوتا تھا۔ اس کی سزا میں تخفیف بھی ہوگئی تھی اور پھر بہت نرم شرائط پر وہ پیرول پر رہا ہوگیا۔

اس دوران ایک خاص واقعہ یہ رونما ہوا کہ پولیس نے ان کا کلب ”فور ڈیوسز“ مستقل بنیادوں پر بند کردیا۔ پولیس کو کچھ ایسی شہادتیں مل گئی تھیں جن کی بنیاد پر وہ کلب کو بند کرانے میں کامیاب ہوگئی حالانکہ اب وہاں بیشتر معیوب دھندے بند ہوگئے تھے۔ وہ صرف الکپون اور جان ٹوریو کے ہیڈ آفس کا کام دے رہا تھا۔

اس کے بند ہونے سے الکپون کے لئے کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس نے وہاں سے صرف دو بلاک کے فاصلے پر ایک عمارت کرائے پر لی۔ اس پر جو بورڈ آویزاں کیا گیا اس پر لکھا تھا:

ڈاکٹر اے براؤن، ایم ڈی

اس کے اندر پہنچ کر یہی لگتا تھا کہ وہ کسی بڑے ڈاکٹر کا آفس ہے۔ ایک بڑا سا ویٹنگ روم تھا جس میں انتظار کرنے والوں کیلئے بہت سی کرسیاں اور ریسپشنسٹ کی میز بھی تھی۔ ایک تپائی پر پرانے رسالے بھی رکھے تھے۔ ڈاکٹر کے کمرے میں معائنے کے آلات کے علاوہ دیوار پر فریم شدہ ڈگری بھی آویزاں تھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہاں کوئی ڈاکٹر مریضوں کو دیکھتے نہیں آتا تھا۔ وہ درحقیقت الکپون اور جان ٹوریو کا ہیڈ آفس تھا۔

تمام ضروری کام وہیں ہوتے تھے۔ نئے پرانے گاہکوں سے میل ملاقات، سودے بازیاں، حساب کتاب، مال کے نمونوں کی چیکنگ، سب کچھ یہیں ہوتا تھا۔ گوزک اس آفس کا منتظم تھا۔ جان ٹوریو نے ایک بار پھر اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ الکپون نے اس کی غیر موجودگی میں سب کچھ سنبھالے رکھا۔ کام رکنے نہیں دیا، حتیٰ کہ ہیڈ آفس بند ہونے کے بعد اس کا متبادل بھی تیار کرلیا۔ اس نے صاف طور پر اعتراف کرلیا کہ اگر وہ جیل سے باہر ہوتا تو شاید یہ سب کچھ وہ بھی نہ کرپاتا۔

جیل سے باہر آتے ہی وہ بیوی کو ساتھ لے کر بہت سے دور دراز تفریحی مقامات کی سیر کو نکل گیا۔ جیل میں گو کہ اس نے کوئی بے آرامی نہیں اٹھائی تھی لیکن اس کے لئے کچھ عرصے جیل میں رہنا ہی گویا بہت کوفت کی بات تھی چنانچہ اب وہ اس کی تلافی کرنے نکل کھڑا ہوا تھا۔

اس دوران دوسری خاص بات یہ ہوئی تھی کہ برنین کے گروہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ برنین کو الکپون اور جان ٹوریو نے مروایا تھا۔ مگر الکپون اور جان اس بات سے بے خبر تھے کہ برنین کے گروہ نے یہ اندازہ لگالیا ہے۔ ان کے خیال میں برنین کے گروہ کے کوڑھ مغز اور خرد ماغ لوگ قیامت تک بھی اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے تھے..... لیکن یہ ان کے اندازے کی غلطی تھی۔

برنین کے گروہ نے الکپون اور جان ٹوریو کو قتل کرنے کی ٹھان لی تھی۔ جان ٹوریو تو اس لئے بچ گیا کہ وہ بیرون ملک دورے پر نکل گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے شہر میں موت اسے ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔

جنوری 1925ء کی صبح الکپون کی گاڑی ایک سڑک سے گزر رہی تھی کہ عقب سے ایک بڑی سی کار تیزی سے آئی اور الکپون کی گاڑی کے آگے آکر اس طرح ترچھی ہوکر رک گئی کہ الکپون کے ڈرائیور کو گاڑی فٹ پاتھ کے قریب کرکے روکنی پڑی۔

جس گاڑی نے انہیں رکنے پر مجبور کیا تھا، اس کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے اور نمبر پلیٹ کو کسی چیز سے چھپادیا گیا تھا۔ اس گاڑی سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ الکپون کی گاڑی کے شیشے چکنا چور ہوگئے اور گاڑی میں متعدد سوراخ ہوگئے۔

الکپون اس لئے بچ گیا کہ وہ اس گاڑی میں تھا ہی نہیں۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ چند منٹ پہلے ہی راستے میں گاڑی رکوا کر اپنے ایک ریسٹورنٹ کا معائنہ کرنے کے لئے اتر گیا تھا اور اس نے گاڑی کو آگے روانہ کردیا تھا۔

گاڑی میں پچھلی سیٹوں پر اس کے دو کزن اور آگے ڈرائیور تھا۔ اسکے کزن بھی معجزانہ طور پر بالکل محفوظ رہے۔ انہیں خراش تک نہیں آئی۔ پہلے فائر کی آواز سنتے ہی وہ سیٹوں سے نیچے گر کر فرش سے چپک گئے تھے۔

ڈرائیور نے اتر کر بھاگنے کی کوشش کی تھی۔ شاید اس لئے ایک گولی اس کی پیٹھ میں لگ گئی۔ اس کے فوراً بعد ہی وہ گاڑی کی اوٹ میں اوندھا لیٹ گیا تھا۔ اس لئے مزید کوئی گولی کھانے سے بچ گیا۔ گاڑی کی حالت دیکھنے کے بعد پولیس کو بھی الکپون کے کزنوں کے بچ جانے پر حیرت ہوئی تھی۔

اس واقعے میں الکپون کا کچھ بگڑا تو نہیں..... لیکن وہ اندر سے ہل کر رہ گیا۔ اس سے پہلے نہ جانے کیوں وہ کچھ زیادہ ہی خود اعتمادی کا شکار ہوگیا تھا اور محسوس کرنے لگا تھا کہ شاید اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کی یہ خوش فہمی رفع ہوگئی۔

فوراً ہی اس نے خصوصی آرڈر پر ایک غیر معمولی کیڈلک تیار کرائی۔ اسکی تیاری میں خاص اسٹیل اور بلٹ پروف شیشہ استعمال کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے الکپون کے پاس جو کیڈلک سیڈان تھی، اس کا وزن دو ٹن اور قیمت سات ہزار ڈالر تھی مگر اب اس نے اپنے لئے جو خاص بلٹ پروف گاڑی تیار کرائی تھی، اس کا وزن سات ٹن اور قیمت بیس ہزار ڈالر تھی۔

یہ اس کی زندگی کی پہلی بلٹ پروف گاڑی تھی۔ اس کے بعد اس نے زندگی بھر بلٹ پروف گاڑیوں میں ہی سفر کیا۔

اس واقعے نے جان ٹوریو کو بھی قدرے ہوشیار ہونے پر مجبور کردیا لیکن اتنا نہیں جتنا اسے ہونا چاہئے تھا۔

تقریباً دو ہفتے بعد وہ اپنی لنکن میں بیوی کے ساتھ گھر واپس آرہا تھا۔ پچھلے دو تین گھنٹوں کے دوران اس نے اپنے کچھ ضروری کام نمٹائے تھے جبکہ اس کی بیوی نے اس دوران بہت سی شاپنگ کرلی تھی۔ پھر وہ اکٹھے گھر کی طرف واپس روانہ ہوئے تھے۔

جان ٹوریو ایک وسیع اپارٹمنٹ میں رہ رہا تھا۔ اس کی گاڑی گلی میں داخل ہوئی تو اسے اندازہ نہیں ہوسکا کہ کونے پر، اس کے اپارٹمنٹ کی سیدھ میں ایک طرف کو ایک کیڈلک کس مقصد سے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کیڈلک ایک گھٹے سے وہاں اسی طرح مختصر سے انداز میں کھڑی ہوئی تھی۔

گاڑی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے رکی تو اس کی بیوی اینا نے شوہر کے اترنے کا انتظار نہیں کیا اور مختلف چیزوں کے کئی ڈبے دونوں بازوؤں پر اٹھائے عمارت کی لابی کی طرف چل دی۔ ان کا اپارٹمنٹ سامنے ہی چند سیڑھیوں کی بلندی پر تھا۔

عمارت کی لابی میں پہنچ کر اینا نے گھوم کر دیکھا، اس کا شوہر بھی گاڑی سے اتر چکا تھا اور اس کے بازوؤں پر بھی بہت سے ڈبے تھے۔ ان میں بھی اینا ہی کی خریدی ہوئی چیزیں تھیں۔ جان ٹوریو پاؤں سے گاڑی کا دروازہ بند کرچکا تھا اور اپنی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا جب اینا نے دور سے دیکھا کہ کونے پر کھڑی ہوئی سرمئی کیڈلک سے دو آدمی تیزی سے اترے تھے۔

ان میں سے ایک کے ہاتھوں میں شاٹ گن تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کا بھاری ریوالور۔ ان کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے جان ٹوریو کے پوری طرح کھلی جگہ میں آنے کا انتظار نہیں کیا اور فوراً ہی فائرنگ شروع کردی۔

جان ٹوریو کی گاڑی اسکی ڈھال بن گئی۔ فوری طور پر اسے تو کوئی گولی نہیں لگی لیکن گلی میں آتے جاتے، پاس پڑوس کے دو افراد گولیوں کی زد میں آگئے۔ اینا ذرا دور سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اور دہشت سے اپنی جگہ بت بن کر رہ گئی تھی۔ اس کا منہ چیخنے کے لئے کھلا تھا لیکن چیخ برآمد نہیں ہوسکی تھی۔

جان ٹوریو نے فوری طور پر سارے پیکٹ اور ڈبے وہیں پھینکے اور تیزی سے گھر کی طرف دوڑا۔ اس کی ٹانگیں چھوٹی تھیں مگر موت کے خوف نے اسے برق رفتاری سے دوڑنے پر مجبور کردیا تھا۔ صرف چھ قدم کا فاصلہ طے کرکے وہ کھلی جگہ میں پہنچ گیا یعنی صاف طور پر نشانے پر آگیا۔

برنین کے گروہ کے جس آدمی کے ہاتھ میں شاٹ گن تھی اس کا نام ولیس تھا۔ ریوالور والا موران تھا۔ ڈینی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے بیٹھا تھا۔ موران کے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی جان ٹوریو کے بازو میں لگی جس نے اسے گھما دیا۔ اب وہ الٹے قدموں اپنے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہا تھا اور ساتھ ہی اپنی گن نکالنے کی کوشش کررہا تھا۔

لیکن اسی دوران ولیس کی شاٹ گن سے پے در پے چار فائر ہوئے، ایک گولی جان ٹوریو کے جبڑے اور گردن کا کچھ حصہ اڑاتی ہوئی گزری۔ تین گولیاں اس کے سینے اور پیٹ میں لگیں۔ مجموعی طور پر اسے پانچ گولیاں لگیں۔ وہ سڑک پر گر گیا۔

موران دوڑ کر آیا اور اس نے اپنے ریوالور کی نال اس کے سر پر رکھ دی۔ بدمعاشوں اور دہشت گردوں کے گروہوں کے پیشہ ور، سفاک قاتل اور ماہر نشانہ باز جب کسی کو ہدف بناتے تھے تو اسے خواہ کتنی ہی گولیاں لگ جاتیں لیکن وہ اس کی موت کو سو فیصد یقینی بنانے کیلئے اسکے سر پر گولی مارنے کی کوشش ضرور کرتے تھے جو عموماً آخری ہوتی تھی۔

اس وقت موران بھی گویا اپنا کام سو فیصد یقینی طور پر مکمل کرنے آیا تھا لیکن اس نے ٹریگر دبایا تو اسے پتہ چلا کہ اس کا ریوالور خالی ہوچکا تھا۔ ولیس کی شاٹ گن بھی خالی ہوچکی تھی۔

انہوں نے جلدی سے اپنی گنیں دوبارہ لوڈ کرنے کی کوشش کی لیکن اسی دوران ایک وین ذرا تیزی سے موڑ کاٹ کر گلی میں داخل ہوئی۔ اسی لمحے ڈینی نے بھی عجلت آمیز سے انداز میں انہیں ہارن دیا۔ وہ کچھ تشویش کا شکار ہوگئے اور گنیں دوبارہ لوڈ کرنے کا ارادہ ملتوی کرکے گاڑی کی طرف واپس بھاگے۔

جان ٹوریو اپنے اپارٹمنٹ کی طرف گھسٹنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ چہرہ بگڑا ہوا اور خون میں لتھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ ولیس اور موران پھرتی سے گاڑی میں بیٹھے اور گاڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوگئی۔

اینا اس وقت بھی دہشت زدہ سے انداز میں منہ کھولے اپنی جگہ کھڑی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ گلی میں داخل ہونے والی وین والٹر کی تھی۔ وہ ایک لانڈری شاپ کا مالک تھا اور اس وقت اپنی لانڈری وین میں ہی آرہا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھا اور کافی حد تک صورتحال کو سمجھ گیا۔

وہ ایک دلیر آدمی تھا۔ اس نے جائے وقوعہ سے تیزی سے روانہ ہونے والی کیڈلک کا تعاقب شروع کردیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے اور اس پر کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔

وہ زیادہ دیر گاڑی کا تعاقب جاری نہیں رکھ سکا۔ گاڑی بہت تیز رفتار تھی۔ بہت جلد اسے پیچھے چھوڑ کر غائب ہوگئی۔ اس کی وین بڑی تھی۔ وہ کئی جگہ چند لمحوں کے لئے پھنس گیا اور پھر اس کی وین رفتار میں بھی کیڈلک کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

اسی دوران اینا ٹوریو گویا کسی دہشت ناک خواب سے چونکی اور اپنے بازوؤں پر اٹھائے ہوئے ڈبے وغیرہ پھینک کر دوڑ کر اپنے شوہر کے پاس آئی۔ وہ اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے گھسیٹتی ہوئی عمارت کی لابی میں لے گئی جو اس وقت باہر کے مقابلے میں کافی محفوظ جگہ معلوم ہو رہی تھی۔

کسی نے پولیس کو فون کردیا۔ جلد ہی دو پولیس والے اور ایک ایمبولینس آن پہنچی۔ جان ٹوریو کو جلدی سے اسپتال پہنچایا گیا۔ کسی نے الکپون کو بھی جان ٹوریو کے شدید زخمی ہونے کی اطلاع دے دی۔ وہ سخت وحشت زدگی کے سے عالم میں اسپتال پہنچا۔

وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔ ”یہ گینگ کی حرکت ہے..... یہ گینگ کی حرکت ہے.....“

اسپتال میں اسسٹنٹ اسٹیٹ اٹارنی بھی موجود تھا۔ اس کا نام جون سبارو تھا۔ سرکاری عہدیدار ہونے کے ساتھ ساتھ نجی حیثیت میں وہ تجہیز و تدفین کرنے والا ایک ادارہ بھی چلاتا تھا۔ گروہوں کی آپس کی لڑائیوں میں مرنے والے زیادہ تر کارندوں کی تجہیز اور تدفین اسی کا ادارہ کرتا تھا۔

اس نے الکپون کی بڑبڑاہٹ سن لی اور پوچھا۔ ”تمہارا اشارہ کس گینگ کی طرف ہے؟“

تب الکپون کو احساس ہوا کہ اس سے بے احتیاطی سرزد ہوگئی ہے۔ یہ چیز گروہوں کے ڈسپلن یا ان کی ”اخلاقیات“ کے خلاف تھی۔ وہ لوگ اپنے اوپر حملہ کرنے والوں کے بارے میں کبھی کوئی خیال ظاہر نہیں کرتے تھے۔ وہ اگر حملہ آوروں کو پہچان لیتے تھے تب بھی ان کا نام نہیں لیتے تھے اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی اشارہ دیتے تھے۔ وہ اپنے جھگڑے خود ہی نمٹاتے تھے۔ اپنے حساب خود ہی بے باق کرتے تھے۔ اپنے ایسے معاملات میں پولیس کو ملوث کرنا وہ اپنی توہین سمجھتے تھے۔

جون سبارو کے پوچھنے پر الکپون کا چہرہ فوراً سپاٹ ہوگیا اور وہ جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ ”میں نے تو کسی گینگ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ تم کس گینگ کی بات کررہے ہو؟“

اس کے بعد جون سبارو نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

جان ٹوریو کی حالت خراب تھی۔ اس کے بچنے کی امید نظر نہیں آرہی تھی۔ بہرحال ڈاکٹر اپنی سی کوشش کررہے تھے۔ جرائم پیشہ گروہوں کے قاتل اور نشانے باز زیادہ تر تسلی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے بارے میں ایک بات یہ بھی مشہور تھی کہ وہ اپنی گنوں میں جو گولیاں استعمال کرتے تھے انہیں پہلے پیاز اور لہسن کے عرق میں ڈبو کر خشک کرلیتے تھے۔ اس طرح ان میں یہ خاصیت پیدا ہوجاتی تھی کہ اگر گولی کھانے والا شخص فوری طور پر نہیں مرتا تھا تب بھی اس کے زخموں میں انفیکشن ہو جاتی تھی اور زخموں کے بگڑنے کی وجہ سے اس کے مرنے کے امکانات بڑھ جاتے تھے۔

شروع میں ڈاکٹر بھی اس خیال سے متفق تھے لیکن بعد جب طب نے ترقی کی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ فضول باتیں تھیں۔ اگر گولیوں پر پیاز اور لہسن کا عرق لگایا بھی جاتا تو فائر کرتے وقت رگڑ سے اس کے اثرات ضائع ہوجاتے تھے اور اگر اثرات باقی رہتے تب بھی ان سے انفیکشن ہونے کا اتنا ہی خطرہ تھا جتنا دوسری چیزوں سے تھا۔

جان ٹوریو ہوش میں تھا اور سخت اذیت میں تھا۔ پانچ گولیاں کھا کر بھی وہ مرا نہیں تھا۔ اسے بھی یہی فکر ستا رہی تھی کہ اس کے زخموں میں زہر پھیل جائے گا۔ وہ ڈاکٹروں سے التجا کررہا تھا کہ سسلی میں استعمال ہونے والے پرانے طریقے کے مطابق اس کے زخموں کو تپتے ہوئے لال لوہے سے داغ دیا جائے۔ کہا جاتا تھا کہ جن زخموں کو داغ دیا جائے ان میں زہر نہیں پھیلتا اور وہ گینگرین کا سبب نہیں بنتے۔ تاہم ڈاکٹروں نے اپنے طریقے پر علاج جاری رکھا۔

پولیس حملہ آوروں کو پکڑنے کیلئے بڑی بھاگ دوڑ کررہی تھی تاہم جان ٹوریو اور اس کی بیوی نے اس سلسلے میں کچھ بتانے، کسی کو پہچاننے یا کسی پر شک شبے کا اظہار کرنے سے انکار کردیا۔

پولیس نے جان ٹوریو کی گلی میں زخمی ہونے والے راہ گیروں اور پڑوسیوں کے بیانات کی روشنی میں موران، ولیس اور ڈینی کو حراست میں بھی لے لیا لیکن جب جان ٹوریو اور اس کی بیوی نے خود کہہ دیا کہ وہ انہیں نہیں پہچانتے، تب پولیس کو انہیں چھوڑنا پڑا۔ اس دوران زخمی گواہوں کو بھی احساس ہوگیا کہ وہ ان لوگوں کو شناخت کرکے ایک نہایت خطرناک معاملے میں ملوث ہو رہے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی ڈانواڈول ہوگئے اور شناخت پریڈ کے موقع پر انہوں نے بے یقینی کا اظہار کردیا۔ یوں پولیس کی ساری بھاگ دوڑ اور مستعدی اکارت گئی۔

اسی رات دو بجے کے قریب دو گاڑیوں میں پندرہ افراد اسپتال آن پہنچے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ جان ٹوریو کے دوست ہیں اور اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ نرسوں کی سپرنٹنڈنٹ نے انہیں جان ٹوریو کے پاس جانے کی اجازت نہیں دی۔

اس نے انہیں بتایا کہ جان ٹوریو کی بیوی نے الکپون کے سوا کسی کو بھی جان ٹوریو کے پاس بھیجنے سے منع کیا ہے۔ اس کے علاوہ جان سے ملنے کے لئے پولیس چیف کی اجازت بھی ضروری ہے۔ نرسوں کی سپرنٹنڈنٹ نے ان لوگوں کو یہ بھی بتادیا کہ وہ پولیس والے جان کے کمرے کے دروازے پر تعینات ہیں، اسکے علاوہ داخلے کے ہر دروازے پر پولیس والے موجود ہیں اور بہت سے پولیس والے راہداریوں میں یا ادھر ادھر پھر رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگ کچھ مایوس نظر آنے لگے اور واپس لوٹ گئے۔

صفحہ نمبر 2

دوسری صبح الکپون کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ خود اسپتال میں رہنے کے لئے آ گیا۔ اس کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ جان ٹوریو کی جان کے دشمنوں نے جب یہ سنا کہ وہ پانچ گولیاں کھا کر بھی زندہ تھا تو وہ اسے ٹھکانے لگانے کی ایک اور کوشش کرنے آئے تھے مگر نرسوں کی سپرنٹنڈنٹ کی سختی کی وجہ سے ان کی یہ کوشش ناکام رہی تھی۔

جان ٹوریو کے لئے اسپتال میں ایک سوئٹ مخصوص کیا گیا تھا جو تین کمروں پر مشتمل تھا۔ بیچ کے کمرے میں وہ خود تھا۔ برابر کے کمرے میں اس کی بیوی تھی۔ دوسری طرف والے کمرے میں آ کر الکپون نے پڑاؤ ڈال لیا۔ وہ اپنے سابق باس، پارٹنر اور دوست کی جان کی حفاظت خود کرنا چاہتا تھا۔ گو کہ اس مقصد کے لئے ان کے پاس آدمیوں کی کمی نہیں تھی لیکن الکپون کو احساس تھا کہ دوستی نبھانے اور اپنی جذباتی وابستگی ظاہر کرنے کا اس سے زیادہ خاص موقع کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

اسپتال میں جان ٹوریو کا تین کمروں کا سوئٹ، پولیس کی بھاری نفری، طبی عملے کی مستعدی اور بھاگ دوڑ وغیرہ دیکھ کر کچھ ایسا گمان گزرتا تھا جیسے ریاست کے گورنر کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا تھا اور وہ اسپتال میں زیر علاج تھا۔

جان ٹوریو نے جیل بھی اسی شان و شوکت اور ٹھاٹ باٹ سے کاٹی تھی۔ وہاں بھی اسے ایک وسیع کمرہ ملا تھا جس کے سامنے چھوٹا سا برآمدہ بھی تھا جس میں جھولا جھولنے والی دو کرسیاں پڑی تھیں۔ باتھ روم کمرے سے ملحق تھا۔ کمرے میں مختصر فرنیچر موجود تھا۔

کھڑکیوں میں موٹی سلاخیں تو موجود تھیں لیکن جان ٹوریو کو اپنے خرچ پر لوہے کی بلٹ پروف جالیاں لگوانے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کا کھانا گھر سے آتا تھا اور اس کی بیوی کو تنہائی میں بھی اس سے ملنے کی اجازت تھی۔ اس نے اپنے نجی باڈی گارڈز کے طور پر دو ریٹائرڈ ڈپٹی شیرفوں کی خدمات حاصل کی تھیں جو مسلح حالت میں باری باری جیل میں اس کے کمرے پر پہرہ دیتے تھے۔ جیل کا عملہ اس کے آرام اور تحفظ کا جتنا خیال رکھتا تھا، وہ ان تمام انتظامات کے علاوہ تھا۔

اسپتال میں تیسرے روز سے جان ٹوریو کی حالت سنبھلنا شروع ہو گئی۔ اس کے بعد روز بہ روز اس کی حالت بہتر ہوتی گئی۔

تین ہفتے بعد الکپون اور اینا زبردستی جان ٹوریو کو گھر لے گئے۔ ڈاکٹر تو ابھی اسے اسپتال سے ڈسچارج کرنے کے لئے تیار نہیں تھے لیکن الکپون کا کہنا تھا کہ باقی علاج گھر پر ہوتا رہے گا۔ ڈاکٹر کافی جز بز ہوئے لیکن آخر انہیں خاموش ہونا پڑا۔ الکپون کا خیال تھا کہ جان ٹوریو کی اسپتال میں موجودگی کی وجہ سے سبھی تناؤ کا شکار تھے۔ اب اس کی حالت اس قابل تھی کہ اسے گھر پر رکھا جا سکتا تھا۔

گھر پر بھی جان ٹوریو کی حفاظت کیلئے بہت سے انتظامات کرنا پڑے لیکن یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ تین ماہ بعد وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا۔ جبڑے اور گردن پر گولی لگنے کی وجہ سے اس کا چہرہ قدرے ٹیڑھا ہو گیا تھا اور کچھ پٹھے کھنچ کر رہ گئے تھے۔ تاہم مجموعی طور پر اس کی صحت تسلی بخش تھی۔ اس دوران جان ٹوریو یا الکپون پر مزید کوئی حملہ نہیں ہوا۔

پھر ایک روز جان ٹوریو نے فون کر کے الکپون کو گھر بلایا۔ الکپون جب اس کے ہاں پہنچا تو اس کے وسیع ڈرائنگ روم میں اس کے وکیل بھی موجود تھے۔ بہت سی فائلیں اور کاغذات وغیرہ تپائی پر رکھے تھے۔

رسمی باتوں کے بعد جان بولا۔ ”میرے دوست! میں نے ایک اہم فیصلہ کیا ہے۔ میں سب کچھ تمہارے سپرد کر کے اٹلی واپس جا رہا ہوں۔ میری جتنی بھی زندگی باقی رہ گئی ہے، وہ میں وہیں گزاروں گا۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“ الکپون بری طرح چونک اٹھا۔ جان کا یہ فیصلہ اس کے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور میں تمہیں اس کی مخالفت کی اجازت نہیں دوں گا......“ جان ٹوریو نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔ اس کے قدرے بگڑے ہوئے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی جس میں ہلکی سی افسردگی کی بھی آمیزش تھی۔

ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا۔ ”میں نے زندگی میں بہت خون خرابہ دیکھ لیا۔ اب میری عمر بھی کچھ ایسی جوانی کی نہیں رہی۔ میں نے گولیاں چلانے کے احکام تو بہت دیئے ہیں اور بہت سے لوگوں کو اپنی نگرانی میں مروایا ہے...... لیکن خود پانچ گولیاں کھانے کے بعد میں اندر سے ہل کر رہ گیا ہوں۔“

وہ خاموش ہوا تو الکپون جلدی سے بولا۔ ”ضروری نہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہو۔“

”ہاں...... اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ایسا نہ ہو۔“ جان ٹوریو نرمی سے بولا۔ ”ایک بات بہرحال طے ہے کہ کاروباری حالات روز بہ روز مشکل سے مشکل تر ہوں گے۔ کاروبار میں پریشانیاں اور مصیبتیں آتی رہیں گی۔ میرے اعصاب اب ان مشکلات کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہے۔ ایسی دولت کمانے کا کیا فائدہ جس سے ہم لطف اندوز ہی نہ ہو سکیں۔“

اس بار وہ گہرا سانس لینے کے لئے خاموش ہوا تو الکپون کچھ نہ بولا۔ جان ٹوریو سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ ”میں نے کاروبار میں سہ فریقی اتحاد اسی لئے قائم کیا تھا کہ زیادہ افراد اور زیادہ طاقت یکجا ہو گی تو ہم مشکلات اور خطرات کا مقابلہ زیادہ آسانی سے کر سکیں گے۔ میرا ارادہ اس اتحاد کو اور بھی وسعت دینے کا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہم بہت سے لوگ مل کر بہت بڑی کاروباری سلطنت قائم کریں گے لیکن بہت جلد مجھے تجربہ ہو گیا کہ ہر پارٹنر تم جیسا نہیں ہو سکتا۔ اچھے دوست، اچھے پارٹنر اور اچھی بیوی قسمت سے ملتی ہے۔“

الکپون ایک لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”یہ بتاؤ، میرے لئے تمہاری ہدایات کیا ہیں؟“

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے جان ٹوریو کے فیصلے کو قبول کر لیا تھا۔ شاید جان ٹوریو کے لہجے نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

”میں چاہوں گا کہ آئندہ دس سال تک تم مجھے تمام کاروبار کے منافع میں سے پچیس فیصد اٹلی بھجواتے رہو......“ جان ٹوریو بولا۔ ”دس سال بعد اگر میں زندہ ہوا تو اس وقت کی صورت حال کے مطابق ہم اس معاہدے پر نظرثانی کریں گے۔“

”ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔ تمہارا مطالبہ معقول ہے۔“ الکپون نے بلا تامل کہا۔

چنانچہ معاہدہ طے پا گیا۔ جان ٹوریو کے وکیلوں نے کاغذات پہلے ہی تیار کر رکھے تھے۔ دونوں نے ان پر دستخط کر دیئے۔ الکپون کو اب جان ٹوریو کو منافع میں سے پچیس فیصد تو پہنچانا تھا لیکن عملی طور پر اب وہ کاروبار کا اکیلا ہی مالک و مختار رہ گیا تھا۔

چند دن بعد جان ٹوریو اٹلی چلا گیا۔ الکپون نے اسے پندرہ مسلح افراد کے قافلے کے ساتھ روانہ کیا جنہیں چوبیس گھنٹے نہایت مستعدی سے جان ٹوریو کی حفاظت کرنا تھی اور اسے مکمل تحفظ کے ساتھ اس کے گھر تک چھوڑ کر آنا تھا۔

☆......☆......☆

گروہوں کے مابین حالات خراب ہونے کے بارے میں جان ٹوریو کے اندازے درست تھے۔ ہر گزرتے ہوئے سال کے ساتھ شکاگو میں قتل و غارت بڑھتی جا رہی تھی۔ شکاگو کے علاقے لٹل اٹلی پر جنا برادرز کا راج تھا۔ شکاگو کی اس پہلی مافیا ٹاپ فیملی میں یوں تو پانچ بھائی تھے لیکن دو بھائیوں، مائیک اور انجلو کی دہشت زیادہ تھی۔ باقی بھائی عام طور پر پس منظر میں ہی رہتے تھے۔ کبھی کبھار کسی حوالے سے ان میں سے بھی کسی بھائی کا نام زیادہ نمایاں طور پر سامنے آ جاتا تھا اور کچھ عرصے بعد دوبارہ پس منظر میں چلا جاتا تھا۔

مائیک اور انجلو قتل اور عورتوں کے ساتھ بہت برے سلوک کے کئی مقدموں میں ملوث ہوئے مگر ہر بار کسی نہ کسی طرح بچ گئے یا معمولی سزائے قید کاٹ کر باہر آ گئے۔ تقریباً پورے شکاگو کی پولیس گویا ان کی جیب میں تھی۔

الکپون کے ساتھ مائیک اور انجلو کے مراسم کا معاملہ عجیب تھا۔ وہ دونوں بھائی بہ ظاہر الکپون کی مخالفت میں کوئی خاص قدم نہیں اٹھاتے تھے لیکن الکپون کو بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ بہرحال اس کے دوست بھی نہیں تھے۔ وہ کسی بھی وقت کسی بھی قسم کا موقع ملنے پر اس پر پیچھے سے وار کر سکتے تھے۔ اس بات کا الکپون کو یقین تھا۔

امریکا میں اٹلی اور سسلی کے باشندوں کا ایک باقاعدہ اتحاد قائم تھا اور اس اتحاد کی بادشاہت جنا فیملی کے ہاتھ میں تھی۔ اس اتحاد کا باقاعدہ ایک صدر منتخب ہوتا تھا لیکن اس انتخاب کے لئے اٹلی اور سسلی کے خاص خاص اور سر خیل قسم کے لوگ ووٹ ڈالتے تھے۔ صدر گویا ایک طرح کی چھوٹی سی متوازی حکومت کا سربراہ ہوتا تھا۔

الکپون کے لئے یہ عہدہ بڑی کشش رکھتا تھا۔ یہ ایک ڈھکی چھپی طاقت اور اختیارات کی علامت تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ فی الحال وہ صدر نہیں بن سکتا۔ ایک تو ابھی اس کی شخصیت اتنی قدآور نہیں تھی۔ دوسرے وہ خالص سسلی کا باشندہ نہیں تھا۔ وہ تو پیدا بھی امریکا میں ہوا تھا اور اس کے آبا و اجداد بھی درحقیقت سسلی سے کچھ فاصلے پر رہا کرتے تھے۔ صدر کے انتخاب میں ”خالص“ سسلی کا باشندہ ہونا بھی اہم کردار ادا کرتا تھا۔

الکپون نے دل ہی دل میں اس حقیقت کو تو قبول کر لیا تھا کہ فی الحال وہ اٹالین اور سسیلین باشندوں کی مافیائی تنظیم کا صدر نہیں بن سکتا لیکن اس کی خواہش تھی کہ مائیک مرلو کے انتقال کے بعد جو نیا صدر منتخب ہو وہ صحیح معنوں میں اس کا دوست اور حامی ہو۔ اس سے بھی بڑا فرق پڑ سکتا تھا اور اسے بڑی طاقت میسر آ سکتی تھی۔

اس نے جنا برادرز کے سامنے اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا تھا اور جنا برادرز نے اسے اس ضمن میں اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ اٹلی اور سسلی کے باشندوں کا اتحاد ”یونین“ کہلاتا تھا۔ یہ لفظ درحقیقت مافیا کا متبادل تھا۔ مافیا کے مقابلے میں یہ لفظ ذرا باعزت اور قانونی سا معلوم ہوتا تھا۔

الکپون اپنے جس دوست کو ”یونین“ کا صدر بنوانا چاہتا تھا، اس کا نام انتھونی لمبارڈو تھا۔ وہ بظاہر پنیر کا تاجر اور بہت سی چیزوں کا کمیشن ایجنٹ تھا۔ یہ اس کے جائز اور قانونی کاروبار تھے۔ وہ خاصی حد تک ایک معزز آدمی تھا۔ سائڈ بزنس کے طور پر اس کا غیر قانونی شراب وغیرہ کا دھندہ بھی چل رہا تھا۔ تمام گروہوں پر اس کا اچھا اثر رسوخ تھا۔

اگر وہ یونین کا صدر منتخب ہو جاتا تو الکپون کو اطمینان ہو جاتا کہ اب کوئی طاقت کا توازن اپنے حق میں کرنے اور اپنا پلڑا بھاری کرنے کے لئے یونین کو استعمال نہیں کر سکے گا اور نہ ہی یونین الکپون کے دشمنوں کی ظاہری یا پس پردہ سرپرستی کر سکے گی۔

انتھونی لمبارڈو کے انتخاب کے سلسلے میں الکپون کافی پرامید تھا۔ تمام گروہ اس کی کافی عزت کرتے تھے لیکن وہ یہ سن کر حیران رہ گیا کہ جنا فیملی انجلو کو یونین کا صدر بنوانا چاہ رہی تھی۔

یہ جان کر الکپون کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انجلو کے صدر منتخب ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ایک انتہائی طاقتور دشمن ہمیشہ اس کی پیٹھ کے پیچھے موجود رہے گا۔ اب گویا دونوں گروہوں کے مفادات بالکل ہی متصادم ہو گئے۔

جان ٹوریو پر قاتلانہ حملے سے چند ہی روز پہلے انجلو جنا نے ایک اٹھارہ سالہ لڑکی لوسی سے شادی کی تھی۔ وہ خود اس وقت اٹھائیس سال کا تھا۔ لوسی ایک خوبصورت، چلبلی اور زندگی سے بھرپور لڑکی تھی۔ وہ ایک اچھے خاصے دولت مند اور معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

اس کا بھائی ہنری ایک وکیل تھا۔ یہ خیال سب سے پہلے اسی نے ظاہر کیا تھا کہ شراب کی غیر قانونی تیاری اور ٹیکس چوری میں لوگ بہت دولت کمائیں گے۔ ہنری کے اوپیرا کے اونچے درجے کے فنکاروں سے بھی قریبی مراسم تھے جو اس زمانے میں کچھ اسی طرح سمجھا جاتا تھا جیسے آج کے دور میں کسی کے فلم انڈسٹری کے سپر اسٹارز سے مراسم ہوں۔

لوسی کے گھر والے انجلو سے اس کی شادی پر کچھ زیادہ خوش نہیں تھے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ نوخیز لڑکی سچ مچ افسانوی سے انداز میں انجلو سے محبت کرنے لگی تھی اور دوسرا مسئلہ یہ بھی تھا کہ انجلو جیسے لوگ جب کسی سے کچھ مانگتے تھے تو اس کے لئے انکار کرنا بہت مشکل ہوتا تھا۔ اس نے جب لوسی کا رشتہ مانگا تو اس کے گھر میں کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔

یہ شادی اس اعتبار سے منفرد تھی کہ اس میں دعوت دے کر جن لوگوں کو باقاعدہ بلایا گیا تھا، وہ تو اپنی جگہ تھے لیکن اخبار میں ایک اشتہار بھی چھپا تھا کہ شادی میں جس کا جی چاہے، آ سکتا ہے۔ چنانچہ نہایت شاندار انداز میں چرچ میں شادی کی رسوم انجام پانے کے بعد ایک بڑے میدان میں، بڑے بڑے شامیانوں کے نیچے جو مہمان جمع ہوئے ان کی تعداد کم از کم تین ہزار تھی۔

شادی کا کیک بھاری تھا نہیں بلکہ سچ مچ ایک ٹن وزنی تھا۔ اس کی اونچائی بارہ فٹ تھی اور اس کے اوپر ایک مکان کا ماڈل بنا ہوا تھا جس کی بالکونی میں کریم سے بنے ہوئے چھوٹے سے دولہا دلہن کھڑے ہوئے تھے۔ نیچے لکھا تھا ”ہوم سویٹ ہوم۔“

کئی اقسام کے نہایت پرتکلف کھانوں سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ شادی کی رات کے لئے دولہا دلہن کا قیام ایک مہنگے علاقے کے شاندار ہوٹل میں، ایک مخصوص سوئٹ میں تھا۔

اپنی شادی سے لوسی اور انجلو، دونوں ہی بہت خوش تھے لیکن شادی کے بعد بھی انجلو کے مزاج کی خونخواری میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اسی طرح اس کے بھائی کے مزاج میں دولت اور طاقت کی جو ہوس تھی وہ بھی قطعی کم ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ الکپون اس کا مطلب یہی لیتا تھا کہ اسے مستقل طور پر ایک مسئلے کا سامنا تھا۔

ادھر جان ٹوریو پر حملے اور اسکے بچ کر نکل جانے کے بعد سے برنین کے گروہ نے کوئی جارحانہ کارروائی تو نہیں کی تھی لیکن ان لوگوں کی طرف سے دھڑکا بہرحال لگا رہتا تھا۔ برنین کے گروہ کے لوگ ”نارتھ سائڈرز“ کہلاتے تھے۔ فی الحال تو وہ خاموش تھے لیکن کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اندر ہی اندر ان میں کیا کھچڑی پک رہی ہو۔

الکپون کو نہ جانے کس کس طرف سے ہوشیار اور چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ مستقبل میں بھی جو چیزیں ممکنات میں سے ہو سکتی تھیں، اسے ان کے بارے میں بھی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اندازے لگانے پڑتے تھے۔ ایک بات کا اس نے بہرحال فیصلہ کر لیا کہ اسے جنا برادرز کے شر کا خطرہ اپنے سر سے ٹالنا ہو گا لیکن کچھ اس طرح، کہ گروہوں کے درمیان باقاعدہ جنگ نہ چھڑ جائے۔

ادھر الکپون اس فیصلے پر پہنچا، ادھر اس کے ہیڈ آفس پر چھاپہ پڑ گیا جو وہ ڈاکٹر اے براؤن کی آڑ میں کھولے بیٹھا تھا۔ یہ چھاپہ میئر ڈیور کی ہدایت پر مارا گیا تھا اور اس کی تیاریاں اتنی خفیہ رکھی گئی تھیں کہ پولیس ڈپارٹمنٹ میں موجود، الکپون کے مخبر بھی اسے اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ دے سکے۔

آفس کا تمام ریکارڈ قبضے میں لے لیا گیا۔ چھاپہ مار ٹیم کی قیادت سراغرساں سارجنٹ ایڈورڈ کر رہا تھا۔ آفس کے نگراں اور منیجر گوزک نے اسے پانچ ہزار ڈالر رشوت کی پیشکش کی اور درخواست کی کہ وہ ایک گھنٹے بعد چھاپہ مارنے آ جائے لیکن ایڈورڈ بہت دیانتدار تھا پھر اس کی بھی کڑی نگرانی ہو رہی تھی جس کی وجہ سے اس نے کوئی پیشکش قبول نہیں کی۔

تاہم الکپون کی رسائی تو اس سے کہیں اوپر کی سطح تک تھی۔ اسسٹنٹ اسٹیٹ اٹارنی نے یہ کہہ کر الکپون کے ریکارڈ سے کوئی تفصیل باہر نہیں جانے دی کہ یہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور ایک غیر قانونی حرکت ہو گی۔

ادھر ایک میونسپل جج نے انتہائی خاموشی اور رازداری سے مقدمے کی سماعت کی اور سارا ریکارڈ الکپون کے وکیل کو واپس کر دیا۔ اس نے اسٹیٹ اٹارنی یا ریاست کے کسی اور اعلیٰ عہدیدار کو اس بارے میں مطلع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ اس پر میئر ڈیور اور پولیس چیف کولنز بری طرح تلملا کر رہ گئے۔

پولیس چیف کولنز اور کچھ نہیں کر سکا تو اس نے ایک روز گشت کے دوران الکپون کو گاڑی میں جاتے دیکھ کر روک لیا اور تیز رفتاری کے الزام میں اس پر جرمانہ عائد کر دیا۔ ظاہر ہے یہ الکپون کیلئے کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن اس واقعے میں خاص بات یہ تھی کہ الکپون کے ساتھ اس وقت گاڑی میں اسکیل تھا۔ اندرونی حالات جاننے والوں کے لئے اسکیل کا اس کے ساتھ ہونا سخت حیرت کا باعث ہو سکتا تھا کیونکہ اسکیل درحقیقت جنا برادرز کے دو خطرناک ترین قاتلوں میں سے ایک تھا۔

دوسرے خطرناک قاتل کا نام انسلمی تھا۔ خود جرائم پیشہ لوگوں کا کہنا تھا کہ جنا برادرز کے صرف یہ دو آدمی ہی قاتلوں کی ایک پلٹن کے برابر تھے۔ پیش بین لوگ اندازہ لگا سکتے تھے کہ الکپون نے جنا برادرز کے قلعے میں نقب لگائی تھی۔ اس نے ان کے خطرناک ترین قاتلوں کو دانہ ڈال دیا تھا۔

☆......☆......☆

25 مئی 1925ء کی صبح انجلو اپنی چھ ہزار ڈالر مالیت کی اسپورٹس کار میں بیٹھ کر گھر سے روانہ ہوا۔ اس کی جیب میں گیارہ ہزار ڈالر کی نقد رقم موجود تھی۔ وہ اوک پارک کے علاقے میں ایک مکان خریدنے جا رہا تھا جو اس نے اور اس کی نویاہتا بیوی لوسی نے دیکھ کر پسند کر لیا تھا۔ انہوں نے اسے سجا سنوار کر اس میں رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اوک پارک وہ مضافاتی علاقہ تھا جس میں شہرۂ آفاق مصنف ارنسٹ ہیمنگوے بھی رہا کرتا تھا۔

انجلو ابھی اوگڈن ہائی وے پر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ بڑی سی ایک سیاہ گاڑی نے اسے اوورٹیک کرنے کی کوشش کی جو چاروں طرف سے بند تھی۔ باہر سے دیکھنے پر اندازہ ہو رہا تھا کہ اس میں کم از کم چار آدمی موجود تھے۔

وہ انجلو کی گاڑی کو اوورٹیک کرنے لگی تو شاٹ گنوں کے دھماکے سنائی دیئے۔ انجلو نے ایک جھٹکے سے ایکسلریٹر پر دباؤ بڑھایا۔ گاڑی لہرا کر یکدم تیزی سے آگے بڑھی۔ ساتھ ہی انجلو نے اپنی بیلٹ میں لگے ہوئے ہولسٹر سے گن نکال کر سیاہ سیڈان پر فائر کیا۔ اس کی بیلٹ میں دو گنیں، ہولسٹرز میں موجود رہتی تھیں۔ وہ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ وہیل سنبھالے ہوئے تھا اور اس کی گاڑی اس وقت اوگڈن ہائی وے پر کم از کم ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی تھی۔

سیاہ سیڈان کا انجن بہت طاقتور تھا۔ اس نے ایک بار پھر انجلو کی گاڑی کو آ لیا، شاٹ گنیں ایک بار پھر گرجیں۔ انجلو کی گاڑی کھلی تھی۔ کئی گولیاں اس کے قریب سے گزریں مگر وہ بچ گیا۔ اس نے اپنا ریوالور خالی کر دیا مگر اس کی بھی کوئی گولی سیاہ کار میں موجود افراد میں سے کسی کو نہ لگ سکی۔

ہڈسن ایونیو کے چوراہے پر اس نے گاڑی یکدم تھما کر یوٹرن لینا چاہا تھا تاکہ سیاہ سیڈان سے بچنے کی کوشش کر سکے لیکن گاڑی اس کے قابو سے باہر ہو گئی اور ایک کھمبے سے جا ٹکرائی۔ سیاہ سیڈان ایک بار پھر اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کرتی ہوئی گزر گئی۔ کئی گولیاں اسے لگیں جن میں سے ایک اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گھس گئی تھی۔

مدد کے لئے آنے والوں نے اسے اس حال میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے دیکھا کہ ایک خالی ریوالور اس کے برابر والی سیٹ پر پڑا تھا اور اس کے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہولسٹر پر یوں ہولے ہولے جھٹکے لینے کے سے انداز میں حرکت کر رہی تھیں جیسے وہ ریوالور ہولسٹر سے نکالنا چاہ رہا ہو مگر اس کا ہاتھ اس کے ارادے کی تکمیل میں اس کا ساتھ نہ دے رہا ہو۔ اس کی آنکھیں خالی خالی اور ساکت تھیں۔ چہرہ مردے سے مشابہ تھا مگر وہ زندہ تھا۔ اسپتال پہنچ کر وہ صرف اتنی دیر زندہ رہا کہ جب پولیس کے ایک سراغرساں نے اس سے پوچھا کہ حملہ آور کون تھے تو اس نے آہستگی سے کندھے اچکانے کی کوشش کی۔ اسی دوران اس کی بیوی لوسی بھی روتی ہوئی اسپتال پہنچ گئی اور ”سوئٹ ہارٹ...... سوئٹ ہارٹ“ کہتے ہوئے اس کے بیڈ سے چمٹ گئی۔

اس وقت صرف ایک لمحے کیلئے اسکی آنکھوں میں زندگی کی چمک ابھری مگر پھر اس کی آنکھیں سپاٹ ہو گئیں۔ وہ مر چکا تھا! اس کا بھائی سام بھی اسپتال پہنچ گیا تھا مگر وہ اسے بھی قاتلوں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا۔

پولیس نے کسی خاص تفتیش کے بغیر ہی خیال ظاہر کر دیا کہ فرار ہو جانے والی سیاہ سیڈان میں ویس، موران اور ڈینی تھے۔ چوتھے آدمی کے بارے میں وہ اندازے لگا رہے تھے۔ یہ لوگ برنین کے گروہ کے آدمی تھے اور پولیس نے اس مفروضے کے تحت ان کا نام لیا تھا کہ نارتھ سائڈرز نے برنین کے قتل کا بدلہ لینے کی کوشش کی تھی۔

اس امکان کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا کہ وہ درحقیقت الکپون کے آدمی تھے!

جنا فیملی نے پولیس کی اس تھیوری کو درست تسلیم کر لیا۔ انہوں نے انجلو کی آخری رسوم نہایت شان و شوکت سے ادا کیں۔ اس کیلئے جو تابوت بنوایا گیا تھا، اس کی مالیت اس تابوت سے ایک ہزار ڈالر زیادہ تھی جو برنین کے لئے بنوایا گیا تھا۔ اس کی میت اور قبر پر منوں پھول ڈالے گئے۔ جس گاڑی میں اس کا تابوت رکھ کر لے جایا گیا، اس کے پیچھے پیچھے زنجیر سے منسلک وہ گاڑی بھی چل رہی تھی جس میں انجلو مرتے وقت سفر کر رہا تھا اور جو گولیوں سے چھلنی تھی۔

اس پر ایک اخبار نے طنزیہ اور متاسفانہ انداز میں یہ تبصرہ کیا تھا۔

”اب ہمارے شہر میں جنازے اس طرح اٹھا کریں گے۔“

انجلو کی تدفین سے فارغ ہوتے ہی جنا فیملی کے آدمی نارتھ سائڈرز کو گولیوں کا نشانہ بنانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

(جاری ہے)

الکپون

ترجمہ : محمود احمد مودی | قسط : 11

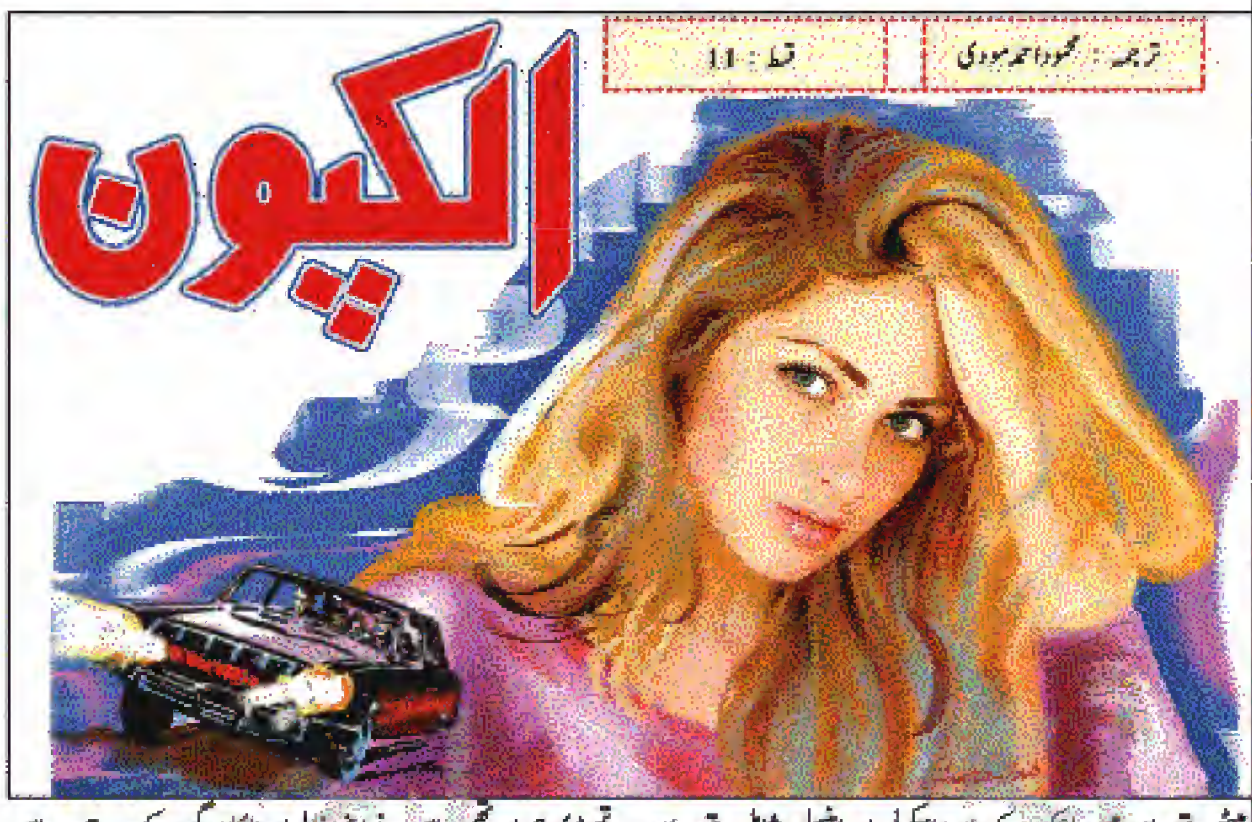

ایک روز جنا برادرز میں سے ایک بھائی مائیک اور اس کے چار ساتھی ایک سڑک کے کنارے تاریکی میں موران اور ڈینی کے انتظار میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ برنین کے گروہ کے آدمی نارتھ سائیڈرز کہلاتے تھے اور موران اور ڈینی ان میں ہی شمار ہوتے تھے۔ دونوں پیشہ ور قاتل اور نہایت خطرناک آدمی تھے۔ جو لوگ ان کے انتظار میں گھات لگا کر بیٹھے تھے، ان میں مائیک کے علاوہ اسکیل اور انسلمی شامل تھے۔ ان لوگوں نے ہی کچھ ایسا چکر چلایا تھا جس کی وجہ سے انہیں یقین تھا کہ موران اور ڈینی ادھر سے ضرور گزریں گے۔

ان کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ کچھ دیر بعد موران اور ڈینی اپنی کار میں ادھر سے گزرے۔ اندھیرے میں چھپے ہوئے مائیک جنا اور اس کے ساتھیوں نے اس گاڑی پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی، موران اور ڈینی نے بھی جواباً گولیاں چلائیں اور جان بچا کر وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔

ان کی گاڑی گولیوں سے اس طرح چھلنی ہو گئی تھی کہ انہوں نے اس میں زیادہ دیر تک سفر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ موران نے اسے گھر لے جا کر پارک کر دیا تاہم ایک پولیس والے کی توجہ اس گاڑی کی طرف چلی گئی اور اس نے موران سے اس کے بارے میں پوچھ لیا۔

اس نے بلا تامل جواب دیا۔ "یہ کچھ دیر پہلے چوری ہو گئی تھی، چند منٹ پہلے ہی ملی ہے مگر اس حالت میں ملی ہے۔"

گھات لگانے والوں کو چونکہ معلوم نہیں تھا کہ موران اور ڈینی گھر چلے گئے ہیں چنانچہ وہ انہیں سڑکوں پر تلاش کرتے رہے۔ ایک گھنٹے بعد یہ لوگ یعنی مائیک، اسکیل اور انسلمی اسی طرح سڑکوں کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے اور ان کا ایک آدمی گاڑی چلا رہا تھا کہ سڑک کے دوسری طرف سے پولیس کے سراغرساں کی ایک کار گزری۔

پولیس کی وہ اسکواڈ کار سادہ تھی اور سراغرساں بھی سادہ لباسوں میں تھے۔ اس اسکواڈ کا سربراہ اس وقت کالوے نامی ایک پولیس آفیسر تھا۔ اس نے دوسری گاڑی میں موجود مائیک جنا کو پہچان لیا، اسے ان لوگوں کی گاڑی کا انداز مشکوک لگا۔

اس نے اپنی گاڑی چلانے والے کو حکم دیا کہ اس گاڑی کا پیچھا کرے جس میں مائیک موجود تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید مائیک اور اس کے ساتھی اس وقت اپنی ناجائز شراب کے دھندے کے سلسلے میں کسی مہم پر نکلے ہوں یا پھر کسی اور واردات کے چکر میں ہوں۔ اسے امید نظر آئی تھی کہ شاید اس وقت ان کا تعاقب کر کے وہ کسی معاملے میں انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ سکے۔

ادھر مائیک اور اس کے ساتھیوں نے بڑی سی ایک سیاہ کار کو یوٹرن لے کر اپنے تعاقب میں آتے دیکھا تو وہ سمجھے کہ برنین کے آدمی ان کے پیچھے لگ گئے ہیں۔ انہیں گمان بھی نہیں گزرا کہ اس طرح کی بغیر نشان والی کار میں پولیس آفیسرز بھی ہو سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

کچھ دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ دو کاریں بالکل فلمی انداز میں لہراتی، نہایت تیز رفتاری سے آگے پیچھے دوڑتی جا رہی ہیں، ان کی رفتار ستر میل فی گھنٹہ سے کم نہیں تھی۔ ٹریفک کے درمیان جہاں بھی رستہ مل رہا تھا، وہ بمشکل دوسری گاڑیوں سے بچتی بچاتی اور لہراتی چلی جا رہی تھیں۔ اس صبح کافی بارش ہوئی تھی۔ سڑکوں پر نمی تھی اور ٹرام کی پٹریاں ابھی تک بہت چمکتی نظر آ رہی تھیں۔ بعض دوسری جگہوں پر بھی پھسلن تھی۔

اس صورتحال میں ایک ٹرک اچانک ایک طرف سے نکل کر چوراہے پر آن پہنچا۔ مائیک جنا والی گاڑی کے ڈرائیور نے اس سے بچنے کیلئے پوری طاقت سے بریک لگایا تو گاڑی گھوم گئی، اس کی گاڑی کا پچھلا حصہ ایک کھمبے سے ٹکرا کر پچک گیا۔

پولیس کار کے ڈرائیور نے بھی ٹکر سے بچنے کیلئے بریک لگایا تھا، یہ کار بھی لہراتی ہوئی اور پھسلتی ہوئی اس طرح رکی کہ اس نے مائیک جنا کی گاڑی کا راستہ روک لیا۔ جب دونوں گاڑیوں سے لوگ چھلانگیں لگا کر اترے تو بدمعاش اس لحاظ سے فائدے میں تھے کہ انہیں اپنی گاڑی کی آڑ میسر تھی جبکہ پولیس والے صاف طور پر ان کی گنوں کی زد میں آ گئے تھے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ فائرنگ میں پہل کس نے کی تاہم بعد میں پولیس کی گاڑی کی جو حالت دیکھی گئی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہل بدمعاشوں نے ہی کی ہو گی کیونکہ پولیس کی گاڑی میں گولیوں کے ستر سوراخ پائے گئے۔

پولیس کی گاڑی سے سب سے پہلے ڈرائیور نے اترنے کی کوشش کی تھی۔ اس کا نام اولسن تھا، ابھی اس کا ایک پاؤں گاڑی میں ہی تھا کہ ایک گولی نے اس کا کام تمام کر دیا۔

گاڑی سے اترنے کی کوشش کرنے والا دوسرا آدمی آفیسر والش تھا۔ اسے بھی گولی لگی اور وہ بھی سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔ کالوے اور سوینی نامی دو آفیسرز کار ہی میں رہتے ہوئے جھک کر فائر کر رہے تھے مگر ایک گولی کالوے کے سینے میں لگ گئی، وہ بعد میں جانبر ہو گیا لیکن سردست اس کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ رک گیا۔

سوینی نامی آفیسر نہایت دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گاڑی سے چھلانگ لگا کر اترا اور فائرنگ کرنے لگا مگر اس کی کوئی گولی مجرموں کو نہیں لگی البتہ ایک آدھ گولی ان کی کار کو ضرور لگی۔ جنا برادرز کی کار ڈرائیو کرنے والا تو فائرنگ شروع ہوتے ہی گاڑی سے اتر کر بھاگ گیا تھا۔

اب باقی تینوں آدمیوں نے بھی راہ فرار اختیار کی۔ ان میں سے ایک نے اپنی شاٹ گن ایک خالی پلاٹ پر پھینک دی کیونکہ وہ خالی ہو چکی تھی۔ پولیس آفیسر سوینی نے اپنے دو ساتھیوں کی گنیں اٹھا لیں اور ان لوگوں کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔

ایک میدان عبور کرنے کے بعد وہ ان کے قریب پہنچ گیا۔ اسکیل اور انسلمی تو اس دوران دو مکانوں کے درمیان کہیں غائب ہو گئے جبکہ مائیک جنا بدستور بھاگ رہا تھا اور سوینی اس کے تعاقب میں تھا۔

آخر مائیک ایک جگہ رک کر سوینی کی طرف گھوم گیا۔ اس نے اپنی گن کا رخ سوینی کے سینے کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیا مگر گن سے صرف کلک کی آواز برآمد ہوئی۔ اس کی گن خالی ہو چکی تھی، دوسرے ہی لمحے سوینی نے فائر کر دیا، گولی مائیک کی ران میں لگی۔

اس کے باوجود مائیک دوڑ پڑا۔ وہ مکانوں کی دو قطاروں کے درمیان ایک پتلی سی گلی میں گھس گیا۔ اس کی حالت اس زخمی جانور کی سی تھی جس کے پیچھے کوئی درندہ لگا ہو اور وہ زخمی حالت میں پناہ کیلئے کوئی بھی کونا کھدرا تلاش کر رہا ہو۔

اسے راستے میں ایک تہہ خانے کی کھڑکی نظر آ گئی جو زمین کی سطح سے تھوڑی ہی اوپر تھی۔ اس نے اپنی خالی اور ناکارہ گن کے دستے سے اس کا شیشہ توڑا اور کسی طرح اس راستے سے تہہ خانے میں گھس گیا۔

اس کے بعد سوینی گلی کے سرے پر پہنچا۔ اس نے تنگ گلی میں دور تک نظر دوڑائی مگر مائیک کہیں دکھائی نہ دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ راستے ہی میں کہیں غائب ہوا ہے پھر اسے تہہ خانے کی کھڑکی کا ٹوٹا ہوا شیشہ نظر آ گیا۔

اسی دوران دو اور پولیس والے اس سے آن ملے تھے۔ ان میں سے ایک تو اسٹریٹ کار میں بیٹھ کر گھر جا رہا تھا، اس کی ڈیوٹی ختم ہو چکی تھی، دوسرا وہیں کہیں قریب ہی رہتا تھا، وہ بھی ڈیوٹی پر نہیں تھا مگر فائرنگ کی آوازیں سن کر اور گڑبڑ محسوس کر کے وہ دونوں ہانپتے کانپتے آن پہنچے تھے۔

ان تینوں نے مل کر تہہ خانے کا دروازہ توڑا اور اندر پہنچ گئے۔ سامنے ہی ایک بڑے کمرے میں مائیک فرش پر لیٹا تھا، اس نے کہنیوں کے سہارے خود کو ذرا اونچا کیا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب ایک ریوالور تھا۔

اس نے اندھا دھند گولی چلائی مگر اس کا ہاتھ لہرا رہا تھا۔ گولی نہ جانے کس طرف کو چلی گئی، اس کے بعد وہ چت ہو گیا، تینوں دوڑ کر اس کے قریب پہنچے۔ اس کی ران میں جہاں گولی لگی تھی، وہاں سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا اور اس کی حالت خراب تھی، اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اس کے باوجود اس میں جنا برادرز والی روایتی سرکشی باقی تھی۔ اس کا اندازہ پولیس آفیسر کو کچھ دیر بعد ہوا جب مائیک کو اٹھا کر ایمبولینس میں لٹایا گیا۔ اس وقت ایک لمحے کیلئے اسے کچھ ہوش سا آیا اور اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے اوپر جھکے ہوئے اٹینڈنٹ کو لات مارنے کی کوشش کی اور اسے گالی بھی دی۔

اس کے اسپتال پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آئی، چند منٹ بعد وہ مر گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف تیس سال تھی۔

اس دوران اسکیل اور انسلمی کچھ دور نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن درحقیقت وہ اسی علاقے میں چکرا رہے تھے۔ اسی دوران انہیں ایک اسٹور کھلا نظر آیا تو وہ ہیٹ خریدنے کیلئے اس میں گھس گئے۔

دراصل اس زمانے میں گلی کوچوں میں کوئی شخص ہیٹ کے بغیر نظر نہیں آتا تھا۔ ہیٹ کے بغیر پھرنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور ایسے آدمی کی طرف فوراً نظر جاتی تھی جس کے سر پہ ہیٹ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ہیٹ خریدنا ضروری سمجھا تھا کیونکہ ان کے ہیٹ مار دھاڑ اور بھاگ دوڑ کے دوران گر گئے تھے۔

مگر وہ ہانپتے کانپتے اسٹور میں داخل ہوئے تو اپنے انداز اور خراب حلیے کی وجہ سے وہ دکاندار کو مشکوک دکھائی دیے چنانچہ دکاندار نے انہیں ہیٹ دینے کے بجائے بھگا دیا۔ وہ کچھ اور نروس ہو گئے۔

وہ اسٹور سے نکلے تو بھاگنے لگے اسی دوران انہیں ایک ٹرام نظر آئی تو وہ اس میں چڑھ گئے۔ گاڑی میں گشت کرتے ہوئے کچھ پولیس والوں کی نظر ان پر پڑ چکی تھی اور انہیں وہ مشکوک دکھائی دیے تھے۔ علاقے میں گڑبڑ اور فائرنگ کی اطلاع ان پولیس والوں کو مل چکی تھی، انہیں یہ بھی پتہ چلا تھا کہ کچھ پولیس والے مارے بھی گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جب دو مشکوک آدمیوں کو بدحواسی سے بھاگتے اور پھر ٹرام میں سوار ہوتے دیکھا تو وہ اس ٹرام کے پیچھے لگ گئے۔

اگلے اسٹاپ پر انہوں نے دونوں کو ٹرام سے اتار لیا۔ وہ چونکہ غیر مسلح ہو چلے تھے اس لئے آسانی سے قابو میں آ گئے۔ کافی دیر بعد جب وہ پولیس والوں کی تحویل میں پولیس اسٹیشن پہنچے تو ان کی حالت مزید خراب ہو چکی تھی کیونکہ راستے میں ان کی بہت اچھی طرح ٹھکائی ہو چکی تھی۔ پولیس والوں نے ان پر اچھی طرح دل کا غبار نکالا تھا اور اس قسم کی کارروائی کیلئے پولیس کے پاس بہترین جواز موجود ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ملزم گرفتاری نہیں دے رہے تھے، مقابلے پر اتر آئے تھے۔

مگر اسکیل اور انسلمی کو اپنے جرائم کی اتنی ہی سزا مل سکی کیونکہ عدالت نے بعد میں انہیں بری کر دیا تھا۔ ایک واقفِ حال نے کچھ عرصے بعد بتایا کہ مائیک جنا کو بہرحال اس رات مرنا ہی تھا، موت اس کا مقدر ہو چکی تھی کیونکہ الکپون نے اسکیل اور انسلمی کو مکمل طور پر خرید لیا تھا اور مائیک کو ٹھکانے لگانے کی ذمے داری انہی دونوں کو سونپی گئی تھی۔ اس رات درحقیقت وہ دھوکے سے مائیک کو شہر سے باہر ویرانے میں لے جا کر قتل کرنے کا پروگرام بنائے ہوئے تھے۔

اس کے بعد جنا برادرز میں سے ایک اور بھائی انتونی کی باری آئی۔ اسے کسی شناسا نے ملاقات کیلئے ایک دکان کے قریب عقبی گلی میں بلایا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو شناسا اس کا منتظر تھا لیکن اس نے انتونی سے مصافحہ کرتے وقت اسکے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے، اسی لمحے انتونی کے عقب سے دو آدمی نمودار ہوئے، ان کے ہاتھوں میں گنیں تھیں، انہوں نے پانچ گولیاں انتونی کے جسم میں اتار دیں۔ چند لمحوں کے اندر اندر وہ لوگ اپنی کارروائی کر کے غائب ہو گئے اور انتونی کی لاش وہاں پڑی رہ گئی۔

انتونی کو الکپون نے جن دو آدمیوں سے قتل کرایا تھا۔ ان میں سے ایک ایسا تھا جو جنا برادرز سے ویسے بھی سخت نفرت کرتا تھا لیکن اس میں اپنے بل بوتے پر جنا برادرز کو چھیڑنے کی جرأت نہیں تھی۔ الکپون کی پشت پناہی میسر آئی تو اس نے اپنی نفرت کی تسکین بھی کر لی اور بھاری رقم بھی کمائی۔ بعد میں الکپون نے اسے ناجائز شراب کے دھندے میں شریک بھی کر لیا۔

جنا برادرز میں سے اب قابل ذکر صرف ایک بھائی باقی رہ گیا تھا، اس کا نام جم تھا۔ وہ شاید ابھی تک اس لئے بچا ہوا تھا کہ وہ سسلی میں تھا۔ انجلو اور مائیک اپنی فیملی کے "فائٹر" سمجھے جاتے تھے، گویا وہ فیملی کی طاقت تھے جبکہ انتونی اور جم کو فیملی کا "دماغ" سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سے انتونی بھی اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔

صرف 42 دنوں کے دوران تین جنا برادرز مارے گئے تھے۔ فیملی کی کمر ٹوٹ گئی تھی، ویسے دو جنا برادرز اور بھی تھے، ان کے نام سام اور پیٹر تھے لیکن وہ دونوں کسی شمار قطار میں نہیں تھے۔ تین بھائیوں کے قتل کے بعد وہ ڈر کر سسلی روانہ ہو گئے تھے جہاں جم پہلے سے موجود تھا۔

جم وہاں ایک واردات کے سلسلے میں دو سال کیلئے جیل چلا گیا۔ وہ پانچ سال سسلی میں گزارنے کے بعد واپس بھی آیا لیکن پھر اس نے کسی قسم کی مجرمانہ سرگرمی میں حصہ نہیں لیا، وہ شرافت سے پنیر اور زیتون درآمد کر کے ایک معزز بزنس مین کی طرح زندگی گزارتا رہا۔

اسکیل اور انسلمی پولیس آفیسرز کے قتل کے جرم سے عدالت سے تو بچ نکلے لیکن دو سال بعد الکپون کے ہاتھوں مارے گئے۔ الکپون نے خود انہیں قتل کیا۔

ادھر جنا برادرز کو قتل کرانے کے بعد الکپون کا راستہ مکمل طور پر صاف نہیں ہوا اور اسکی الجھنیں ختم نہیں ہوئیں۔ مافیا فیملی بہت بڑی تھی اور اس میں کئی دوسرے خطرناک اور خودسر آدمی بھی موجود تھے جو فیملی کا سربراہ بننے کی خواہش رکھتے تھے۔ لٹل اٹلی کے علاقے پر درحقیقت مافیا فیملی کا سربراہ ہی حکومت کرتا تھا۔

جنا برادرز کے بعد فیملی میں ایک شخص ایمات بھی تھا۔ بنیادی طور پر یہ شخص موسیقار تھا اور کبھی کبھی ایک نفیس آدمی کی طرح نہایت لطیف گفتگو کرتا تھا مگر اندرونی طور پر ایک سفاک آدمی تھا، اس کی نظر میں انسانی جان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

اس کا دھوبی میلے کپڑے لینے اور دھلے ہوئے کپڑے دینے کیلئے گھوڑا گاڑی میں آتا تھا۔ ایک بار وہ اس کی قمیض کا بٹن توڑ لایا۔ ایمات نے اس بات پر پستول نکال لیا اور دھوبی کے سینے کا نشانہ لے لیا۔ عین آخری لمحے پر نہ جانے اس نے کس طرح اپنے غصے کا رخ موڑا اور دھوبی کے بجائے اس کے گھوڑے کو گولی مار دی۔

وہ اسکیل کے ساتھ ایک کیفے میں سلیپنگ پارٹنر تھا۔ دوسرے کئی دھندوں میں بھی اس کا پیسہ لگا ہوا تھا اور وہ بیٹھ کر کھاتا تھا۔ ایک روز اس نے دو ماہر نشانہ بازوں اور پیشہ ور قاتلوں کو ساتھ لیا اور مافیا فیملی کے ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ وہاں اس نے کسی رسمی کارروائی اور ووٹنگ وغیرہ کے بغیر خود ہی اعلان کر دیا کہ انجلو کی موت کے بعد وہ مافیا فیملی کا صدر ہے۔

الکپون نے جنا برادرز کو مروانے اور دوسرے بہت سے کاموں کا تردد اس لئے نہیں کیا تھا کہ ایمات آرام سے جا کر فیملی کا صدر بن جائے۔ وہ اب بھی لمبارڈو کو فیملی کا صدر بنوانے کا شدت سے خواہشمند تھا۔

10 نومبر 1925ء کو ایمات بال ترشوانے اور شیو بنوانے اپنی مخصوص باربر شاپ میں پہنچا۔ اسے اپنی منگیتر کے ساتھ اوپیرا دیکھنے جانا تھا۔ بال کٹوا کر اور شیو بنوا کر وہ باربر کی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہی ہوا تھا کہ دو آدمی دکان میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک چھوٹے قد کا تھا اور دوسرا دراز قد تھا۔

دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ چھوٹے قد والے نے پہلے فائر کیا، اس کے بعد دراز قد نے گولی چلائی، دونوں نے چار چار فائر کئے، دراز قد کی کوئی گولی نشانے پر نہیں لگی لیکن پستہ قد کی چاروں گولیاں ایمات کے لگیں۔ ایک گولی اس کی گردن میں لگی۔

دونوں آدمی چشم زدن میں فائرنگ کر کے فرار ہو گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہوا کیا ہے۔ ایمات کو اسپتال پہنچایا گیا جہاں وہ تین دن زندہ رہا لیکن آخرکار زندگی کی بازی ہار گیا۔ 13 نومبر کو وہ صرف 26 سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس کے جنازے سے واپس آتے ہوئے اینڈریو نامی ایک شخص کو گولی لگی۔ یہ وہ شخص تھا جو ایمات کے ساتھ اس وقت "فیملی" کے ہیڈ کوارٹر گیا تھا جب ایمات نے فیملی کی صدارت سنبھالنے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی گیا تھا، وہ بھی بڑا پھرتیلا بندوق باز اور قاتل تھا، وہ بنی کی عرفیت سے مشہور تھا۔ تین روز بعد وہ بھی مارا گیا۔ کسی نے پولیس کی ایک گشتی کار سے ایک شاٹ گن چرا کر اسے گولی ماری تھی۔ یوں ایمات، مافیا فیملی کا سربراہ بننے کی خواہش دل میں لئے اپنے دو خطرناک ساتھیوں سمیت اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

وہ دونوں اسے سربراہ بنوانے کیلئے سرگرم تھے اور ہر قدم اٹھانے کیلئے تیار تھے مگر اپنی جان دے کر بھی وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے البتہ اس کے بعد لمبارڈو فیملی کا صدر بن گیا جسے الکپون کی پشت پناہی حاصل تھی۔

لمبارڈو کے صدر بننے سے گویا الکپون کے دل کی مراد بر آئی۔ اسے گویا فیملی پر بالواسطہ طور پر کنٹرول حاصل ہو گیا۔ دوسری طرف جنا برادرز اور کئی دوسرے لوگوں کے مرنے سے غیر قانونی شراب کے دھندے میں جو خلا پیدا ہوا تھا اسے بھی الکپون ہی نے پُر کیا۔

تاہم اس دھندے میں روز بروز دشواریاں بڑھ رہی تھیں اور منافع کی شرح کم ہو رہی تھی۔ اصلاح پسندوں کی مختلف تنظیموں کا دباؤ بڑھ رہا تھا، الکپون کے کئی اڈوں پر تالے پڑ گئے۔ بعض کو وہ دوبارہ کھلوانے میں کامیاب ہو جاتا تھا، بعض کو کھلوانے میں کامیاب نہیں ہو پاتا تھا۔ یوں مجموعی طور پر آمدنی میں کمی ہو رہی تھی۔

ایک روز وہ رات کے پچھلے پہر اپنے ہوٹل کے سوئٹ میں جا کر سویا ہی تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی نے اسے جگا دیا۔ جان ٹوریو کے برعکس وہ راتوں کو دیر تک جاگنے والا آدمی تھا، وہ اپنے اکثر اڈوں پر خود چلا جاتا تھا اور ان کی "کارکردگی" وغیرہ کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ راتوں کی بیشتر سرگرمیوں اور مشاغل میں بھی وہ حصہ لیتا تھا۔

فون پر اسے خبر ملی کہ اس کے ایک جوا خانے پر چھاپہ پڑا ہے جس میں اصلاح پسندوں کے نمائندے اور مخبر بھی حصہ لے رہے تھے۔ اب تو الکپون کے ان اڈوں پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوششیں ہونے لگی تھیں جو سیسرو میں واقع تھے۔ الکپون نے سیسرو کو محفوظ محسوس کرتے ہوئے وہاں وہ اڈے کھولے تھے۔

اڈوں کے خلاف کارروائیوں کے سلسلے میں مخبر اور پادری بھی خاصا اہم رول ادا کر رہے تھے۔ ان دنوں مخبروں کو کسی حد تک نیم سرکاری حیثیت حاصل تھی، وہ کسی سرویئر کی طرح باقاعدہ علاقے میں گھوم پھر کر جائزہ لیتے تھے کہ کون سی چیز کو قانون کی گرفت میں لایا جا سکتا ہے اور کس کے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے۔

یہ مخبر عام طور پر کہیں نہ کہیں ملازمت کرتے تھے۔ مخبری گویا ان کا "پارٹ ٹائم جاب" ہوتا تھا۔ بعض اوقات وہ چھاپوں اور قانونی کارروائیوں کے دوران بھی موجود رہتے تھے۔ وہ اپنی ذات کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

الکپون فوراً اٹھ کر شب خوابی کے لباس میں ہی اس اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی شیو بھی ذرا بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں نیند کے خمار سے بوجھل تھیں۔

وہ جب جوا خانے کے دروازے پر پہنچا تو اندر بریگ نامی ایک شخص دروازہ تھوڑا سا کھولے کھڑا تھا۔ وہ درحقیقت انشورنس ایجنٹ تھا لیکن پارٹ ٹائم کام کے طور پر مخبری کرتا تھا۔ اس نے الکپون کو نہیں دیکھا لیکن الکپون نے اسے دیکھ لیا تھا اور پہچان بھی لیا تھا۔

صفحہ نمبر: 2

جب الکپون نے دروازہ کھول کر اندر جانے کی کوشش کی تو بریگ نے اندر سے زور لگا کر اسے بند رکھنے کی کوشش کی۔ وہ ایک دراز قد اور مضبوط آدمی تھا۔

وہ اندر سے چلایا۔ ”کیوں اندر گھسے چلے آ رہے ہو؟ یہاں کیا پارٹی ہو رہی ہے؟“

”ہاں...... پارٹی تو میں اندر آ کر منعقد کروں گا، میں اس جگہ کا مالک ہوں۔“ الکپون غرایا۔

”اوہ......!“ تب بریگ نے دروازہ کھول دیا اور قدرے طنزیہ سے لہجے میں بولا۔ ”آؤ...... آؤ...... الکپون! ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔“

الکپون اسے ایک طرف دھکیل کر اندر پہنچا اور پھر سیڑھیاں چڑھ کر سیدھا اس بڑے ہال میں داخل ہو گیا جہاں جوا ہوتا تھا۔ وہاں قطاروں میں جوئے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے قریب چھاپہ مارنے والے کچھ لوگ بھی کھڑے تھے، ان میں بھی ایک آدھ مخبر شامل تھا۔

الکپون ان کے قریب سے گزرتے ہوئے غرایا۔ ”یہ تم لوگوں کی زندگی کا آخری چھاپہ ہے۔ آج کے بعد تم کہیں چھاپہ نہیں مارو گے۔“

وہاں اس وقت ایک پادری صاحب، ایک جج اور علاقے کا پولیس آفیسر بھی موجود تھا۔ الکپون آگے بڑھتا چلا گیا اور آفس میں چلا گیا، وہ لوگ بھی اس کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا وہ تجوری سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اپنی جیبوں میں ٹھونس رہا تھا۔

”یہ شخص کون ہے؟“ پادری صاحب نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

”مجھے الکپون کہتے ہیں، شاید نام ہی تمہارے لئے کافی ہو۔“ الکپون نے زہریلے لہجے میں خود اپنا تعارف کرایا۔

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ تم الکپون ہی ہو سکتے ہو۔“ پادری صاحب نے سر ہلایا۔ ”تم شاید اپنے آپ کو امریکا کے صدر سے بھی زیادہ طاقتور سمجھتے ہو۔“

”آخر تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟“ الکپون نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

”ہماری تم سے کوئی ذاتی پرخاش تو نہیں ہے، مسئلہ صرف معاشرے کی اصلاح اور قانون و اخلاقیات کا ہے۔“ پادری صاحب نے جواب دیا۔

”ہونہہ......!“ الکپون نے صرف اتنا کہا۔

اس دوران اس کا اکاؤنٹینٹ وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس کا کزن بھی آ گیا تھا۔ الکپون نے رقم اکاؤنٹینٹ کے سپرد کر دی اور الکپون کا کزن اسے ساتھ لے کر رقم کسی محفوظ جگہ پر پہنچانے چل دیا۔ الکپون بھی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ کسی کو بھی انہیں روکنے یا رقم اپنے قبضے میں لینے کی جرأت نہیں ہوئی۔

الکپون شیو بنا کر اور عمدہ لباس پہن کر واپس آ گیا۔ وہ اب ذرا نرم لہجے میں پادری صاحب سے مخاطب ہوا۔ ”فادر! کیا ہمارے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا؟“

”کیسا سمجھوتہ......؟“ پادری صاحب نے پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا۔

”اگر آپ لوگ سیسرو میں میرا پیچھا چھوڑ دیں تو میں اسٹکنی میں اپنے اڈے بند کر دوں گا۔“ الکپون بولا۔ اسٹکنی ایک اور قریبی علاقے کا نام تھا۔

”مسٹر الکپون! میرے اور تمہارے درمیان صرف یہ سمجھوتہ طے پا سکتا ہے کہ تم قانون کی پابندی کرو اور ان تمام علاقوں سے نکل جاؤ۔“ پادری صاحب نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ اس کے بعد الکپون نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ بات کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔

وہاں موجود ایک شخص نے چھاپے کا وارنٹ جاری کرنے اور کارروائی کی نگرانی کرنے والے جج سے کہا۔ ”آپ اس شخص کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کریں جو اپنے آپ کو اس غیر قانونی اڈے کا مالک کہہ رہا ہے۔“

جج صاحب کاغذات وغیرہ سنبھال کر بیٹھے اور ان کی خانہ پری کرنے لگے۔ وارنٹ کی کارروائی مکمل ہونے سے پہلے ہی الکپون وہاں سے غائب ہو گیا، چھاپہ مارنے والے لوگ آخرکار جب واپس جانے کیلئے باہر نکلے تو وہاں تماشائیوں کا ہجوم تھا، ان میں بہت سے غنڈے بدمعاش بھی شامل ہو چکے تھے۔ انہوں نے چھاپہ مارنے والوں کو ڈنڈوں اور گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا، ان کے گھونسوں پر پیتل کے خول چڑھے ہوئے تھے۔

انہوں نے خاص طور پر مخبروں کو اتنا مارا کہ ان کے ناک، منہ برابر ہو گئے۔ دو مخبروں نے اس بارے میں بعد میں رپورٹ درج کرائی۔ ایک نے بتایا کہ اسے تو گولی بھی ماری گئی تھی اور حملہ آور اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر ظاہر ہے حملہ آور ہجوم میں شامل تھے، ان کی شناخت متعین ہونا اور ان کا پکڑے جانا بعید از امکان تھا۔ الکپون کے دھندے دوسرے روز سے ہی دوبارہ شروع ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ الکپون اب ایک طوفان بن چکا تھا جسے روکنا لنگڑے لولے قانون کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

جن مخبروں نے اس کے اڈے پر چھاپے میں حصہ لیا تھا، انہوں نے آئندہ کیلئے مخبری چھوڑ دی اور اپنے اپنے اصل پیشے پر اکتفا کر لیا۔ عدالت میں بھی الکپون کے خلاف کوئی خاص کارروائی نہ ہو سکی البتہ اس واقعے کا اس کے دھندے پر ذرا برا اثر پڑا اور آمدنی کچھ کم ہو گئی۔

اسی سال آگے چل کر حالات مزید خراب ہو گئے۔ گروہوں کے درمیان قتل و غارت شروع ہو گئی۔ ایک قتل دوسرے قتل کی راہ ہموار کرتا ہے۔ قتل اور جوابی قتل کا کچھ ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ اعداد و شمار کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ تقریباً روز ہی کسی نہ کسی گلی کوچے میں یا پھر کہیں لاوارث سے انداز میں کھڑی ہوئی کسی گاڑی میں ایک یا دو لاشیں ملتیں۔

کہیں دوبدو مقابلے ہوتے۔ خوب گولیاں چلتیں اور جب تک پولیس کی بھاری نفری جمع ہو کر جائے وقوع پر پہنچتی، تب تک برسرپیکار لوگ فرار ہو جاتے اور ایک یا دو لاشیں جائے وقوع پر پڑی رہ جاتیں۔

ان لڑائیوں میں الکپون کے آدمی تو کم ہی مارے گئے اور اس کے گروہ کی براہ راست کسی گروہ کے ساتھ زیادہ لمبی دشمنی بھی نہیں چلی لیکن کاروبار پر بہرحال برا اثر پڑا۔

اسی دوران گروہی لڑائیوں کو مزید سنگین بنانے والا ایک اور ہتھیار متعارف ہو گیا۔ یہ ہلکی مشین گن تھی جس کے ایک ماڈل کو ٹامی گن کا نام بھی دیا گیا۔ بدمعاشوں، ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے ہاتھ میں یہ نیا ہتھیار آیا تو ان کے باہمی مقابلے اور لڑائیاں پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گئیں اور ان میں زیادہ خونریزی آ گئی۔ خود الکپون نے بھی اپنے ذرائع سے ہلکی مشین گنوں کی ایک کھیپ منگوالی۔

انہی خراب حالات کے دوران الکپون کو ایک بار اپنے پرانے علاقے کی طرف جانا پڑا۔ اس کے بیٹے سنی کے کان میں کچھ ایسی انفیکشن ہو گئی تھی جو اس کے دماغ تک پہنچ سکتی تھی۔ اس صورت میں اس کی موت کا بھی خطرہ تھا۔

معلومات کرنے پر الکپون کو پتہ چلا کہ مین ہٹن نیویارک میں ایک ایسا سرجن موجود ہے جو سرجری کے ذریعے اس انفیکشن کو روک سکتا ہے۔ یہ ایک نازک آپریشن تھا۔ الکپون اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ خاصی پریشانی کے عالم میں نیویارک پہنچا۔

کرسمس کی آمد آمد تھی۔ ان دنوں چھٹیاں تھیں۔ الکپون نے سرجن کے پاس جا کر درخواست کی کہ وہ جلد از جلد اسکے بیٹے کا آپریشن کرے، وہ اس کی خدمت میں ایک لاکھ ڈالر پیش کرے گا۔ سرجن نے آپریشن کیا اور وہ کامیاب بھی رہا لیکن سرجن نے اپنی مقررہ فیس ہی لی جو وہ سب سے لیتا تھا یعنی ایک ہزار ڈالر...... اس نے الکپون کے اصرار کے باوجود مزید ننانوے ہزار ڈالر قبول نہیں کئے جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔ الکپون حیران رہ گیا، اسے نہیں معلوم تھا کہ دنیا میں ایسے بااصول لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔

بچہ ابھی اسپتال میں ہی داخل تھا تاہم الکپون کی پریشانی کافی کم ہو چکی تھی۔ ایک روز جبکہ وہ گھر پہ تھا، اس کی گلی کے کونے پر رہنے والا ایک شناسا اس کے پاس آیا اور اس سے درخواست کی کہ الکپون اس کے گھر چلے، وہ بہت تنہائی محسوس کر رہا ہے، دونوں کچھ دیر بیٹھیں گے، گپ شپ کریں گے اور وہسکی پلائیں گے، وقت اچھا گزر جائے گا۔

الکپون کی بیوی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا اور الکپون پڑوسی کے ساتھ چلا گیا۔ ابھی اس نے وہاں بیٹھ کر پینی شروع ہی کی تھی کہ اچانک چھ آدمی دروازہ کھول کر اندر آ گئے اور انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

الکپون کو اندازہ ہوا کہ اسکے پڑوسی نے اسے مروانے کا بندوبست کیا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ چھلانگ لگا کر اور دیوار کی آڑ لے کر گولیوں کی پہلی بوچھاڑ سے بچ گیا۔ اس نے تاک کر تین فائر کئے، دو آدمی ایک ایک گولی سے ہی مر گئے، تیسرے کے گھٹنے میں گولی لگی، وہ بوکھلا کر واپس بھاگا اور سیڑھیوں سے اترنے کی کوشش میں لڑھکتا ہوا نیچے جا کر گرا اور مر گیا۔

حملہ آور تعداد میں چھ ہونے کے باوجود بوکھلائے ہوئے تھے۔ تین آدمی بوکھلاہٹ میں ہی مارے گئے تھے باقی تین فرار ہو گئے۔ الکپون اس رات تین افراد کے قتل کے الزام میں گرفتار ہو گیا اور اسے وہ رات جیل میں گزارنی پڑی تاہم جلد ہی اس کی جان چھوٹ گئی۔ اس کے وکیل نے عدالت میں ثابت کر دیا کہ اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا، اس نے تو خود حفاظتی کے تحت فائر کئے تھے، وہ تو غنیمت تھا کہ وہ گھر سے نکلتے وقت ہمیشہ اپنی بیلٹ کے ساتھ لگے ہوئے ہولسٹرز میں دو پستول رکھتا تھا، اگر وہ مسلح نہ ہوتا اور اپنے حواس بحال رکھتے ہوئے بے پناہ پھرتی کا مظاہرہ نہ کرتا تو حملہ آوروں کی جگہ اس کی اپنی لاش پڑی ہوتی۔

تاہم ایک اور محقق نے یہ بھی لکھا ہے کہ قصہ درحقیقت یوں نہیں تھا۔ اصل میں خود الکپون نے گھات لگا کر ان تین آدمیوں کو مارا تھا اور اس وقت اس کے اپنے مسلح آدمی بھی اسکے ساتھ تھے۔ اس کے اس اقدام کے پیچھے کہانی یہ تھی کہ اسکے پرانے باس اور ساتھی ییل نے اسکے بلاوے پر شکاگو آ کر دوسرا تبہ اس کے اشارے پر قتل کئے تھے۔

الکپون اور جان ٹوریو نے اس وقت ییل کو اس لئے بروکلین سے شکاگو بلوایا تھا کہ انہیں اپنے دشمنوں کو مروانے کیلئے ”باہر“ کے آدمی کی ضرورت تھی۔ جرائم پیشہ گروہ خاص موقعوں پر مصلحت کے تحت کسی کو مروانے کیلئے ”باہر“ کا آدمی بلواتے تھے۔

اب جبکہ الکپون بروکلین آیا ہوا تھا تو ییل کو ”باہر“ کے آدمی کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ اس نے الکپون سے اپنے ”تعاون“ کا بدلا مانگ لیا تھا اور الکپون انکار نہیں کر سکا تھا۔ اسکے اور اسکے آدمیوں کے ہاتھوں مرنے والے تین آدمی درحقیقت ییل کے دشمن تھے اور ییل کو ان کی جان مطلوب تھی۔ الکپون نے اس کی خواہش پر اس کے احسان کا بدلا اتار دیا تھا۔

الکپون جب واپس شکاگو پہنچا تو لٹل اٹلی کی حالت پہلے سے بھی بدتر تھی۔ بدمعاشوں کے گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔ ڈوٹی نامی وہ خونخوار بدمعاش جسے الکپون نے ایک بار سبق سکھایا تھا اور جو اس وقت ٹھنڈا ہو کر بیٹھ گیا تھا، ایک بار پھر سر اٹھا چکا تھا اور کافی طاقتور ہو چکا تھا۔ وہ اس خوش فہمی میں بھی مبتلا ہو چکا تھا کہ سیسرو میں الکپون کی جگہ سارے دھندے اب وہ خود کر سکتا ہے۔ اس کے خیال میں الکپون کو سیسرو سے نکالنا اس کیلئے مشکل نہیں تھا۔

حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ الکپون خونریزی سے بچنا چاہتا تب بھی نہیں بچ سکتا تھا۔ شہر میں گویا ایک خونی آندھی سی آئی ہوئی تھی۔ خونریزی کئی وجوہ کے باعث اور کئی پہلوؤں سے جاری تھی۔ کاروباری رقابتیں، بدمعاشوں کے طور طریقے اور دشمنی کے لامتناہی سلسلے تو اپنی جگہ تھے ہی لیکن اب ان میں نئے نئے عوامل شامل ہوتے جا رہے تھے۔

خونریزی کے معاملے کو اس وقت بھی ہوا ملی جب اسکیل اور اینسل کا مقدمہ لڑنے کیلئے چندہ جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

قصہ اصل میں یہ تھا کہ مافیا فیملی کا کوئی خاص بدمعاش جب کسی مصیبت میں پھنس جاتا تھا یا قانون کی گرفت میں آ جاتا تھا تو اسے چھڑانے یا اس کا مقدمہ لڑنے کیلئے اور مختلف محکموں کو رشوتیں کھلانے کیلئے باقاعدہ گلی کوچوں اور بازاروں سے چندہ جمع کیا جاتا تھا۔ اس مہم کیلئے ایسے آدمیوں کو مقرر کیا جاتا تھا جن کی علاقے میں دہشت ہوتی تھی، جن کی صورت دیکھتے ہی لوگ ڈر جاتے تھے اور خاموشی سے مطلوبہ رقم نکال کر رکھ دیتے تھے خواہ اس کیلئے انہیں گھر کے برتن ہی بیچنے پڑتے۔

اسکیل اور اینسل پر پہلے بھی ایک پولیس آفیسر کے قتل کا مقدمہ چل چکا تھا۔ اس وقت بھی ان کیلئے ایک لاکھ ڈالر چندہ جمع کیا گیا تھا۔ وہ مہم بخیر و خوبی انجام پا گئی تھی اور اسکیل اور اینسل اس مقدمے میں بری بھی ہو گئے تھے۔

اب ان پر دوسرے پولیس آفیسر کے قتل کا مقدمہ شروع ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ دونوں پولیس آفیسر ایک ہی واقعے میں مارے گئے تھے مگر اسکیل اور اینسل پر ان کے بارے میں مقدمے وقفے سے چل رہے تھے۔ اب دوسرا مقدمہ شروع ہوا تو ایک بار پھر چندے کی مہم درپیش ہوئی۔

مافیا فیملی کا کرتا دھرتا چونکہ پہلے ایماٹ ہی بنا ہوا تھا اس لئے پہلی بار چندہ جمع کرنے کی مہم اس نے اپنے حکم پہ اور اپنی نگرانی میں شروع کرائی تھی۔ اس نے اوریز نامی ایک بدمعاش کو اس مہم کا انچارج مقرر کیا تھا۔ اوریز کی علاقے میں بڑی دہشت تھی۔ لوگ اس سے سخت نفرت کرتے تھے لیکن ڈرتے بھی تھے۔ اکثر بدمعاشوں اور دہشت گردوں کا معاملہ یہی ہوتا ہے، لوگ دل ہی دل میں ان سے نفرت کرتے ہیں لیکن ان کی دہشت اور ان کی گروہی طاقت کی وجہ سے ان کا حکم ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اوریز کی عمر 44 سال تھی لیکن وہ مضبوط کاٹھی کا ایک دراز قد آدمی تھا اور بہت سے نوجوانوں سے زیادہ طاقتور دکھائی دیتا تھا، اس کی رنگت تانبے جیسی تھی اور ناک عقاب کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تھی، اسے کسی کے سامنے اپنی خباثت کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ خباثت اس کے چہرے پر ہی لکھی ہوئی تھی۔

اب ایماٹ تو اس دنیا میں نہیں تھا۔ الکپون اسے مروا چکا تھا چنانچہ اوریز نے خود ہی اپنے آپ کو دوسری بار چندہ جمع کرنے کی مہم کا انچارج مقرر کر لیا۔ اس مرتبہ اس کے عزائم بھی پہلے سے کہیں زیادہ بلند تھے۔ اس نے سوچا تھا کہ اس بار وہ ضرورت سے کہیں زیادہ چندہ جمع کرے گا اور اس کا بیشتر حصہ خود ہی رکھ لے گا۔ ویسے تو اس قسم کے لوگوں کی نیت اکثر ہی خراب رہتی ہے لیکن اس بار تو شروع سے ہی خراب تھی۔

اب یہ شاید اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کی چندہ جمع کرنے کی مہم کا آغاز ہی اچھا نہیں ہوا۔ ایک تو لوگ حالات سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ روز روز کی لڑائی جھگڑوں، گروہی دشمنیوں اور خونریزی کی وجہ سے کاروبار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ بے قصور لوگ گروہوں کی باہمی دشمنی اور چپقلش کی زد میں آ کر جانی اور مالی نقصان اٹھاتے رہتے تھے، اس پر بھی آئے دن کوئی نہ کوئی ان سے چندے لینے آ جاتا تھا۔

شاید ان حالات کا ردعمل تھا کہ پچھلی بار جن لوگوں نے اوریز کو فراخدلی سے چندے دیئے تھے، اس بار انہوں نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ اوریز جیسے بدمعاش کی نظر میں اس ”سنگین جرم“ کی سزا موت تھی۔ اس نے پہلے ہنری نامی ایک دکاندار کو قتل کیا پھر دو بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو سوری برادرز کہلاتے تھے۔

اس کے بعد اوریز کو چندہ تو تیزی سے ملنے لگا لیکن اندر ہی اندر لٹل اٹلی کے لوگوں کے دلوں میں نفرت کا لاوا بھی پکنے لگا۔ کسی بھی گنجان آبادی میں کسی ایک ہی گروہ کے ہمدرد نہیں رہتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی ہمدردیاں کس کے ساتھ ہوں، کس کے کاروباری مفادات کس کے ساتھ وابستہ ہوں اور پھر ان میں سے بعض لوگوں کو دوسروں کی سرپرستی اور پشت پناہی بھی حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ ہوا یہ کہ ایک روز ایک کار اوریز کے قریب سے گزری تو اس میں ایک شاٹ گن گرجی اور دوسرے ہی لمحے اوریز سڑک پر پڑا نظر آیا۔ گولی اس کی کھوپڑی میں لگی تھی۔

اس کے چھ دن بعد ویٹو نامی ایک اور شخص کی پیشانی میں سوراخ ہو گیا۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جو اوریز کی طرف سے چندہ جمع کرنے پر مامور تھے۔ اس کے دو دن بعد انیکولا نامی ایک اور شخص کی لاش کوڑے کے ڈھیر پر پڑی پائی گئی۔ یہ بھی اوریز کے کارندوں میں سے ایک تھا۔

اس کے تین دن بعد فلپ نامی ایک شخص پر گولی چلائی گئی مگر اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بچ گیا اور ایک بے قصور راہ گیر اس گولی کی زد میں آ کر مر گیا۔ فلپ وہ آدمی تھا جس نے اوریز کے حکم پر چندہ نہ دینے کے ”سنگین جرم“ میں ہنری نامی دکاندار کو قتل کیا تھا۔ جب فلپ پر گولی چلی اور وہ اتفاقاً بچ گیا تو اس نے قدرت کی اس مہربانی کو غنیمت سمجھا اور اس واقعے کے بعد روپوش ہو گیا۔

ان حالات میں الکپون بروکلین سے واپس آیا تو لٹل اٹلی کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ چھوٹے چھوٹے بدمعاش اسکے کاروبار کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے اور ڈوٹی تو اپنے آپ کو مکمل طور پر الکپون کا جانشین سمجھ رہا تھا۔ اس نے تمام سیلونز اور شراب خانوں کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ انہیں اب الکپون کی شراب اور بیئر چھوڑ کر ڈوٹی کی شراب اور بیئر خریدنی ہو گی ورنہ وہ اپنے اپنے سیلون اور شراب خانے بند کرنے کی تیاری کر لیں۔

سیسرو کو الکپون اب بھی اپنا محفوظ ٹھکانا شمار کرتا تھا لیکن ڈوٹی نے وہاں کے بارے میں بھی اعلان کر دیا کہ جلد ہی وہاں کے جوئے خانوں میں الکپون کی مشینوں کی جگہ ڈوٹی کی مشینیں لگی ہوں گی۔ ایک اور گروہ کا سرغنہ ولیس بھی کچھ اسی قسم کے دعوے کر رہا تھا۔ ولیس ایک نہایت خطرناک آدمی اور سفاک قاتل تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ اس سے الکپون بھی ڈرتا تھا۔

انہی دنوں کے بارے میں ایک اخباری رپورٹر کی ذاتی تحریروں میں سے ایک تحریر سے شہادت ملتی ہے کہ ایک روز اس نے الکپون کو اپنے سیسرو والے ایک ریسٹورنٹ میں اپنے ایک آدمی کے ساتھ تیزی سے کچھ بات کرتے دیکھا۔ رپورٹر دور بیٹھا تھا اسلئے وہ سن نہیں سکا کہ کیا گفتگو ہو رہی تھی لیکن الکپون کا چہرہ سرخ تھا اور اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سخت غصے میں ہے۔

اسے شاید اپنے کچھ کاروباری اڈوں کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہاں کچھ لوگ بدمعاشی کر رہے ہیں۔ دوسرے بدمعاشوں نے شاید یہ سمجھ لیا تھا کہ الکپون اب کچھ نہیں کر سکتا۔ الکپون نے ایک دیوار پر آویزاں پینٹنگ ایک طرف ہٹائی، اس کے پیچھے ایک خفیہ خانہ تھا۔ الکپون نے اس میں سے ایک نئی مشین گن نکالی۔ یہ ہلکی مشین گن اس نے خود سنبھالی، اپنے تین آدمیوں کو اس نے پستول دیئے اور پھر وہ تیزی سے کہیں روانہ ہو گئے۔

رپورٹر کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ چاروں اس رات کہاں گئے اور انہوں نے کیا کیا۔ رپورٹر نے اس بارے میں اپنے اخبار میں بھی کچھ نہیں لکھا البتہ دوسرے روز شکاگو اور سیسرو کے مختلف مقامات سے سات لاشیں ملیں۔ یہ لاشیں ملنے کی خبر اخبارات میں ضرور آئی لیکن اس رات رپورٹر نے سیسرو کے ریسٹورنٹ سے الکپون اور اس کے آدمیوں کو جس طرح روانہ ہوتے دیکھا تھا، اسکے بارے میں کسی اخبار میں ایک لفظ بھی نہیں چھپا۔

انہی دنوں اسٹیٹ اٹارنی کے عہدے کیلئے الیکشن ہونا تھا۔ یہ ایک بڑا اور اہم عہدہ تھا۔ اسٹیٹ اٹارنی ریاست کا سب سے بڑا سرکاری وکیل ہوتا تھا، اسکے ماتحت تقریباً ستر اسسٹنٹ کام کرتے تھے۔ بدمعاشوں کے گروہ چاہ رہے تھے کہ اس عہدے پر باب کرو منتخب ہو جائے۔ باب کرو کا رویہ مافیائی گروہوں کے ساتھ بہت نرم رہا تھا، وہ پہلے ہی اس عہدے پر کام کر رہا تھا۔

گروہوں کے سرغنہ اسے اپنا ہمدرد محسوس کرتے تھے۔ وہ مال بنانے والا آدمی تھا شاید اسی لئے اسکے دور میں بدمعاشوں کے گروہ پھل پھول رہے تھے، شہر کا ماحول تباہ کر رہے تھے، خونریزی میں مصروف تھے مگر ان کی کوئی خاص سرکوبی ہوتی دکھائی نہیں دیتی تھی، عدالتوں سے انہیں قابل ذکر سزائیں نہیں ہوتی تھیں۔

اسے دوبارہ منتخب کرانے کیلئے مافیائی گروہ سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ اگر وہ دوبارہ منتخب ہو گیا تو گویا اس بڑے سرکاری عہدے پر ان کا ”اپنا آدمی“ بیٹھا ہو گا۔ اس چکر میں وہ عارضی طور پر اپنی آپس کی دشمنیاں بھی بھول گئے تھے۔ کم از کم وقتی طور پر انہوں نے آپس کی مار ماری اور خونریزی بند کر دی۔

شاید یہ شہر کی بدقسمتی تھی کہ باب کرو دوبارہ اسٹیٹ اٹارنی منتخب ہو گیا۔ اسکے چار دن بعد ایک اور افسوسناک واقعہ رونما ہوا کہ باب کرو کا چیف اسسٹنٹ سوگن قتل ہو گیا۔

اس قتل کا الزام الکپون پر آ گیا!

(جاری ہے)

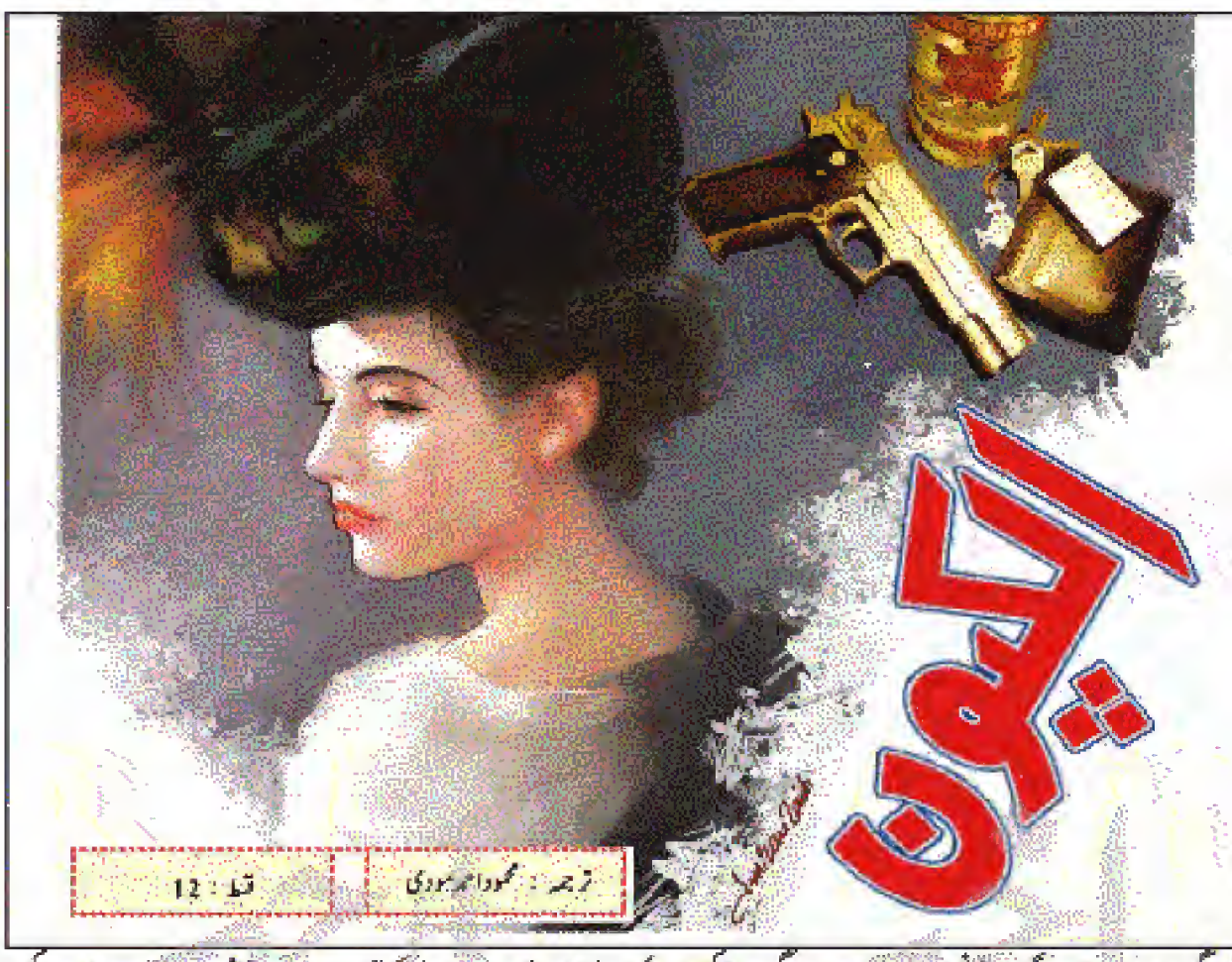

کسی پولیس آفیسر یا سرکاری وکیل کا قتل بہرحال معمولی واقعہ نہیں ہوتا تھا۔ اسٹیٹ اٹارنی کے چیف اسسٹنٹ سوگین کے قتل کا الزام الکپون پر آیا تو اس کے لیے مشکلات کھڑی ہوگئیں۔

درحقیقت الکپون نے مخالف گروہوں کو سبق سکھانے اور اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے بہت سے لوگوں کو مروانے کا فیصلہ کرلیا تھا تاہم سوگین کا نام ان میں ہرگز شامل نہیں تھا۔ ظاہر ہے سوگین نہ تو کسی جرائم پیشہ گروہ کا آدمی تھا اور نہ ہی وہ سرکاری عہدے دار کی حیثیت سے الکپون کا دشمن تھا۔ وہ سرکاری عہدے دار ہونے کے باوجود گویا الکپون کے اپنے آدمیوں میں سے ایک تھا۔

چنانچہ جب پہلے پہل افواہوں کی صورت میں سوگین کے قتل کا الزام الکپون پر آیا تو اس نے اخباری رپورٹروں سے بات چیت کے دوران انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ”میں بھلا سوگین کو کیوں مرواؤں گا؟ وہ تو بہت اچھا نوجوان تھا اور میرا بہت ہی اچھا دوست تھا۔ کل رات ہی تو میری اس سے نہایت تفصیلی اور دوستانہ ملاقات ہوئی تھی۔ چلتے وقت میں نے اسے اس کے ڈیڈی کے لیے نہایت عمدہ وہسکی کی ایک بوتل بھی تحفے کے طور پر دی تھی۔“

سوگین کا باپ پولیس کا سارجنٹ تھا۔ یہ بات کرکے الکپون نے گویا پریس کے سامنے ظاہر کردیا تھا کہ پولیس اور سرکاری وکیلوں سے بھی اس کے کس قسم کے مراسم تھے!

ہوا دراصل یہ تھا کہ الکپون نے جب بڑے پیمانے پر ”جنگ“ یا اپنے مخالفین کا ”آپریشن کلین اپ“ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کا آغاز اس نے قتل کی اکا دکا وارداتوں سے کیا۔ سب سے پہلے اس نے ڈونل کے ایک خاص بندوق باز کو قتل کرایا۔ اس بندوق باز کا نام کوائن تھا۔

کوائن کو الکپون نے اپنے آدمی کے ذریعے قتل نہیں کرایا۔ الکپون اپنے معاملات میں نہایت شاطر تھا۔ وہ قتل و غارت گری کے معاملات میں بھی اپنی حکمت عملی اس طرح بناتا تھا جیسے شطرنج کی بساط پر مہرے چل رہا ہو۔ اس نے کوائن کو قتل کرانے کے لیے اس کے ایک پرانے دشمن کو تلاش کیا۔ اس کا نام رائن تھا۔ کوائن نے کئی سال پہلے رائن کے باپ کو قتل کیا تھا جس کا بدلا رائن ابھی تک نہیں لے سکا تھا۔

ظاہر ہے اگر اسے نہ صرف الکپون کی پشت پناہی حاصل ہوجاتی بلکہ ٹھیک ٹھاک رقم بھی ملتی تو اس کے لیے کوائن سے بدلا لینا بہت آسان ہو جاتا۔ یوں رائن نے کوائن کو اطمینان سے ٹھکانے لگا دیا اور ڈونل یا اس کے گروہ کا شبہ الکپون کی طرف نہیں گیا۔ الٹا قسمت نے الکپون کا اس طرح ساتھ دیا کہ اس قتل کی وجہ سے اس کا ایک اور دشمن قتل ہوگیا جس طرح نیکی سے نیکی کا چراغ جلتا ہے، کبھی کبھی اسی طرح بدی سے بدی کا چراغ بھی جلتا ہے۔

مقتول کوائن دراصل ڈونل کی شراب کی سپلائی کی رقم وصول کرنے بھی جایا کرتا تھا۔ وہ قتل ہوگیا تو فوری طور پر اس کی جگہ کسی دوسرے آدمی کا ”تقرر“ نہیں کیا جاسکا جو کاندروں، شراب خانوں کے مالکوں اور سیلون والوں سے وصول کرنے جایا کرتا..... جبکہ شراب کی سپلائی کا کام بدستور جاری رہا۔

ڈونل اور اسکے گروہ کے لوگ تو ابھی شش و پنج میں ہی تھے کہ کوائن کے قتل کے سلسلے میں کیا کیا جائے۔ اسی دوران ان کے اپنے ہی ایک اور خطرناک بدمعاش میکو کی نیت میں خرابی آئی۔ اس نے سوچا کہ میدان خالی ہے، شراب کی سپلائی جاری ہے اور وصول کرنے کوئی نہیں جا رہا، کیوں نہ یہ کام میں شروع کردوں؟

بدمعاش اور دہشت گرد اکثر موٹے دماغ کے ہوتے ہیں۔ میکو نے سوچا کہ وصولی کے لیے دوسرا آدمی مقرر ہونے میں چند دن تو لگ ہی جائیں گے۔ ان چند دنوں میں وہ خاصی بڑی رقم سمیٹ لے گا اور جب نیا آدمی مقرر ہوگا تو وہ بس روانی میں وصولیاں کرنا شروع کردے گا اور حالات کی ہلچل میں اسے شاید خیال ہی نہیں آئے گا کہ پچھلے چند دنوں میں تو وصولیاں ہوئی ہی نہیں ہیں۔

وہ بہت بڑی رقم تو جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا لیکن یہ محض اس کی خام خیالی تھی کہ اس گڑبڑ کو کوئی محسوس نہیں کرپائے گا۔ لوگوں نے اسے ڈونل کا خاص آدمی سمجھ کر کسی خاص پس و پیش کے بغیر رقمیں تو دے دیں لیکن چند دن بعد جب ڈونل کا باقاعدہ طور پر ”مقرر کردہ“ آدمی وصولیاں کرنے نکلا تو اس کے پاس پچھلے کچھ دنوں کا حساب بھی موجود تھا۔

اس نے لوگوں سے پچھلے بقایاجات کا مطالبہ کیا تو ہر ایک نے یہی کہا کہ وہ تو پہلے ہی کی طرح باقاعدگی سے ادائیگی کرتے چلے آرہے ہیں۔ بیچ میں ایک دن کا ناغہ بھی نہیں آیا۔ نیا آدمی یہ سن کر حیران رہ گیا۔

”تم کسے ادائیگی کرتے رہے ہو؟“ اس نے باری باری سب سے پوچھا۔

”میکو کو.....“ سب نے یہی جواب دیا۔

دوسرے روز ڈونل کے اپنے ہی کچھ آدمی میکو کو اس طرح اپنے ساتھ لیے ہوئے آئے کہ اس کے ہاتھ رسّی سے اس کے پشت پر بندھے ہوئے تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔

وہ لوگ کسی دکان، شراب خانے یا سیلون پر رکتے۔ ان میں سے کوئی میکو کے لمبے بال پکڑ کر ایک جھٹکے سے اس کا سر اوپر اٹھاتا اور پوچھتا۔ ”کیا یہی وہ آدمی تھا جسے تم نے ادائیگی کی تھی؟“

”ہاں۔“ سیلون یا شراب خانے کا مالک یا ملازم جواب دیتا اور وہ لوگ آگے بڑھ جاتے۔

اس طرح انہوں نے ان تمام جگہوں سے تصدیق کی جہاں ڈونل کی شراب سپلائی ہوتی تھی اور رقم واجب الادا تھی۔ ہر جگہ سے یہی جواب ملا کہ گزشتہ چند روز کی رقمیں میکو نے وصول کرلی تھیں۔

دوسرے روز میکو کی لاش ایک گڑھے میں پائی گئی!

میکو بھی ایک ایسا آدمی تھا جسے الکپون اب زندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس کے لیے اسے انگلی بھی نہیں ہلانی پڑی۔ میکو خود اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس قسم کے واقعات کو الکپون کی خوش قسمتی ہی کہا جا سکتا تھا۔

یکے بعد دیگرے اس طرح ڈونل کے کئی آدمیوں کو مروانے کے بعد الکپون نے یکدم ہی ایک بڑی کارروائی کرکے اس کے چند خاص خاص آدمیوں کا صفایا کرنے کا پروگرام بنا رکھا تھا جس کے لیے اسے مناسب موقع کا انتظار تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے بعد ڈونل کی کمر ٹوٹ جائے گی اور وہ کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکے گا۔ ساتھ ہی اس واقعے سے دوسرے گروہوں کو بھی سبق حاصل ہوجائے گا۔ انہیں معلوم ہوجائیگا کہ الکپون کو للکارنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

ایک روز اسے اپنے اس ”آپریشن کلین اپ“ کے لیے بہترین موقع میسر آگیا۔ اسے اسکے ایک مخبر نے اطلاع دی کہ ڈونل کے چھ خاص آدمی دو گاڑیوں میں بھر کر ایک بازار میں پہنچنے والے ہیں۔ شاید وہ کسی قسم کی خوشی منانے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔

الکپون نے تیزی سے اپنے آدمیوں کو تیاری کا حکم دیا۔ سات گاڑیاں فوری طور پر اس آپریشن میں حصہ لینے کے لیے تیار ہوئیں۔ ان میں الکپون کی اپنی بلٹ پروف گاڑی بھی شامل تھی۔ الکپون خود بھی مشین گن لے کر اس مہم میں حصہ لینے جا رہا تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ خود اس مہم کی قیادت کر رہا تھا۔

دو گاڑیاں بازار پہنچ کر ایک سرے پر آڑے رخ کھڑی ہوگئیں۔ دو گاڑیوں نے دوسرے راستے سے بازار کے دوسرے سرے پر راستہ روک لیا۔ راستے میں ایک خالی پلاٹ بھی تھا۔ ایک گاڑی اس پر بھی ”تعینات“ تھی۔

اس حکمت عملی کے ذریعے درحقیقت بازار میں ٹریفک روک دیا گیا تھا۔ اب ان لوگوں کی کارروائی میں مداخلت کے لیے کوئی نہیں آسکتا تھا اور نہ ہی بازار میں پھنسی ہوئی گاڑی فرار ہوسکتی تھی۔ حتیٰ کہ خالی پلاٹ کی طرف سے بھی کوئی نکل کر نہیں جاسکتا تھا۔ وہاں بھی الکپون کے آدمی ایک گاڑی میں، راستہ روکنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

اس کے بعد بازار پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کم از کم ان دو گاڑیوں کے لیے تو قیامت ہی آگئی جن میں ڈونل کے آدمی موجود تھے۔ ان کی شناخت کے سلسلے میں تمام ضروری اطلاعات الکپون کو مل چکی تھیں۔ الکپون اپنے آدمیوں کو یہ دکھانے کے لیے، کہ دشمن کو سبق کیسے سکھایا جاتا ہے، خود مشین گن لے کر اپنی بلٹ پروف گاڑی میں موجود تھا۔

مشین گنوں کی فائرنگ کی گھن گرج سے بازار کی عمارتوں کے در و دیوار لرز اٹھے۔ بعد میں صرف ایک بیوٹی پارلر کی دیوار پر گولیوں کے 90 نشانات شمار کیے گئے۔ اسی طرح دوسری بہت سی دکانوں وغیرہ پر بھی گولیوں کی بارش ہوئی۔

وہ دو گاڑیاں جو خاص طور پر فائرنگ کا ہدف تھیں، گولیوں سے چھلنی ہوگئیں۔ ان کے شیشے چکنا چور ہوگئے۔ ان میں موجود لوگوں نے کوئی راہِ فرار نہ پا کر گاڑیوں سے اتر کر پیدل بھاگنے کی کوشش کی مگر موت نے انہیں دو قدم بھی جانے کی مہلت نہ دی۔ کسی کا ایک پاؤں زمین پر اور ایک گاڑی میں ہی رہ گیا اور اس کے جسم میں بہت سی گولیاں اتر گئیں۔ کسی کا ہیٹ، کسی کا کوٹ تباہ شدہ گاڑی میں پڑا رہ گیا۔ گاڑیوں کے فرش پر خون ہی خون جمع ہوگیا۔

الکپون کی گاڑیاں آندھی طوفان کی طرح آئی تھیں، متعدد افراد کی جانیں لے کر اور بہت سی تباہی پھیلا کر وہ اسی طرح غائب ہوگئیں۔ کئی بے قصور افراد بھی فائرنگ کی زد میں آکر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ بازار میں جن لوگوں نے یہ ساری کارروائی دیکھی تھی، ان کے حواس کچھ دیر کے لیے شل ہوکر رہ گئے تھے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ آتش و آہن کی اس خوفناک بارش میں زندہ بچ گئے تھے۔

الکپون کا آپریشن تو کامیاب رہا تھا لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ اس نے اور اس کے آدمیوں نے گولیوں کی جو اندھا دھند بارش کی تھی اس میں اسٹیٹ اٹارنی کا دست راست سوگین بھی مارا گیا تھا۔

سوگین درحقیقت بدمعاشوں ہی کے ساتھ ایک گاڑی میں موجود تھا لیکن یہ ایک ایسی بات تھی جو الکپون کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوسکتی تھی۔ بھلا بدمعاشوں کی گاڑی میں اسسٹنٹ اسٹیٹ اٹارنی کا کیا کام؟ سوگین اس گاڑی میں کیا کر رہا تھا؟ یہ جاننے کے لیے اسکے شخصی پس منظر پر نظر ڈالنا ضروری تھا۔

سوگین اس قسم کے لوگوں میں سے تھا جو مختلف شعبوں میں قسمت آزمائی کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس نے پولیس کے محکمے میں بھی کچھ عرصہ خدمات انجام دی تھیں۔ اس کی وجہ تو شاید یہ بھی رہی ہو کہ وہ ایک پولیس آفیسر کا بیٹا تھا۔

تعلیم اس نے قانون کی حاصل کی تھی اس لیے کچھ عرصہ وکیل بھی رہا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ صحافی بھی رہا تھا اور اس زمانے میں اس نے بہت سے صحافیوں کو دوست بنایا تھا جو اس کی موت کے بعد بھی اس کے دوست ہی رہے تھے۔

جب وہ وکالت کر رہا تھا اور پھر جب وہ اسٹیٹ اٹارنی کا چیف اسسٹنٹ بنا، اس دوران اس نے جو بھی مقدمہ جیتا، اس کے صحافی دوستوں نے اپنی تحریروں میں اس کی تعریفیں کرکے خوب حق دوستی نبھایا۔

مسئلہ یہ تھا کہ بچپن اور لڑکپن میں اس کے ساتھ کچھ ایسے لڑکے اور بچے بھی کھیلے کودے تھے یا کچھ عرصہ اسکول میں ساتھ پڑھے تھے جو بڑے ہوکر بدمعاش بن گئے۔ گروہوں میں شامل ہوگئے یا کسی مافیا کا حصہ بن گئے۔ انسان کو بچپن میں تو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ بڑے ہوکر اس کے کس ساتھیوں میں سے کون کیا بنے گا۔

سوگین کی خوبی یا خامی یہ تھی کہ اس نے بڑے سرکاری عہدے پر پہنچنے کے بعد بھی اپنے بچپن کے کسی بھی ساتھی سے مکمل قطع تعلق نہیں کیا تھا۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ روز ہی اپنے بچپن کے ان دوستوں سے بھی ملتا تھا جو بدمعاش یا مافیا کے کارندے بن گئے تھے لیکن یہ ضرور تھا کہ ایسے کچھ دوست اگر کبھی کسی خاص موقع پر اس سے ملنے یا اسے اپنے ساتھ کہیں لے جانے کے لیے آجاتے تو وہ انکار نہیں کرتا تھا۔

اس روز بھی ڈونل کے بدمعاش گاڑی لے کر اسے لینے اس کے گھر پہنچ گئے تھے۔ وہ بھی اس کے بچپن کے ساتھی تھے۔ وہ کسی کامیابی کا چھوٹا موٹا جشن منانے جا رہے تھے اور انہوں نے چاہا تھا کہ اس موقع پر سوگین بھی ان کے ساتھ ہو۔

سوگین کا باپ، جو پولیس سارجنٹ تھا، اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ان لوگوں کو دیکھا بھی تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بدمعاشوں کے ساتھ جاتے دیکھ کر ناک بھوں بھی چڑھائی تھی۔ اگر اسے ذرا بھی اندیشہ ہوتا کہ درحقیقت موت اسکے جوان بیٹے کو گھر سے بلا کر لے جا رہی تھی، تو شاید وہ اسے جانے ہی نہ دیتا، وہیں روک لیتا اور محض ناک بھوں چڑھانے پر اکتفا نہ کرتا۔

بہرحال سوگین خطرناک گروہوں کی آپس کی دشمنی میں بے موت مارا گیا۔ فائرنگ اور خونریزی کا یہ واقعہ جس انداز میں رونما ہوا، اس نے شہر میں سنسنی پھیلا دی۔

اسٹیٹ اٹارنی باب کرونے بھی اس واقعے کے بعد اپنے پہلے اخباری بیان میں اعتراف کیا۔ ”اس واقعے نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ابھی میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔“

کوئی بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ فائرنگ کرنے والے کون تھے لیکن واردات کے انداز سے بہت سے معاملہ فہم لوگوں کو اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ الکپون ہی کا کام ہوسکتا ہے تاہم یہ قیاس وہ لوگ بھی نہیں کرسکتے تھے کہ الکپون نے خود بھی اس کارروائی میں حصہ لیا ہوگا۔

یہ سوال بھی شہریوں کے ذہنوں میں ابھرا کہ آخر اسٹیٹ اٹارنی کا اسسٹنٹ بدمعاشوں کے ساتھ ان کی گاڑی میں کیا کر رہا تھا؟ اخبارات میں چونکہ سوگین کے بہت سے ہمدرد اور دوست موجود تھے اس لیے ان میں سے کسی نے خود ہی یہ شوشا چھوڑ دیا کہ شاید وہ کسی واردات ہی کے بارے میں ثبوت حاصل کرنے کے لیے بدمعاشوں کے ساتھ جا رہا تھا۔

اسٹیٹ اٹارنی، باب کرو نے بھی جلدی سے اس بیان کو اپنا لیا اور سکون کی سانس لی ورنہ وہ لوگوں کی انگشت نمائی کی وجہ سے کچھ فکرمند ہو رہا تھا۔

سوگین کا باپ البتہ صورتحال کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے خبر سنتے ہی اپنے غم و اندوہ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔ ”مارنے والے درحقیقت میرے بیٹے کو مارنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ ان کی لاعلمی میں مارا گیا۔ قسمت کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں۔“

بہرحال پولیس نے جلد ہی نتیجہ اخذ کرلیا کہ یہ کام الکپون کے گروہ کا ہے۔ باب کرو نے بھی اس خیال کی تائید کردی۔ شوبیکر ان دنوں پولیس کے سراغرسانوں کا چیف تھا۔ اس نے قتل کے الزام میں الکپون کی گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرلیا..... مگر مسئلہ یہ تھا کہ الکپون کو گرفتار کیسے کیا جائے؟

وہ غائب ہوچکا تھا!

اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ سوگین خواہ بدمعاشوں کی گاڑی میں، انہی کے ساتھ مارا گیا تھا مگر اس کی موت نے بہرحال پولیس اور عوام میں کافی اشتعال پیدا کردیا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ پولیس اسے دیکھتے ہی گولی بھی مار سکتی ہے اور بعد میں اس سلسلے میں کوئی کہانی گھڑ سکتی ہے۔

اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر وہ پولیس کے سراغرسانوں کے چیف شوبیکر کے ہتھے چڑھ گیا تو کم از کم ان دنوں شوبیکر اس کی دہشت کے زیر اثر نہیں ہوگا۔ کچھ بعید نہیں کہ پولیس والے اس سے تفتیش کے سلسلے میں عام مجرموں والا طریقہ اختیار کریں یعنی اسے کسی پولیس اسٹیشن کے تہہ خانے میں لے جاکر تشدد کریں۔

الکپون جب پولیس کے ہاتھ نہیں آیا تو انہوں نے دوسرے طریقے سے اپنا غصہ نکالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس کے کئی اڈوں پر چڑھائی کردی، خوب توڑ پھوڑ مچائی اور کئی اڈوں پر تالا لگا دیا۔ الکپون کے اندازے کے مطابق پولیس والوں نے ایک دو دن کے اندر اندر اسے کم از کم ایک ملین ڈالر کا نقصان پہنچایا تھا۔ یہ تو صرف املاک کی تباہی کا نقصان تھا۔ اس سے بھی زیادہ نقصان آمدنی میں ہوا۔

پولیس چیف کولنز نے خود اپنی نگرانی میں ایسی کارروائیاں کرائیں۔ اس دوران پتہ چلا کہ الکپون کے دو تین اڈے ایسے بھی تھے جو ریکارڈ کے مطابق تو عدالتی حکم کے تحت بند تھے لیکن درحقیقت وہ کھلے تھے اور وہاں جو دھندہ پہلے چل رہا تھا وہ اب بھی چل رہا تھا۔

جس ہوٹل میں الکپون کا ہیڈ آفس ہوا کرتا تھا وہاں ابھی تک پچیس کمرے اونچے درجے کے عشرت کدوں کا کام دے رہے تھے۔ اسکے علاوہ پولیس نے بعض اڈوں کی دیواروں میں وہ خفیہ خانے بھی دریافت کرلیے جن میں ہتھیار چھپا کر رکھے جاتے تھے۔ پولیس نے ان سب جگہوں پر خوب تباہی مچائی اور اپنے دل کے ارمان نکالے۔

ان کارروائیوں کے دوران موجود رہنے والے ایک رپورٹر نے اپنے اخبار میں لکھا۔ ”ایسا لگتا ہے کہ الکپون نے اپنی ایک الگ ہی دنیا بسا رکھی ہے جس میں وہ جو چاہے، ہوسکتا ہے۔ اس کی دنیا میں اس شہر، ریاست یا ملک کا کوئی قانون نہیں چلتا۔ وہاں صرف اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہ اپنی اس دنیا کا بادشاہ ہے۔“

تاہم وقتی طور پر تو کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا کہ الکپون کی اس دنیا کو تہہ و بالا کردیا گیا ہے لیکن لوگ وثوق سے ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ یہ سب اڈے دوبارہ کھل جائیں گے، سب دھندے دوبارہ چلنے لگیں گے۔ لوگوں کے خیال میں الکپون اب ایک ایسی آندھی بن چکا تھا جس کے بارے میں کبھی کبھی یوں لگتا تھا کہ وہ رک گئی ہے مگر ذرا توقف کے بعد وہ پھر چلنے لگتی تھی اور تمام پابندیوں کو اپنے ساتھ اڑا کر لے جاتی تھی۔

اصلاح پسندوں اور چرچ کے لوگوں نے بھی اس دوران اپنا غم و غصہ نکالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے الکپون کے، فحاشی کے ایک اڈے کو آگ لگا دی۔ فائر بریگیڈ وہاں اس وقت پہنچا جب سب کچھ تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد فائر بریگیڈ نے صرف یہ کوشش کی کہ آگ برابر کی عمارتوں تک نہ پھیلنے پائے۔

جب ایک اخباری رپورٹر نے فائر چیف سے پوچھا کہ فائر بریگیڈ اتنی تاخیر سے کیوں پہنچا تو اس نے اطمینان سے جواب دیا کہ وہ جلدی آ کر کیا کرتے، ان کے پاس پانی ہی نہیں تھا، انہیں پانی کا انتظام کرنے میں دیر ہوگئی۔

آگ لگانے والوں کے ہم خیال، آتشزنی کے اس واقعے پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اگر الکپون کے سارے اڈوں کو اسی طرح آگ لگا دی جائے تو اچھا ہے کیونکہ پولیس اور عدالتوں کے ذریعے انہیں مستقل طور پر بند کرنا ممکن نہیں تھا۔

بہرحال قتل کے واقعات کی تحقیقات کے لیے ایک گرینڈ جیوری بٹھائی گئی مگر یہ جیوری عوام کے سامنے اپنی تحقیقات کے کوئی خاص نتائج پیش نہیں کرسکی۔ جیوری کی کارکردگی کی راہ میں کئی رکاوٹیں حائل تھیں۔

سب سے پہلا مسئلہ یہ تھا کہ شہر کے قوانین کے مطابق گرینڈ جیوری صرف ایک ماہ کے لیے بٹھائی جاتی تھی۔ اسے جو کچھ بھی کرنا ہوتا تھا، ایک ماہ کے اندر اندر کرنا ہوتا تھا۔ اس جیوری کو ایک ماہ تو گواہ تلاش کرتے کرتے ہی گزر گیا۔

واقعہ بلاشبہ بہت بڑا تھا لیکن ایسا کوئی آدمی جیوری کے سامنے نہیں آ رہا تھا جسے صحیح معنوں میں اس واقعے کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا۔ صرف الکپون ہی نہیں بلکہ ڈونل بھی روپوش ہوچکا تھا جس کے آدمی اس واقعے میں مارے گئے تھے۔

ڈونل پورے ایک ماہ تک غائب رہا۔ جب جیوری برخاست کردی گئی تب ڈونل اپنے بھائیوں سمیت عدالت کے سامنے پیش ہوگیا۔ اس نے مؤقف اختیار کیا کہ وہ جان کے خوف سے روپوش ہوگیا تھا۔ دو دن اسے حراست میں رکھنے کے بعد عدالت کو اسے رہا کرنا پڑا۔

جیوری کی مرتب کردہ رپورٹ کسی کام کی نہیں تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ فائرنگ کرنے والے دہشت گردوں کو درحقیقت معلوم نہیں تھا کہ ان کا ہدف کون لوگ ہیں، اس لیے سوئیگن بھی جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ مارا گیا۔

ڈول نے البتہ اپنے بیان سے اس سلسلے میں سوئیگن کی پوزیشن

صاف کرنے کی کوشش کی کہ آخر وہ جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ ان کی گاڑی میں کیوں جا رہا تھا؟ ڈول نے بیان دیا کہ سوئیگن ان لوگوں کے ساتھ درحقیقت ایک اہم شہادت برآمد کرنے جا رہا تھا جو ایک کیس کے سلسلے میں کافی دنوں سے مطلوب تھی۔ وہ ایک بلٹ پروف جیکٹ تھی جو خونریزی کے ایک اور مقدمے میں بڑی اہمیت رکھتی تھی مگر غائب ہو چکی تھی۔ اس روز سوئیگن کو اپنے خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ وہ بلٹ پروف جیکٹ ایک جگہ موجود ہے مگر ڈول کے آدمیوں کے تعاون کے بغیر اسے برآمد کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے سوئیگن ایک طرح سے انہیں اپنی نگرانی میں لے کر جا رہا تھا۔

یوں آنجہانی سوئیگن کی پوزیشن کافی حد تک صاف ہو گئی۔ البتہ خونریزی کے سلسلے میں ڈول اور اس کے بھائیوں نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ انہیں معلوم نہیں، ان کے آدمیوں کو کس نے مارا اور کیوں مارا؟

گرینڈ جیوری نے اپنی رپورٹ کے آخر میں یہ بھی لکھا۔ "واقعہ بے شک سنگین ہے لیکن نیا اور انوکھا بہرحال نہیں ہے۔ شہر میں اس سے پہلے بھی اس طرح کے واقعات ہوتے رہے ہیں مگر پہلے کبھی اس طرح ہلچل برپا نہیں ہوئی۔"

دوسری اور تیسری مرتبہ بھی گرینڈ جیوری تشکیل دی گئی مگر کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔ بات تقریباً وہیں کی وہیں رہی۔

تیسری جیوری کے تحلیل ہونے کے بعد الکپون بھی منظر عام پر آ گیا۔ 28 جولائی 1926ء کو اس نے ریاست الی نوائے اور انڈیانا کی درمیانی سرحدی لائن پر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا لیکن اس نے پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے بجائے اپنے آپ کو ایف بی آئی کے حوالے کیا تھا۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ پولیس کی جانب سے اسے خطرہ تھا کہ وہ اسے جعلی مقابلے میں ہلاک نہ کر دے۔

گرفتاری پیش کرنے سے ایک رات پہلے وہ اس مقام سے 80 میل دور موجود تھا۔ وہاں اس نے صحافیوں کو مدعو کیا اور ان کے سامنے پیش ہو گیا۔ اس وقت وہ ہمیشہ کی طرح خوش لباس اور پُراعتماد نظر آ رہا تھا۔

اس نے صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی مقرر تو ہوں نہیں کہ آپ کے سامنے لمبی چوڑی تقریر کروں۔ میں بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اس کیس کے بارے میں مجھے جو کچھ بھی معلوم ہے وہ میں پولیس سے پہلے آپ لوگوں کو بتا دوں گا...... لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے موقع دیا جائے کہ میں سوئیگن کے قتل سے اپنی لاتعلقی ثابت کر سکوں۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ سوئیگن کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ وہ میرا دوست تھا۔ میں بھلا اسے کیسے قتل کرا سکتا تھا؟ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

صحافیوں سے بات چیت جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "مجھ پر یہ برا وقت ہے۔ میں تو بات کرتے ہوئے بھی ڈر رہا ہوں۔ کہیں منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جسے بنیاد بنا کر کوئی اور جرم میرے سر منڈھ دیا جائے۔ یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے کہ میری غیر موجودگی میں...... اور میرا موقف سنے بغیر نہ جانے مجھے کون کون سے جرم کی سزا سنا دی گئی ہے۔ بہرحال میں اپنی بے گناہی ثابت کر دوں گا۔ اسی لیے میں نے اپنے آپ کو پولیس والوں کے ہتھے چڑھنے سے بچائے رکھا تھا کہ کہیں وہ مجھ سے ناکردہ جرائم کا اعتراف نہ کرا لیں۔ جب وہ واقعہ تازہ تھا، اس وقت پولیس والے کچھ زیادہ ہی جوش میں آئے ہوئے تھے اور ان پر بھی اصلاح پسندی کا دورہ پڑا ہوا تھا۔ اصلاح پسندی اچھی چیز ہے، میں خود اس کے حق میں ہوں لیکن بدقسمتی سے اس وقت جو اصلاح پسند پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ درحقیقت اصلاح پسند نہیں بلکہ منافق ہیں۔ ان کے عزائم سیاسی ہیں اور یہ اصلاح پسندی کی آڑ لے کر اپنے عزائم کی تکمیل کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ یہ لوگ مجھ جیسے دنیا داروں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ بہرحال اب میں نے اپنے وکیل مقرر کر دیے ہیں جو اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ میرے ساتھ کوئی بدسلوکی اور ناانصافی نہ ہونے پائے۔ ویسے تو تین گرینڈ جیوریاں تشکیل پا کر ختم ہو چکی ہیں اور وہ میرے بارے میں کچھ ثابت نہیں کر سکیں۔ چنانچہ اب درحقیقت انتظامیہ کے پاس میرے خلاف کوئی کیس نہیں ہے۔"

"سوئیگن سے آپ کے کس نوعیت کے تعلقات تھے؟" ایک رپورٹر نے دریافت کیا۔

"دوستانہ......" الکپون نے بلاتامل جواب دیا۔ "ہم تو جرائم کی تفتیش کے سلسلے میں اس کے ساتھ تعاون کیا کرتے تھے۔ قتل سے ایک رات پہلے بھی وہ میرے ساتھ موجود تھا اور کسی کو اس ملاقات کا علم نہیں تھا۔ اگر ہم چاہتے تو اس وقت بھی اسے قتل کر سکتے تھے۔ اسے قتل کرنے کے لیے وہ موقع زیادہ اچھا تھا۔ کوئی بھی اس کا الزام مجھ پر عائد نہیں کر سکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں بھلا کیوں ایسا کرتا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔"

"تو پھر پولیس نے آپ پر اتنے الزامات کیوں عائد کر دیے؟" ایک رپورٹر نے سوال کیا۔

"آپ لوگوں سے بہتر کون جانتا ہے کہ پولیس کو تو ہمیشہ ہی اپنی نااہلی چھپانے کے لیے قربانی کے ایک بکرے کی تلاش ہوتی ہے۔" الکپون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور میرے ساتھ چونکہ وہ معاملہ ہے کہ...... بد اچھا، بدنام برا...... چنانچہ میرے گلے میں ہر الزام کا پھندا آسانی سے فٹ آ جاتا ہے۔ پولیس کو اپنی نااہلی چھپانے کے لیے مجھ سے اچھا قربانی کا بکرا بھلا کہاں مل سکتا ہے؟ وہ چونکہ اصل قاتلوں کو تلاش نہیں کر سکے، اس لیے انہیں آسان راستہ یہی نظر آیا کہ ہر الزام میرے سر تھوپ دیں۔"

پھر اس نے خونریزی میں ہلاک ہونے والے ایک ایک آدمی کا نام لے کر کہا۔ "یہ سب تو میرے دوست تھے۔ میں بھلا انہیں کیسے مروا سکتا تھا؟ اکثر پارٹیوں میں وہ میرے ساتھ ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ڈول اور اس کے بھائی بھی میرے دوست ہیں۔ میں تو شراب کا دھندہ کرتا ہی نہیں ہوں، اس لیے ان سے میری رقابت یا دشمنی کا بھلا کیا سوال؟"

یوں نہایت صفائی اور دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے ہوئے الکپون نے مزید کہا۔ "جب فائرنگ کا یہ واقعہ رونما ہوا، میں تو اس وقت سیسرو کے ایک ہوٹل میں تھا۔"

"تو پھر آپ روپوش کیوں ہو گئے تھے؟" ایک صحافی نے سوال کیا۔

"اس وقت فضا کچھ ایسی بن گئی تھی کہ فوری طور پر میرے خلاف بہت زیادہ اشتعال پھیل گیا تھا۔" الکپون نے بلاتامل نہایت اعتماد سے جواب دیا۔ "خود پولیس بھی سخت مشتعل تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ لوگ مجھے دیکھتے ہی گولی نہ مار دیں...... یا اگر انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا تو کہیں تشدد کے اپنے مخصوص ہتھکنڈے استعمال کر کے مجھ سے کچھ منوا نہ لیں۔ چنانچہ میں نے روپوش ہونا ہی بہتر سمجھا تاکہ معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے۔ بہرحال اب میں اپنے آپ کو قانون کے سامنے پیش کرنے کے لیے تیار ہوں...... لیکن اب بھی میں گرفتاری پولیس کے سامنے پیش نہیں کروں گا۔ میں اپنے آپ کو ایف بی آئی ایجنٹس کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ چاہیں گے تو مجھے پولیس کے سپرد کر دیں گے۔ میں اب ہر الزام کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے اپنے وکیلوں کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب وہی سارے معاملے کو سنبھالیں گے۔"

دوسرے روز اس نے اپنے وکیل بنجمن کی موجودگی میں فیڈرل ایجنٹوں کے سامنے گرفتاری پیش کی۔ بنجمن اسکے وہی معاملات سنبھالتا تھا جن کا تعلق فیڈرل اداروں سے ہوتا تھا۔

دوسرے روز اس کے دو اور وکیل عدالت میں موجود تھے جو اس کے مقامی مسائل کے سلسلے میں عدالتوں میں پیش ہوتے تھے۔ عدالت کو مسئلہ درپیش تھا کہ جو قتل ہوئے تھے، ان سے الکپون کا تعلق کیسے ثابت کیا جائے؟

پولیس کے پاس ایک گواہ موجود تھا جس نے پہلے کہا تھا کہ وقوعے کے روز اس نے الکپون کو غصے کے عالم میں دیوار کے ایک خفیہ خانے سے مشین گن نکال کر چند دوسرے لوگوں کے ساتھ روانہ ہوتے دیکھا تھا...... لیکن اس روز گواہ کو عدالت میں پیش کیا گیا تو وہ سخت دہشت زدہ تھا۔

اس نے بیان دیا کہ اس نے ایسا کوئی واقعہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا اور بعد میں پولیس بھی اس ریسٹورنٹ کی دیوار میں کوئی خفیہ خانہ دریافت کرنے میں ناکام رہی تھی۔ عدالتی کارروائی چونکہ دوسرے روز تک چلی، اس لیے الکپون کو صرف وہی ایک رات حوالات میں گزارنی پڑی۔ دوسرے روز اس کی ضمانت ہو گئی۔ اس کے اپنے بانڈز مین نے اس کا 25000 ڈالر کا ضمانت نامہ داخل کیا۔

الکپون اطمینان سے مسکراتے ہوئے عدالت سے رخصت ہو گیا۔ پولیس کے سراغرسانوں کے چیف، شومیکر نے اس موقع پر ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "واقعی، کسی حقیقت سے بہت اچھی طرح آگاہ ہونے اور اسے عدالت میں ثابت کرنے میں بڑا فرق ہے۔ ان دونوں باتوں کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل ہے۔"

سوئیگن کا باپ سارجنٹ انتھونی اس موقع پر بڑا جذباتی تھا۔ وہ بولا۔ "مجھے معلوم ہے میرے بیٹے کو الکپون اور اسکے آدمیوں نے قتل کیا ہے لیکن افسوس، کہ میرے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے جسے عدالت تسلیم کر سکے۔ اب میری باقی زندگی ثبوت تلاش کرنے میں ہی گزرے گی اور میں قاتلوں کو انجام تک پہنچا کر چھوڑوں گا۔"

پھر ایک اور موقع پر اس نے کہا۔ "میرا بس چلے تو میں الکپون کو گولی مار دوں۔"

اس ضمن میں ایک روایت تو یہ موجود ہے کہ یہ بات سن کر الکپون خود اس پولیس اسٹیشن جا پہنچا تھا جہاں انتھونی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اس نے خود اپنا پستول انتھونی کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا۔ "اگر تم واقعی مجھے اپنے بیٹے کا قاتل سمجھتے ہو تو اپنے ہاتھ سے مجھے گولی مار دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے آدمی تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔"

سارجنٹ انتھونی نے پستول اٹھا کر اس پر تان لیا تھا لیکن پھر اس کا حوصلہ جواب دے گیا۔ وہ ٹریگر نہ دبا سکا۔ الکپون ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ایک دوسری روایت ایک سزا یافتہ مجرم کے بیان پر مبنی ہے۔ اس نے ایک رپورٹر کو حلفیہ طور پر بتایا تھا کہ اس نے چند پولیس آفیسرز کو الکپون کے قتل کی سازش تیار کرتے سنا تھا۔

الکپون کو کسی کام سے دوسرے روز پولیس اسٹیشن جانا تھا۔ پولیس والوں نے طے کیا تھا کہ دو آفیسر اسے سارجنٹ انتھونی کے سامنے لے جائیں گے جو الکپون کو گولی مار دے گا۔ پولیس آفیسرز کا وعدہ تھا کہ وہ اسے خود حفاظتی کا کیس بنا دیں گے۔ یعنی وہ عدالت میں بیان دے دیں گے کہ الکپون، سارجنٹ انتھونی کو قتل کرنے کے لیے پولیس اسٹیشن آیا تھا چنانچہ انتھونی نے اپنی جان بچانے کے لیے گولی چلا دی۔ یہ جعلی پولیس مقابلے سے ملتا جلتا منصوبہ تھا۔

سزا یافتہ مجرم کا بیان ہے کہ اس منصوبے پر عمل بھی ہوا۔ دو پولیس آفیسر جو الکپون کے دائیں بائیں اس کے دونوں بازو پکڑے چل رہے تھے، اسے اچانک سارجنٹ انتھونی کے سامنے لے گئے۔

منصوبے کے مطابق سارجنٹ انتھونی نے پستول بھی نکال لیا اور الکپون پر تان لیا۔ الکپون نے ذرا بھی گھبراہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی اور ردعمل ظاہر کیا۔ وہ پُرسکون انداز میں کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر سارجنٹ انتھونی کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے اپنے دفاع کے لیے اپنا پستول نکالنے کی بھی کوشش نہیں کی۔

آخری لمحے پر سارجنٹ انتھونی کا حوصلہ جواب دے گیا۔ اس کا ہاتھ کانپنے لگا اور وہ ٹریگر نہ دبا سکا۔ آخرکار اس کا پستول والا ہاتھ خود بخود نیچے آ گیا۔ پھر وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

سزا یافتہ مجرم کا بیان ہے۔ "دراصل سارجنٹ انتھونی بہت ہی شریف آدمی تھا۔ وہ باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کسی ایسے آدمی کو ہلاک نہیں کر سکتا تھا جو اس کے سامنے ہتھیار بھی نہ نکال رہا ہو۔ بہرحال، یوں اسکے ساتھی پولیس آفیسرز کے منصوبے پر عملدرآمد ہونے سے رہ گیا۔"

سوئیگن کے قتل کے سلسلے میں بعد میں بھی الکپون سے بارہا سوالات کیے جاتے رہے جس پر ایک بار تو اس نے تھکے تھکے سے لہجے میں قدرے بیزاری سے یہ بھی کہا۔ "بھئی میں سوئیگن کو کیسے قتل کرا سکتا تھا...... وہ تو ہمارا اپنا آدمی تھا۔ ہم تو اسے باقاعدگی سے "نذرانہ" پہنچایا کرتے تھے اور وہ بھی ہمارا ہر ممکن خیال رکھا کرتا تھا۔ ایسے آدمی کو قتل کرنے کی ہمیں کیا ضرورت تھی؟ ایسے آدمی کی تو ہم لوگ حفاظت کیا کرتے ہیں۔"

حالات اور شواہد یہی بتاتے ہیں کہ سوئیگن کا قتل حادثاتی تھا۔ بس وہ اتفاق سے، غلط وقت پر، غلط جگہ پر موجود تھا۔ اس کے علاوہ خونریزی کے اس واقعے کے بارے میں شاید الکپون کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ اسے اس پر کتنے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑے گا ورنہ شاید وہ اس کے بارے میں پیشگی کچھ سوچ بچار کرتا، اس کے لیے کوئی اور حکمت عملی تیار کرتا اور شاید اس پر مرحلے وار عمل کرتا۔ درحقیقت سوئیگن کی موت نے ہی اس واقعے کو زیادہ سنگین بنا دیا تھا ورنہ یہ بھی گینگ وار کی ایک کڑی شمار ہوتا اور آسانی سے فراموش کر دیا جاتا۔

تاہم الکپون کو اس واقعے کے جتنے اثرات بھگتنا پڑے، اتفاق سے اسے فائدہ بھی ہوا۔ انڈرورلڈ میں اس کی دہشت بڑھ گئی۔ بڑے بڑے خونخوار اور خرد ماغ بدمعاشوں کو اندازہ ہو گیا کہ اگر الکپون کارروائی کرنے پر آ جائے تو کیا کچھ کر سکتا ہے، کتنا آگے جا سکتا ہے اور کس طرح صاف بچ کر نکل سکتا ہے۔ ڈول یا اس کے گروہ نے اس کے بعد اسے تنگ نہیں کیا۔

جب اس واقعے کی گرد بیٹھ گئی تو الکپون نے ولیس کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ وہ بھی ایک خطرناک دشمن تھا اور اپنے بارے میں بڑے زعم میں مبتلا تھا۔ یکے بعد دیگرے شکاگو کے دو بڑے علاقوں میں الکپون سے دشمنی رکھنے والے گروہ ٹھنڈے پڑ چکے تھے مگر ولیس بہرحال ابھی تک الکپون سے خوفزدہ نہیں تھا۔

ولیس بھی اپنی جگہ ایک غیر معمولی کردار تھا۔ وہ بے رحم، سفاک، خونخوار اور نہایت غصہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی تھا۔ پریس فوٹوگرافر جب اس کی تصویر کھینچنے کی کوشش کرتے تھے تو وہ الکپون کی طرح ان سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے انہیں باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتا تھا اور نہ ہی بعض دوسرے گینگ لیڈرز کی طرح منہ چھپاتا تھا۔

اس کے بجائے وہ خوفناک نظروں سے ان کی طرف دیکھتا تھا اور غرانے کے سے انداز میں کہتا تھا "اگر کسی نے میری تصویر لینے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کر دوں گا۔"

اس کے سگے بھائی کا اس کے بارے میں بیان تھا "بیس برسوں میں اپنے چھوٹے بھائی سے میری صرف ایک ملاقات ہوئی ہے اور اس وقت بھی اس نے مجھ پر گولی چلا دی تھی۔ وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میں بچ گیا۔"

ایک بار اسکے ایک دوست کی پارٹی چل رہی تھی۔ خوب ہلا گلا ہو رہا تھا۔ پینے پلانے کا دور چل رہا تھا اور دوسری کئی معیوب حرکتیں بھی جاری تھیں۔ ایک ڈپٹی مارشل چھاپہ مارنے آ گیا تو ولیس نے اس پر پستول تان لیا اور اسے وہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے ساتھ پولیس فورس لے کر آ گیا اور جس مکان میں پارٹی ہو رہی تھی وہاں سے انہوں نے غیر قانونی شراب، ہتھکڑیاں، ہتھیار، بے ہوشی کی دوائیں اور اس طرح کی دوسری کئی چیزیں برآمد کر لیں لیکن ولیس نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ پولیس نے ان کے ہاں سے زیورات اور دوسری قیمتی چیزیں لوٹ لیں اور ان کی جگہ خود ہی شراب، ہتھکڑیاں اور ہتھیار وغیرہ رکھ کر برآمد کر لیے۔

یہی چیز ولیس کو زیادہ خطرناک بناتی تھی کہ وہ خونخوار اور غصہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ مکار اور شاطر بھی تھا۔ اپنی تمام تر خونخواری کے باوجود اسے اپنے دماغ پر قابو بھی رہتا تھا۔ اس کی عمر بھی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ ابھی نوجوان ہی تھا۔

الکپون اس وقت اس کی طرف سے واقعی کچھ خوف محسوس کرنے لگا، جب اسے اندازہ ہوا کہ ولیس اس کے پیچھے لگ چکا تھا۔ یہ اندازہ اسے ایک واقعے سے ہوا تھا۔

وہ 3 اگست 1926ء کی سہ پہر تھی جب دو لڑکے جنگل کے قریب ایک تالاب میں اپنے گھوڑوں کو نہلا رہے تھے۔ وہ دونوں آپس میں بھائی تھے۔ ایک کی عمر چودہ سال اور دوسرے کی بارہ سال تھی۔

انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے گھوڑے بار بار گویا پانی میں کسی چیز سے الجھ کر ایک طرف کو ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر دونوں بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ ڈبکی لگا کر دیکھنا چاہیے، آخر پانی کی تہہ میں کیا ہے۔

تالاب کی تہہ میں واقعی ایک بھاری چیز موجود تھی۔ وہ ایک لاش تھی جس کے ساتھ اینٹیں بندھی ہوئی تھیں تاکہ وہ پانی کی سطح پر نہ آئے۔ لڑکے کھینچ کھانچ کر اسے تالاب سے باہر لے آئے۔

وہ راس نامی ایک شخص کی لاش تھی جو الکپون کا ڈرائیور رہا کرتا تھا۔ ولیس کے گروہ کے لوگ جو نارتھ سائیڈرز کہلاتے تھے، انہوں نے اسے ایک ماہ پہلے اغوا کیا تھا جب الکپون روپوش تھا۔ سوئیگن کے قتل والے معاملے کے بعد سے وہ غائب تھا۔

راس کے ہاتھ پاؤں باریک تاروں سے بندھے ہوئے تھے۔ اس پر بے پناہ تشدد کرنے کے بعد اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ گولی اس کی پیشانی میں ماری گئی تھی۔ پھر اس کی لاش کے ساتھ اینٹیں باندھ کر اسے تالاب میں پھینک دیا گیا تھا۔

اس حالت میں اس کی لاش دریافت ہونے کے بعد الکپون نے رپورٹرز سے بات کرتے ہوئے تیز و تند لہجے میں کہا "بعض لوگ مجھے سفاک اور بے رحم کہتے ہیں۔ آپ لوگوں نے میرے ڈرائیور کی لاش کی حالت تو دیکھ ہی لی ہے۔ کیا اب بھی لوگ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ درحقیقت بے رحم اور سفاک کون ہے؟ راس سے یقیناً میرے کاروباری راز معلوم کرنے کے لیے اس پر ایسا ظالمانہ تشدد کیا گیا ہو گا حالانکہ وہ بے چارہ میرے کاروباری رازوں کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔"

راس یقیناً الکپون کے کاروباری رازوں سے تو آگاہ نہیں تھا لیکن وہ اس کے روزمرہ کے معمولات کے بارے میں بہرحال اچھی طرح جانتا تھا اور یہ بات ولیس اس سے اگلوا چکا تھا۔ اب وہ کم از کم اس بات کا فائدہ اٹھانے کی کوشش تو کر ہی سکتا تھا۔

O......O......O

کم از کم دو ہفتوں میں اپنے دشمنوں کے ٹھنڈا ہو کر بیٹھ جانے کے بعد الکپون کو کچھ اطمینان ہوا تھا لیکن ولیس نے اس کے ڈرائیور کو لرزہ خیز انداز میں قتل کرنے کے بعد اسے گویا پھر حرکت میں آنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے اس حرکت کا جواب دینے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ 10 اگست کی خوشگوار صبح تھی۔ ولیس کا خاص آدمی ڈرچی اپنے ہوٹل کے سوئٹ میں موجود تھا۔ وہ مشی گن ایونیو پر واقع "کانگریس ہوٹل" کے ایک سوئٹ میں مستقل طور پر رہتا تھا۔ اس روز ولیس بھی اس کے پاس آیا ہوا تھا۔

دس بجے کے قریب وہ دونوں کسی کام سے، اسی سڑک پر ٹہلتے ہوئے ذرا دور چلے گئے۔ ڈرچی کی جیب میں اس وقت چودہ ہزار ڈالر بھی موجود تھے جن کے بارے میں اس نے بعد میں دعویٰ کیا کہ وہ ایک جائیداد کی خریداری کے سلسلے میں یہ رقم جیب میں لے کر نکلا تھا۔

وہ دونوں اگلا موڑ مڑ کر مقامی محکمہ صحت و صفائی کی بلڈنگ کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ اسی لمحے ایک کار نے بھی تیزی سے موڑ کاٹا۔ اس کی پچھلی کھڑکی سے تین پستول جھانک رہے تھے۔ جونہی فائروں کی آواز گونجی، ولیس اور دوسرے کئی راہگیر جیسے کے تل فٹ پاتھ یا سڑک پر لیٹ گئے۔

گاڑیاں رک گئیں اور ان میں موجود افراد گاڑیوں کی کھڑکیوں سے نیچے جھک گئے۔ ڈرچی نے فوراً ہی ایک لیٹر باکس کی آڑ لے لی اور اپنا پستول نکال کر جواباً گولیاں چلائیں۔ کم از کم تیس گولیوں نے چند سیکنڈ کے اندر اندر کئی جگہ سے عمارتوں کا پلستر اکھاڑ دیا۔ کئی کاروں کی باڈی میں سوراخ کر دیے اور کئی کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور کر دیے۔ تاہم حیرت انگیز طور پر آدمی صرف ایک زخمی ہوا۔ وہ ایک راہگیر تھا جس کا نام جیمس تھا۔ گولی اس کی ٹانگ کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔

کار والے تینوں پستول برداروں میں سے دو کار سے اتر آئے تاکہ صحیح طور پر ولیس اور ڈرچی کا نشانہ لے سکیں لیکن اسی دوران ایک پولیس کار بھی وہاں آتی دکھائی دی۔ کار کے ٹائر چرچرائے اور اس کا ڈرائیور اپنے دونوں آدمیوں کو وہیں چھوڑ کر کار لے بھاگا۔

ولیس اور ایک حملہ آور ہجوم میں شامل ہو کر غائب ہو گئے۔ ڈرچی جلدی سے آگے بڑھ کر ایک رکی ہوئی کار میں گھس گیا اور اپنے خالی پستول کی نال کار والے کی کنپٹی پر رکھ کر تیزی سے بولا۔ "گاڑی آگے بڑھاؤ...... جلدی کرو......"

لیکن اس سے پہلے کہ کار والا کار اسٹارٹ کر سکتا، پولیس کی گاڑی اس کے آگے آ رکی۔

پولیس والوں نے جب اسے گاڑی سے اتار کر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ فوراً بولا۔ "یہ کوئی گینگ فائٹ نہیں تھی۔ ڈاکے کی واردات تھی۔ وہ لوگ میری رقم چھیننا چاہتے تھے۔"

پولیس نے حملہ آوروں میں سے بھی ایک کو پکڑ لیا تھا۔ وہ اپنا پستول کہیں پھینک چکا تھا۔ وہ شاید پکڑا بھی نہ جاتا۔ محض اس لیے پکڑا گیا تھا کہ وہ جائے وقوعہ سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس نے معصومیت سے بتایا کہ وہ تو ایک شریف شہری تھا۔ فائرنگ کی وجہ سے ڈر کر بھاگ رہا تھا۔ اس نے اپنا نام ویلری بتایا اور پولیس کو اپنا ایڈریس بھی دیا جو بعد میں جعلی ثابت ہوا۔ بہرحال پولیس نے اسے کچھ دیر بعد چھوڑ دیا تھا کیونکہ ڈرچی نے بھی اسے دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ وہ اسے نہیں جانتا۔ یوں اس حملے میں صرف ولیس ہی نہیں، اس کا دست راست ڈرچی بھی بال بال بچ گیا۔

(جاری ہے)

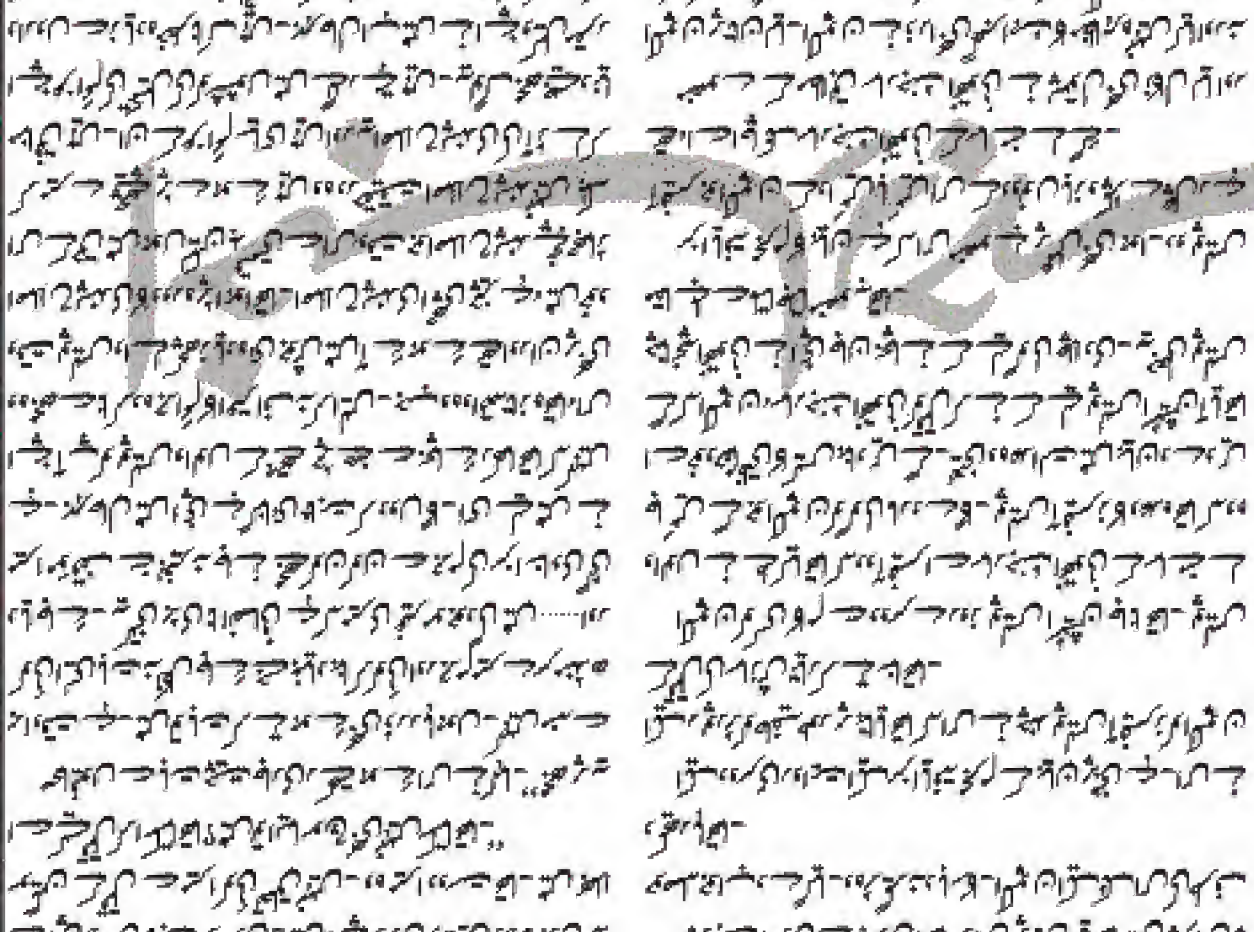

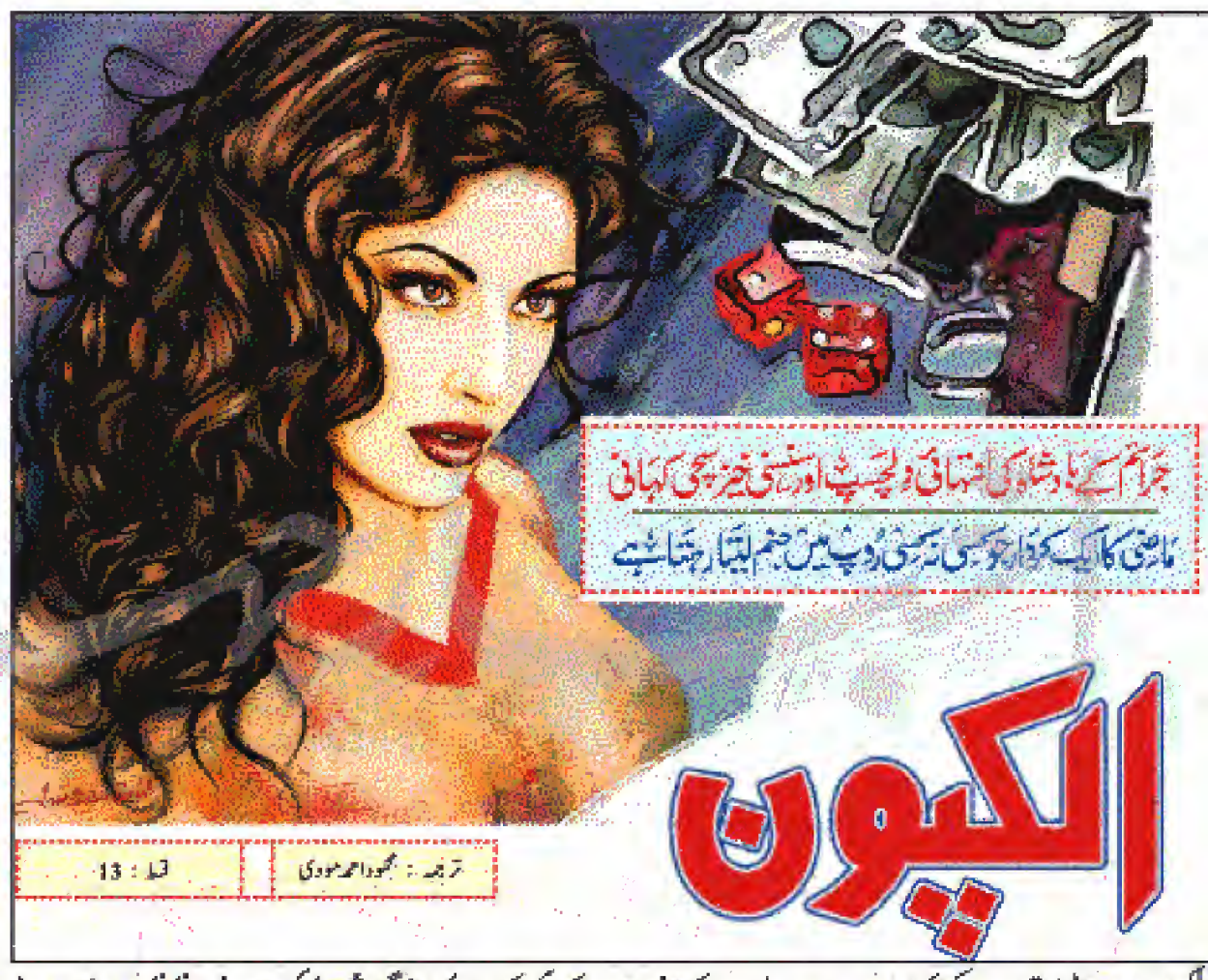

ویلس کیلئے اندازہ کرنا قطعی مشکل نہیں تھا کہ اس پر اور ڈرچی پر قاتلانہ حملے کا ذمے دار کون تھا۔ اب اسے الکپون کو اسکا جواب دینا تھا۔ قبائلی زندگی اور انڈر ورلڈ میں بدلہ لینا گویا اہم ترین فریضہ ہوتا ہے۔

الکپون کا ہیڈ کوارٹر ان دنوں ایک بار پھر اس کے اپنے ہوٹل میں تھا۔ اس کا نام "ہاتھورن ہوٹل" تھا لیکن ویلس کو معلوم تھا کہ اس ہوٹل میں الکپون جہاں بیٹھتا تھا، وہاں کھڑکیاں اور دروازے لوہے کے مضبوط اور موٹے شٹرز کے ذریعے نہایت محفوظ بنا دیے گئے تھے۔ الکپون کے مخصوص کمرے تک پہنچنے کیلئے ایک خاصی طویل راہداری عبور کرنا پڑتی تھی جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کئی افراد بظاہر بے ضرر سے انداز میں بیٹھے ہوتے تھے۔

دیکھنے میں وہ ہوٹل کے عملے کے لوگ ہی لگتے تھے لیکن ویلس کو معلوم تھا کہ وہ ماہر نشانچی گن مین تھے۔ وہ الکپون کے ساتھ ساتھ اس پورے فلور کی حفاظت کیلئے بیٹھتے تھے لیکن ویلس نے الکپون کے جس ڈرائیور پر تشدد کروا کے اسے ہلاک کیا تھا، اس سے وہ الکپون کے معمولات اچھی طرح معلوم کر چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کس وقت الکپون کے ارد گرد حفاظتی انتظامات سب سے کم ہوتے تھے۔

ہاتھورن ہوٹل سوفٹ چوڑی ایک بارونق سڑک پر واقع تھا۔ وہ کارنر کی عمارت تھی، اس کا ریسٹورنٹ گراؤنڈ فلور پر تھا۔ اس سڑک پر ہر طرح کی دکانیں تھیں اور لوگوں کی خوب آمد و رفت رہتی تھی۔ الکپون کے تمام جوا خانے اور دیگر اڈے شان سے دوبارہ کھل چکے تھے۔

ویلس کو اہم ترین بات یہ معلوم ہوئی تھی کہ الکپون دوپہر کا کھانا کھانے زیادہ تر اپنے ہی ہوٹل کے ریسٹورنٹ میں گراؤنڈ فلور پر آتا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ صرف اس کا خاص باڈی گارڈ فرینک ہوتا تھا۔ ویلس کیلئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ وہ پُررونق بازار میں اپنا کوئی آدمی مقرر کر دیتا جو اسے اطلاع دیتا کہ الکپون نیچے ریسٹورنٹ میں آیا ہے۔

وہ 20 ستمبر، پیر کا دن تھا۔ الکپون بیرونِ شہر کے ایک ہفتے کے دورے سے واپس آیا تھا۔ اب اس کا شراب کی سپلائی کا کام آس پاس کے شہروں میں بھی چل رہا تھا۔ اس کی وجہ سے اسے دوسرے شہروں کے دوروں پر بھی جانا پڑتا تھا۔ رقوم کی وصولی اور دوسرے بہت سے معاملات کے سلسلے میں بعض اوقات اسکا خود جانا ضروری ہو جاتا تھا۔

اس روز وہ اپنے خاص باڈی گارڈ فرینک کے ساتھ نیچے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے آیا تھا۔ ریسٹورنٹ میں ماربل کے ٹاپ والی میزیں لگی ہوئی تھیں۔ الکپون اور فرینک حسب معمول بڑے سے ہال میں سب سے پیچھے ایک میز پر اس رخ سے بیٹھتے تھے کہ پورا ہال اور دروازہ ان کی نظر میں رہے، باہر سے آنے والے پر فوراً ہی ان کی نظر پڑتی تھی۔

ریسٹورنٹ میں بھی خوب رونق تھی۔ تقریباً سبھی میزیں بھری ہوئی تھیں۔ لنچ کاؤنٹر کے سامنے بھی اسٹولوں پر لوگ موجود تھے۔ سیسرو کے نواح میں ایک بڑے پارک میں ریس کا سیزن شروع ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سے بھی شہر میں رونق بڑھی ہوئی تھی۔ آس پاس کے شہروں سے بھی لوگ آئے ہوئے تھے۔

اچانک مشین گن کی تڑتڑاہٹ نے الکپون اور اس کے باڈی گارڈ کو چونکا دیا۔ آواز باہر سے آ رہی تھی پھر ایک کار سڑک پر سے گزرتی دکھائی دی۔ فائرنگ اسی میں سے ہو رہی تھی۔ وہ پولیس کے سراغ رسانوں کی مخصوص کار معلوم ہوتی تھی۔ اس میں زوردار آواز والی گھنٹی بھی بج رہی تھی۔ ان دنوں پولیس اور فائر بریگیڈ وغیرہ کی گاڑیوں میں سائرن یا ہوٹر تو ہوتے نہیں تھے، گھنٹی بجتا تھا۔

فائرنگ کی آواز آتی رہی اور گاڑی آگے گزرتی چلی گئی۔ الکپون الجھن کے عالم میں دروازے پر آ گیا تھا۔ وہ اس بات پر حیران تھا کہ گاڑی سے فائرنگ کی آواز تو آ رہی تھی لیکن نہ کسی جگہ شیشہ ٹوٹا تھا، نہ کسی دیوار کا پلستر اکھڑا تھا اور نہ ہی کسی اور قسم کی ٹوٹ پھوٹ نظر آ رہی تھی۔

الکپون تو اس بات پر صرف حیران ہی ہو رہا تھا لیکن اس کے باڈی گارڈ فرینک کو اچانک خیال آیا کہ یہ کوئی چال تھی۔ فائرنگ جعلی تھی اور شاید اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ دونوں متوجہ ہوں اور تجسس میں مبتلا ہو کر دروازے تک آ جائیں، اصل حملہ اس کے بعد ہو۔

فرینک اس وقت الکپون سے کئی قدم پیچھے تھا۔ اسے جونہی یہ خیال آیا، وہ چھلانگ لگا کر آگے پہنچا اور اس نے چیخ کر الکپون کو پیٹ کے بل فرش پر لیٹ جانے کی ہدایت کی۔ اس نے خود بھی ایسا ہی کیا۔

اس کا اندیشہ درست ہی نکلا۔ اسی لمحے اصل حملہ شروع ہوا۔ سڑک پر آگے پیچھے دس گاڑیاں نمودار ہوئیں۔ اس وقت تک جعلی فائرنگ کرنے والی گاڑی چند قدم آگے جا چکی تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑیوں کو گویا کوئی عجلت نہیں تھی۔

ہوٹل کے قریب پہنچ کر انہوں نے فائرنگ شروع کی اور یہ فائرنگ اصلی تھی۔ وہاں دو ہوٹل پاس پاس تھے اور ان کے نیچے دکانوں کی قطاریں بھی تھیں۔ ان سب کے در و دیوار کی تباہی شروع ہو گئی۔ شیشے ٹوٹنے لگے۔ دیواروں کا پلستر اکھڑنے لگا اور ہر چیز گویا لرزنے لگی۔ فائرنگ کی گھن گرج سے فضا مرتعش ہو گئی اور لوگوں کو اپنے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہونے لگے۔

ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ کر گاڑیاں رک گئیں۔ فائرنگ جاری رہی۔ کھڑکیوں کے نہ صرف شیشے غائب ہو گئے بلکہ فریم بھی اکھڑ کر نہ جانے کہاں کہاں جا گرے۔ میزوں پر رکھے ہوئے گلاس اور کپ ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر غائب ہونے لگے۔ دیواروں پر گولیوں کے نشانات قطار در قطار نمودار ہونے لگے۔

گولیاں ایک عام قد کاٹھ کے آدمی کے پیٹ اور سینے جتنی بلندی سے گزر رہی تھیں جبکہ الکپون اور فرینک پیٹ کے بل فرش سے چپکے ہوئے تھے۔ صرف وہی اس حالت میں نہیں تھے۔ ریسٹورنٹ میں موجود تمام گاہکوں اور عملے نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔ وہ سب میزوں کے نیچے گھسے اسی طرح فرش سے چپکے ہوئے تھے۔ شیشے کی کرچیاں، پلستر اور لکڑی وغیرہ کے ٹکڑے ان پر گر رہے تھے۔

فرینک جعلی فائرنگ کی آواز سنتے ہی اپنا پستول نکال چکا تھا لیکن اس سے ایک بھی گولی نہیں چلا سکا تھا۔ اب تو فائرنگ کے اس طوفان بلاخیز کے سامنے وہ اپنا پستول والا ہاتھ ذرا سا اوپر کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

پھر آخری گاڑی میں سے خاکی پینٹ شرٹ والا ایک آدمی ہلکی مشین گن ہاتھوں میں لئے اترا اور نہایت اطمینان سے چلتا ہوا ریسٹورنٹ کے دروازے تک آیا جبکہ پہلی گاڑی میں سے کچھ لوگ ہاتھوں میں شاٹ گنیں لئے اترے اور پہرہ دینے کے سے انداز میں وہیں کھڑے ہو گئے۔

خاکی پینٹ شرٹ والے نے دروازے پر پہنچ کر ایک گھٹنے کے بل

جھک کر ایک بار پھر فائرنگ شروع کی۔ ان دنوں نئی نئی متعارف ہونے والی اس ہلکی مشین گن پر گول ڈبے جیسا ڈرم لگا ہوتا تھا جس میں سو گولیاں ہوتی تھیں۔ اس نے یہ سو گولیاں بھی تباہ شدہ ریسٹورنٹ پر برسا دیں۔ اس کام میں اسے صرف دس سیکنڈ لگے۔

اپنی سب مشین گن خالی کر کے وہ اٹھا اور اطمینان سے واپس چلا گیا۔ کسی گاڑی کا ہارن سگنل کے انداز میں تین مرتبہ بجا اور جو لوگ گاڑیوں سے اترے ہوئے تھے، وہ تیزی سے گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ گاڑیاں فوراً ہی شکاگو کی طرف روانہ ہو گئیں جس کی حدود وہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر شروع ہو جاتی تھیں۔

پولیس نے بعد میں حساب لگایا کہ حملہ آوروں نے کم از کم ایک ہزار گولیاں چلائی تھیں۔ سڑک پر موجود 35 گاڑیوں میں سوراخ ہو گئے تھے لیکن معجزاتی طور پر اس دہشت انگیز کارروائی میں صرف چار افراد زخمی ہوئے تھے جن میں سے دو تو معمولی ہی زخمی تھے۔ ایک عورت کی آنکھ میں البتہ شیشے کی ایک کرچی گھس گئی تھی۔

ایک زخمی نے پولیس کے چیف ڈیٹکٹو، شومیکر کو اپنا نام بارکو بتایا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ چھوٹا موٹا بیوپاری ہے اور ان دنوں ہاتھورن ہوٹل میں رہائش پذیر ہے لیکن شومیکر کو یاد آیا کہ اس شخص کو پولیس نے اس وقت بھی مشکوک انداز میں بھاگتے ہوئے پکڑا تھا جب ویلس اور ڈرچی پر حملہ ہوا تھا، اس وقت اس شخص نے اپنا نام ویلری بتایا تھا۔

جب ہاتھورن ہوٹل پر حملہ ہوا تو بارکو یا ویلری باہر فٹ پاتھ پر کھڑا تھا۔ اس نے سب کچھ دیکھا تھا لیکن بعد میں جب شناختی پریڈ کیلئے اس کے سامنے کچھ لوگوں کو پیش کیا گیا جن کے بارے میں پولیس کو کافی حد تک یقین تھا کہ وہ حملے میں شریک تھے، تو اس نے انڈر ورلڈ کے آداب کے مطابق انہیں پہچاننے سے صاف انکار کر دیا حالانکہ ان میں ویلس، ڈرچی، موران اور ان کا ایک زبردست گن مین پیٹر بھی شامل تھا۔

الکپون نے اس واقعے میں عام، غیر متعلق لوگوں اور راہ گیروں کو پہنچنے والے تمام نقصانات کی تلافی کی۔ حتیٰ کہ جس عورت کی آنکھ میں شیشہ گھس گیا تھا، اس کی آنکھ بچانے کیلئے بھی اس نے تمام ممکنہ انتظامات کر ڈالے۔ ان سارے معاملات میں اس نے اخراجات کی کوئی پروا نہیں کی۔ یوں اس نے لوگوں کی ہمدردیاں جیت لیں، اخبارات میں اس بات کا خوب چرچا ہوا۔

لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ "بھئی الکپون خواہ کیسا بھی ہے لیکن وہ یہ بات ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اس کی وجہ سے کسی عام اور بے قصور شہری کو کوئی نقصان پہنچے۔"

یہ سب باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن الکپون کو بہرحال جو نقصان پہنچنا تھا، وہ پہنچ گیا۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ اخبارات میں کچھ اس قسم کی شہ سرخیاں لگ گئیں۔

"شہر میں خوفناک گینگ وار شروع ہو گئی۔"

"شہر کو زبردست خونریزی کا خطرہ۔"

"گینگ وار پورے شہر کو لپیٹ میں لینے والی ہے۔"

اخبارات میں اس طوفان کے نتیجے میں الکپون کے ان تمام اڈوں پر دوبارہ تالا پڑ گیا جنہیں اس نے بڑی مشکل سے کھلوایا تھا۔ الکپون کے لئے یہ ایک کڑا وقت تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے اپنی لائن کے کسی سمجھدار آدمی سے مشورے کی ضرورت ہے۔

جان ٹوریو جو مستقل طور پر رہنے کے ارادے سے اٹلی چلا گیا تھا۔ وہاں زیادہ عرصے نہیں رہ سکا تھا کیونکہ مسولینی نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ تمام گینگسٹرز کو پکڑ کر جیل میں ڈال دے گا۔ جان ٹوریو گو کہ اٹلی یا سسلی میں باقاعدہ ایک گینگسٹر کے انداز میں زندگی نہیں گزار رہا تھا تاہم کچھ نہ کچھ دھندے چل رہے تھے اس کے علاوہ امریکا میں ایک گینگسٹر کے طور پر اس کی جو شہرت تھی، وہ اٹلی تک بھی اس کے ساتھ گئی تھی۔ اسے اندیشہ محسوس ہوا کہ مسولینی جیسا ڈکٹیٹر اسے واقعی جیل میں نہ ڈلوا دے۔

چنانچہ وہ امریکا واپس بھاگ آیا تھا اور ان دنوں نیویارک میں تھا اور ایک ایلڈرمین کے ساتھ اسکے ترجمان کی حیثیت سے منسلک ہو گیا تھا۔ دراصل اس نے ذرا نچلی سطح پر سیاست میں دو تین کرپٹ آدمی ڈھونڈ لئے تھے اور ان کے فرنٹ مین کے طور پر وہی دھندے کر رہا تھا جن میں وہ ماہر تھا۔

آج کے جدید دور میں بھی ہر ملک میں سیکڑوں جرائم پیشہ افراد سیاست یا سیاستدانوں کی چھتری تلے پناہ لے لیتے ہیں اور سرکاری پشت پناہی کے ساتھ ان کے دھندے چلتے ہیں بلکہ بعض پسماندہ ممالک میں تو بہت سے جرائم پیشہ لوگ خود مختلف ہتھکنڈوں سے عوام کو بے وقوف بنا کر سیاست میں آ جاتے ہیں اور پورے معاشرتی ڈھانچے کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔

جان ٹوریو کا چھوٹے موٹے سیاستدانوں کے ساتھ اشتراک گویا انہی حالات کی ابتدائی شکل تھی۔ اس کا نیویارک سے فلوریڈا بھی آنا جانا لگا رہتا تھا۔ فلوریڈا میں اس نے کچھ جائیداد خریدی تھی۔ الکپون اسکے پاس فلوریڈا ہی پہنچا اور ویس والا مسئلہ اسکے گوش گزار کیا۔ دونوں سر جوڑ کر بیٹھے۔

جان ٹوریو نے بہرحال امن پسندی کا مظاہرہ کرنے کا مشورہ دیا۔ الکپون گو کہ گرم دماغ کا آدمی تھا لیکن اس نے جان ٹوریو کے مشورے کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔

کچھ عرصے بعد جان ٹوریو بھی قتل ہو گیا۔ اسے گولی مار دی گئی۔ الکپون نے بعد میں ایک جگہ بات کرتے ہوئے کہا۔ "جان ٹوریو کے قتل کے بعد میں نے ویلس سے صاف صاف بات کی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ کیا تم تیس سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی مرنا چاہتے ہو؟ آخر تمہاری سمجھ میں کوئی معقول بات کیوں نہیں آتی؟ اس سے پہلے کہ ہم سب ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جائیں۔ کچھ تو عقل پکڑ لو۔ میں اس وقت تک بھی اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار تھا لیکن وہ بدبخت میری بات سننے کیلئے تیار نہیں تھا۔"

الکپون بہرحال امن پسندی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی ذریعے سے ہر قابل ذکر گروہ کو پیغام بھجوا چکا تھا کہ اگر ہم آپس کے اختلافات ختم کر دیں اور ایک دوسرے کو ہلاک نہ کریں تو زیادہ فائدے میں رہیں گے۔ اگر بات صرف مال کمانے کی ہے تو شکاگو اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں اتنی گنجائش ہے کہ ہم سب خوب کما سکتے ہیں، ہم سب امن پسندی سے رہتے ہوئے جتنا کما سکتے ہیں، اتنا ایک دوسرے کو ہلاک کرتے ہوئے نہیں کما سکتے۔

الکپون نے اپنے اس امن پسندی کے "منشور" پر باقاعدہ اور باضابطہ طور پر عمل کرنے کیلئے بھی کوششیں شروع کیں۔ اصل مافیائی فیملی کا سربراہ اب الکپون کا حمایت یافتہ آدمی ٹونی لمبارڈو بن چکا تھا۔ الکپون نے اس سے کہہ کر "امن مذاکرات" کیلئے ایک میٹنگ کا انتظام کیا۔

طے پایا کہ یہ میٹنگ شرمن ہوٹل میں ہو گی تاہم الکپون اس میں شرکت نہیں کرے گا کیونکہ دو جانی دشمنوں کا ایک دوسرے کے سامنے آ جانا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کوئی ذرا سی چنگاری بارود کو بھڑکا سکتی تھی کیونکہ دونوں ہی دشمن مشتعل مزاج اور خونخوار تھے۔ بہتر یہی تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی فریق میٹنگ میں شرکت کرے اور دوسرے سے ٹیلیفون کے ذریعے رابطہ رہے۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ ایک پولیس آفیسر بھی اس میٹنگ میں شرکت کر رہا تھا تاکہ "امن مذاکرات" کو پرامن رکھا جا سکے۔ الکپون کی نمائندگی لمبارڈو کر رہا تھا۔ الکپون کا پیغام مختصر اور سادہ تھا۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ ویلس کس طرح پرامن رہ سکتا تھا؟ باہمی دشمنی اور قتل و غارت کو روکنے کیلئے الکپون اسکی ہر معقول بات ماننے کے لئے تیار تھا۔

میٹنگ میں الکپون کا یہ پیغام ویلس کو سنا دیا گیا۔ ویلس ابھی تک الکپون سے جس بات پر سب سے زیادہ عناد رکھتا تھا، وہ یہ تھی کہ الکپون نے اس کے دوست، ساتھی اور اتحادی برنین کو قتل کرایا تھا۔

اب ویلس یہ فرمائش تو نہیں کر سکتا تھا کہ برنین کے بدلے وہ الکپون کو قتل کرے گا تاہم اس کا یہ مطالبہ ضرور تھا کہ جن لوگوں نے برنین پر فائرنگ کر کے اسے ہلاک کیا تھا، جواباً انہیں ہلاک کرنے کی اجازت دی جائے۔ ویلس کی معلومات کے مطابق اسکیلی اور انیسل قاتل تھے۔

وہ دونوں ان دنوں قتل ہی کی ایک واردات کے سلسلے میں ایک دوسرے شہر جولیٹ کی جیل میں تھے لیکن ویلس کیلئے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ انہیں جیل میں ہی مروانے کا انتظام کر دے گا لیکن ضمانت بس یہی درکار تھی کہ الکپون ان کی موت کا انتقام نہیں لے گا تاکہ خونریزی کا سلسلہ یہیں رکا رہے، آگے نہ بڑھے۔

جب یہ پیغام فون پر الکپون کو دیا گیا تو اس نے جواب دیا۔ "اگر گلیوں میں آوارہ پھرتا ہوا کوئی پیارا کتا بھی میرے گھر کی چھاؤں میں آ کر بیٹھ جائے تو میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اسے ہلاک کر دے۔ اسکیلی اور انیسل تو پھر بھی انسان ہیں اور انسان بھی ایسے جنہوں نے میرے لئے اہم خدمات انجام دی ہیں۔"

جب یہ جواب ویلس کو سنایا گیا تو وہ غصے سے تلملاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ مزید ایک لفظ کہے بغیر وہ پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔

جس پولیس آفیسر نے اس میٹنگ میں شرکت کی تھی۔ اس نے اپنے کیپٹن کو اس کے بارے میں رپورٹ دی تو وہ دانت پیس کر بولا۔ "یہ خبیث الکپون کسی بھی وقت کسی کیلئے بھی موت کا فرشتہ ثابت ہو سکتا ہے، یہ اپنے راستے میں آنے والی کسی بھی رکاوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اپنے فائدے کیلئے یہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

ادھر پولیس چیف کولنز کو اس میٹنگ کی رپورٹ ملی تو اس نے اندازہ لگایا کہ ویلس، الکپون کو ٹھکانے لگائے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا۔ سب اپنے اپنے اندازے لگا رہے تھے اور اپنے اپنے قیاس ظاہر کر رہے تھے لیکن صحیح طور پر کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

اس بار مشاورت کیلئے جان ٹوریو خود شکاگو آیا ہوا تھا لیکن الکپون نے "امن مذاکرات" ناکام ہونے سے پہلے ہی احتیاطاً کچھ اقدامات شروع کر دیے تھے۔

برنین کی فلاور شاپ اب بھی قائم تھی اور اس میں پھولوں ہی کا کاروبار ہو رہا تھا۔ برنین کے گروہ کے لوگوں کی آمد و رفت وہاں اب بھی جاری رہتی تھی۔ ان میں ویلس بھی شامل تھا۔

اس دکان کے برابر میں ایک بلڈنگ تھی جو ایک ایک کمرے کے فلیٹوں پر مشتمل تھی۔ اس میں دوسری منزل پر سامنے کا ایک فلیٹ ابھی خالی ہوا ہی تھا کہ ایک شخص اسے کرائے پر لینے کیلئے پہنچ گیا حالانکہ وہ کوئی ایسی بلڈنگ نہیں تھی کہ لوگ اس میں کمرہ خالی ہونے کا انتظار کرتے اور خالی ہوتے ہی فوراً لینے پہنچ جاتے۔

بلڈنگ اپنے وقت کے خاصے مقبول رائٹر ہیری اسٹیفن کیلر کی ملکیت تھی اور ذرا بھی اچھی حالت میں نہیں تھی لیکن اس کی لوکیشن بہرحال اچھی تھی۔ سامنے کے فلیٹوں کی کھڑکیاں مین روڈ پر کھلتی تھیں۔

جس شخص نے آ کر دوسری منزل کا فلیٹ کرائے پر لیا تھا، اس نے اپنا نام آسکر بتایا تھا۔ اس نے جو فلیٹ لیا تھا، اس سے نہ صرف برنین کی فلاور شاپ کے سامنے کا منظر بلکہ سڑک کے دوسری طرف واقع دور تک کی عمارتیں بھی صاف دکھائی دیتی تھیں جن میں ایک چرچ بھی شامل تھا۔

جس روز آسکر نے فلیٹ کرائے پر لیا، اسی روز فلاور شاپ کی پچھلی گلی کی ایک بلڈنگ میں بھی ایک عورت نے ایک فلیٹ کرائے پر لیا۔ اس نے اپنا نام اینا بتایا تھا۔ اس نے جو فلیٹ کرائے پر لیا تھا، اس کی کھڑکی عقبی گلی میں کھلتی تھی اور وہاں سے فلاور شاپ ہی نہیں بلکہ دوسری کئی عمارتوں کے پچھلے دروازوں پر بھی نظر رکھی جا سکتی تھی۔

اینا اور آسکر اپنے اپنے فلیٹ کی چابی لینے کے بعد غائب ہو گئے۔ بعد میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ ان کی جگہ ان دونوں فلیٹوں میں کچھ اور لوگ آ گئے مگر کسی کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوئی۔ البتہ بعد میں ایک دو خواتین کی گواہی سے معلوم ہوا کہ ان دونوں فلیٹوں میں جو دو افراد آئے تھے، وہ دونوں ہی اپنے اپنے فلیٹ کی سامنے والی کھڑکی میں بیٹھ کر زیادہ تر وقت گزارتے تھے، وہ بس کرسی پر بیٹھے نیچے سڑک کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور سگریٹ پیتے رہتے۔ کبھی کبھی ان کے ہاتھ میں گلاس بھی دکھائی دے جاتا اسی طرح انہوں نے کئی دن گزار دیے تھے۔

11 اکتوبر 1926ء کو ویلس عدالت میں موجود تھا۔ اس کے ایک آدمی پر قتل کا مقدمہ چل رہا تھا جس کی ہر پیشی پر ویلس موجود رہا تھا۔ اس خطرناک قاتل کا نام سالٹ تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ اسے بری کرانے کی غرض سے ویلس نے جیوری کے ایک رکن کو خریدنے کیلئے ایک لاکھ ڈالر کی پیشکش کی تھی۔

اس روز سماعت ختم ہونے پر ویلس عدالت سے وکیل صفائی برائن کے ساتھ نکلا لیکن دونوں الگ الگ گاڑیوں میں روانہ ہوئے۔ ویلس کے ساتھ اس کا ڈرائیور سام اور باڈی گارڈ پیٹرک تھا جبکہ برائن کے ساتھ ایک مجرمانہ ٹائپ آدمی بینجمن تھا۔ دونوں گاڑیاں آنجہانی برنین کی فلاور شاپ کی طرف روانہ ہوئیں جس کا نام "شوفیلڈ" تھا۔

گاڑیاں دکان کے سامنے پہنچ کر سڑک کے دوسری طرف رکیں اور یکے بعد دیگرے پانچوں افراد اتر کر فلاور شاپ کی طرف بڑھے۔ ویلس اور پیٹرک آگے تھے۔ برائن ذرا پیچھے تھا سام اور بینجمن خاصا پیچھے تھے۔

اچانک مشین گن گرجی۔ ویس اور اس کا باڈی گارڈ پیٹرک جو دکان کے قریب پہنچ چکے تھے، فوراً ہی گر پڑے۔ پیٹرک کے جسم اور سر میں سات گولیاں پیوست ہوئی تھیں جبکہ ویس کو دس گولیاں لگی تھیں۔

پیٹرک تو گرتے ہی مر گیا۔ ویس دس گولیاں کھانے کے بعد بھی گھسٹتا ہوا فٹ پاتھ تک پہنچا، وہ کچھ دیر بعد اسپتال جا کر مرا۔ اسے اس دوران

ہوش نہیں آیا۔ فائرنگ ایک کمرے کے اس فلیٹ سے ہو رہی تھی جو کچھ دن پہلے کرائے پر اٹھا تھا۔ گن چلانے والے نے سڑک کے ایک بڑے حصے پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

برائن کے جسم پر بھی چار زخم آئے تاہم وہ مہلک نہیں تھے، وہ رینگتا ہوا ایک تہ خانے کی سیڑھیوں میں چلا گیا، وہاں سے وہ چند لمحوں بعد خود ہی کسی نہ کسی طرح گرتا پڑتا کچھ دور واقع ایک کلینک تک چلا گیا۔

سام اور بینجمن معمولی زخمی ہوئے اور گرتے پڑتے وہاں سے بھاگے۔ گولیاں ان کے تعاقب میں تھیں مگر وہ موڑ مڑ کر غائب ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی وجہ سے کونے پر واقع چرچ کی دیوار پر بھی گولیاں لگیں جس پر ایک مقدس فرمان بھی لکھا ہوا تھا، فرمان کے کئی الفاظ غائب ہو گئے اور پلستر اڑ جانے کی وجہ سے اس کا مفہوم سمجھے جانے کے قابل نہیں رہا۔

اس کے فوراً بعد دونوں فلیٹوں کے مکین عقبی راستوں سے نکلے اور پیدل ہی مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے فرار ہو گئے۔ ہلکی مشین گن ان میں سے صرف ایک ہی نے استعمال کی تھی، وہ اس نے راستے میں ایک مکان کے سامنے لگی ہوئی سبزے کی باڑھ میں پھینک دی۔ دوسرا آرام سے اپنی مشین گن بھی لے گیا۔

پولیس کو بعد میں ان دو فلیٹوں میں کھڑکی کے پاس رکھی کرسیوں کے اردگرد سیکڑوں سگریٹوں کے ٹوٹے ملے۔ بستر کی چادروں سے اندازہ ہوا کہ کوئی ان پر جوتوں سمیت سوتا رہا تھا۔ سامنے والے فلیٹ میں سے گولیوں کے خول بھی ملے۔ درحقیقت ان دونوں فلیٹوں کے بارے میں پولیس کو علم ہی ایک ہفتے بعد ہوا۔ پولیس اس دوران شہادتیں جمع کرتی رہی۔ قتل کے وقت ویس کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔

پولیس چیف کولنز نے اس واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس قسم کے واقعات ہونے چاہئیں لیکن بہرحال اگر کچھ لوگوں کا مرنا ناگزیر ہو ہی جائے تو پھر بہتر ہے کہ وہ گینگسٹرز اور جرائم پیشہ لوگ ہوں۔ یہ لوگ ایک دوسرے کا صفایا کرتے رہیں تو بہتر ہے، اس طرح پولیس کا کام کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

الکپون نے ہاتھورن ہوٹل میں جمع ہونے والے رپورٹرز سے نہایت غمزدہ لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے ویس کی موت کا بہت افسوس ہے اور میرا اس کی موت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے پولیس کو فون کیا تھا کہ اگر وہ مجھ سے پوچھ گچھ کی ضرورت محسوس کر رہے ہوں تو میں رضاکارانہ طور پر آ جاتا ہوں لیکن انہوں نے مجھے آنے سے منع کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر ویس مرا تو سب سے پہلے لوگوں کا دھیان میری طرف جائے گا لیکن میں بھلا ویس کو کیوں قتل کروں گا؟ پولیس مجھے پوچھ گچھ کیلئے بلا تو نہیں رہی لیکن اس کا خیال یقیناً یہی ہوگا کہ ویس کو میں نے قتل کرایا ہے۔''

''آپکے اور اس کے درمیان دشمنی تو بہرحال چل رہی تھی نا اور دشمنی کا آغاز عام طور پر علاقوں پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے ہوتا ہے۔'' ایک رپورٹر نے ڈرتے ڈرتے اظہار خیال کیا۔

''یہ بچکانہ باتیں ہیں۔'' الکپون نرمی سے بولا۔ ''پولیس نے یہ بڑا آسان طریقہ ڈھونڈ لیا ہے کہ شہر میں ہونے والے ہر قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈال دو۔ مجھے گویا لوگوں کو قتل کرانے کے سوا کوئی کام ہی نہیں ہے حالانکہ میرا تو اپنا یہ عالم ہے کہ اگر میں باڈی گارڈز کی پوری فوج ساتھ لئے بغیر دروازے سے قدم باہر نکالوں تو فوراً ہی مجھے قتل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔''

الکپون اس پریس کانفرنس سے خطاب کرنے کیلئے آدھی آستینوں کی قمیض اور قدرے شکن آلود پتلون میں ہی آ گیا تھا۔ پیروں میں سلیپر تھے۔ ان دنوں اس کے طبقے کے لوگوں کا اس قسم کے حلیئے میں کسی میٹنگ یا کانفرنس وغیرہ میں آنا خاصا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن اس نے اس روز حلیہ درست کرنے میں وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ پریس کانفرنس میں رپورٹرز کی خوب خاطر تواضع کی جا رہی تھی۔

الکپون نے پریس کانفرنس سے خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ویس اس لئے مارا گیا کہ اس کی کھوپڑی میں ایک بیل کا دماغ تھا، وہ کبھی کوئی عقل کی بات سننے اور سمجھنے کیلئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ مجھے اس کی موت کا افسوس صرف اس لئے ہے کہ وہ شخص اپنی خردماغی کی وجہ سے مارا گیا۔ مجھے افسوس اس لئے نہیں ہے کہ وہ کوئی بہت اچھا اور شریف آدمی تھا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ وہ پکا بدمعاش، نہایت بے رحم اور جلاد صفت انسان تھا۔ یہ اتفاق ہے کہ وہ پہلے مارا گیا۔ اگر زندگی اسے مہلت دیتی اور اسے موقع میسر آتا تو وہ مجھے قتل کر دیتا۔ وہ مجھے قتل کرنے کیلئے کمربستہ ہو کر پھر رہا تھا، وہ اور برنین کے گروہ کے جتنے بھی دوسرے لوگ باقی ہیں، سب کے سب جلاد، لٹیرے، ڈاکو اور دہشت گرد ہیں۔ ان کے ساتھ معقولیت کی تو کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔''

پھر وہ پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد بولا۔ ''بہرحال......! اب قتل وغارت کا یہ سلسلہ ختم ہونا چاہئے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں، ایک بیٹے کا باپ ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے سنی کی تصویر نکال کر صحافیوں کو دکھائی۔ ''مجھے دنیا میں سب سے زیادہ اس سے محبت ہے اس کے بعد مجھے اس کی ماں سے محبت ہے اور میں صرف بیوی، بچے والا ہی نہیں بہن، بھائیوں والا بھی ہوں۔ مجھے ان سے بھی محبت ہے اور آپ ذرا سوچیں کیا یہ ظلم نہیں کہ میں چودہ ماہ سے اپنی بیوی اور بچے کے پاس اپنے گھر نہیں جا سکا؟''

اس نے ہمدردی طلب نظروں سے رپورٹرز کی طرف دیکھا اور ایک لمحے کی ڈرامائی سی خاموشی کے بعد بولا۔ ''میں صرف موت کے خطرے کی وجہ سے اپنے گھر نہیں جا سکا۔ میں مرنا نہیں چاہتا خاص طور پر اس طرح سڑک پر مرنا نہیں چاہتا کہ میرا جسم مشین گن کی گولیوں سے چھلنی ہو اس لئے میں ایک عرصے سے امن کی اپیلیں کر رہا ہوں۔ میں ان لوگوں کے سامنے التجائیں کر چکا ہوں کہ خدا کیلئے بندوقیں ایک طرف رکھ دو اور عقل، شعور کی کوئی بات کرو، وہ لوگ بھی فیملی والے ہیں، ان کی بھی بیویاں اور بچے ہیں، ویسے ان میں سے بہت سے کم عمر بھی ہیں۔ ان کی شادیاں نہیں ہوئیں لیکن بہرحال ان کے بھی ماں، باپ، بہن، بھائی تو ہیں نا......!''

پھر اس کا لہجہ جذبات سے بوجھل ہو گیا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا ان لڑکوں کے دماغوں میں ایسا کون سا جنون، کون سا خناس گھس جاتا ہے کہ یہ اپنے جسم گولیوں سے چھلنی کروا کر قبروں میں جا پہنچتے ہیں۔ پہلے ان کی لاشیں سڑکوں پر رلتی ہیں پھر اسپتالوں اور مردہ خانوں میں رلتی ہیں اور آخر کار مٹی میں سما جاتی ہیں۔ یہ اپنی ماؤں، بہنوں کو اپنے پیچھے روتا بلکتا چھوڑ جاتے ہیں، ان کی دنیا ہمیشہ کیلئے اجڑ جاتی ہے، ویران ہو جاتی ہے یہ چیز واقعی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں نے سمجھنے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔''

ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے سلسلۂ کلام جوڑا۔ ''شہر میں جب پہلی بار ایک دوسرے پر پستول تانے گئے۔ میں نے اس وقت ہی سب لوگوں کو سمجھایا تھا کہ دیکھو لڑنے، مرنے اور ایک دوسرے پر گولیاں چلانے کی ضرورت نہیں، اس شہر میں دھندا کرنے کیلئے اتنی گنجائش ہے کہ ہم سب مل بانٹ کر بہت اچھی طرح کھا سکتے ہیں اور اپنے آپ کو خوب مضبوط بنا سکتے ہیں۔ آخر ہمیں گلیوں کے آوارہ کتوں کی طرح لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ کاروبار میں مقابلے بازی اور مسابقت ضرور ہوتی ہے مگر ایسی نہیں کہ انسان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔ بہرحال......! میری بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔''

ایک بار پھر اس نے ایک لمحے کیلئے خاموش ہو کر رپورٹرز کے چہروں کا جائزہ لیا اور بات آگے بڑھائی۔ ''میں نے اخباروں میں پڑھا ہے کہ ویس کی ماں اس کے جنازے میں شرکت کیلئے آ رہی ہے، وہ بڑی اچھی عورت ہے۔ جب ہمارے درمیان دشمنی نہیں ہوا کرتی تھی تو میں نے کئی بار ویس کے گھر میں اس کی ماں کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا کھایا ہے۔ معلوم نہیں کیوں ویس نے کبھی اس پرانے تعلق کا بھی خیال نہیں کیا اور بندوق بازی کے رجحان سے دور رہنے کی کوشش نہیں کی۔''

پھر اس نے صحافیوں کو بتایا۔ ''میں جب بھی ویس یا دوسرے گروہوں کے لیڈروں کے سامنے امن کی تجویز پیش کرتا تو وہ اپنی شرائط پیش کرنا شروع کر دیتے تھے شاید وہ سمجھتے تھے کہ میں ان سے ڈرتا ہوں اس لئے امن کی باتیں کرتا ہوں۔ انہیں توقع ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے اپنے مطالبات منوانے کے بعد امن کی پیشکش پر توجہ دیں گے۔ میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اگر امن کی بات کرتا رہتا ہوں تو اس کی وجہ میری کمزوری نہیں بلکہ میری شرافت اور معقولیت ہے۔ میں کاروبار کرنے شہر میں آیا ہوں اور وہ میں کرتا رہوں گا۔ کسی میں ہمت نہیں ہے کہ مجھے نکال سکے اور اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ مجھے قتل کر سکتا ہے یا شہر سے بھگا سکتا ہے تو وہ کوشش کر کے دیکھ لے اور اگر کوئی امن کی بات کرنا چاہتا ہے تو میں ہر وقت اس کی بات سننے کیلئے تیار ہوں۔''

پھر وہ ایک اور پہلو کی طرف آتے ہوئے بولا۔ ''مجھے اس بات کی پروا نہیں ہے کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ کیا سوچتے ہیں یا اخبار والے میرے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔ اس کے باوجود میں نے یہ پریس کانفرنس اس لئے بلائی کہ میرے بعض دوستوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اپنا موقف اور اپنے خیالات بہتر طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرنے کیلئے کبھی کبھار اہم موقعوں پر پریس سے رابطہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ میں نے اپنے دوستوں کا مشورہ قبول کر لیا۔''

اس نے مزید سچ اور جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے اپنی تقریر جاری رکھی۔ ''بنیادی طور پر میں ایک بزنس مین ہوں لیکن عام قسم کے کاروباری لوگوں سے ذرا مختلف ہوں۔ میں ذرا جواری قسم کا بزنس مین ہوں۔ میں صرف کاروبار میں ہی نہیں زندگی کے ہر معاملے میں قسمت آزمائی کرتا ہوں۔ بازی یا داؤ لگاتا ہوں اور ہر جواری کی طرح جیتنے کا یقین رکھتا ہوں۔ اسکے علاوہ مجھ میں کوئی برائی، کوئی خرابی نہیں ہے۔ میں نے زندگی میں کبھی کسی کو لوٹا نہیں۔ کبھی کسی کو قتل نہیں کیا۔ کسی کے گھر میں نقب نہیں لگائی۔ کسی کی تجوری نہیں توڑی، اب اگر کوئی مجھے قاتل مشہور کرنے کی کوشش کرے تو اس سے بڑی زیادتی کیا ہو سکتی ہے؟ مجھے کبھی کسی قتل کے الزام میں سزا نہیں ہوئی بلکہ تیکنیکل بنیادوں پر دیکھا جائے تو مجھے کبھی کسی بھی معاملے میں کوئی سزا نہیں ہوئی۔ پولیس کے پاس میرا کسی بھی جرم کے سلسلے میں کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔''

ایک رپورٹر کے سوال کے جواب میں اس نے کہا۔ ''مجھے اسٹیٹ اٹارنی، اسپیشل پراسیکیوٹر یا پولیس کا کوئی عہدیدار اگر پوچھ گچھ کیلئے بلائے گا تو میں ضرور چلا جاؤں گا۔ میں کہیں چھپا ہوا نہیں ہوں، مفرور نہیں ہوں، میں تو یہیں موجود ہوں۔''

پھر اسکے ہونٹوں پر قدرے شاطرانہ مسکراہٹ آ گئی۔ ''بلکہ اگر میری زبان کچھ زیادہ کھل گئی تو بہت سے پردہ نشینوں کے چہروں سے نقاب اٹھ جائے گا۔ بہت سے لوگوں کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ میرے سینے میں تو بہت سے لوگوں کے راز دفن ہیں اور یہ میرا ظرف ہے کہ میں ان کے بارے میں نہیں بولتا۔''

اس پریس کانفرنس کے بعد اخباری رپورٹرز، پولیس چیف کولنز سے بھی ملے۔ اس نے نہایت بدمزگی کے عالم میں اعتراف کیا کہ پولیس نے واقعی الکپون کو پوچھ گچھ کیلئے نہیں بلایا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔'' کولنز نے کہا۔ ''ہمیں معلوم ہے اسکے پاس جائے واردات سے اپنی عدم موجودگی کا ثبوت موجود ہے، جب شکاگو میں فائرنگ ہوئی، وہ اس وقت سیسرو میں تھا۔ ظاہر ہے الکپون جیسے لوگ کچا کام تو نہیں کرتے۔ اسے بلانا محض وقت کا زیاں تھا لیکن میں ناامید نہیں ہوں۔ وہ کبھی نہ کبھی اس طرح ہماری گرفت میں ضرور آئے گا کہ پھر چھوٹ نہیں سکے گا۔''

تاہم کولنز کے لہجے کا کھوکھلا پن سب پر عیاں تھا۔ پریس رپورٹرز آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہتے تھے۔ ''شکاگو اور سیسرو کا اصل حکمران تو الکپون ہے۔''

☆......☆......☆

ویس کا جنازہ کچھ زیادہ شان و شوکت سے نہیں اٹھا۔ بمشکل دو سو آدمی جنازے میں شریک تھے اور ان میں کوئی جج یا سیاستدان نہیں تھا۔ مرنے کے بعد ویس کی جیب سے چند کاغذات برآمد ہوئے تھے جن سے کچھ انکشافات ہوئے تھے مثلاً یہ کہ اپنے کون سے قاتل کو بری کرانے کیلئے ویس نے کس جج، سرکاری وکیل یا جیوری کے رکن کو کتنی رقم میں خریدا۔

اسکے گروہ میں کیسے کیسے قاتل شامل تھے، اس کا اندازہ ایک واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک آدمی جس کا نام ارلین تھا، ایک روز ایک سیلون میں پینے پلانے کے شغل میں مصروف تھا۔ دو دوست بھی اس کے ساتھ تھے، ان کے نام ریلے اور کیب تھے۔

ارلین جب زیادہ ترنگ میں آیا تو نشانہ بازی کے موضوع پر اس کی ریلے اور کیب سے بحث ہو گئی۔ ان دونوں نے فرمائش کر ڈالی کہ ارلین موقع پر ہی اپنی مہارت کا ثبوت پیش کرے۔ ارلین نے فوراً پستول نکالا اور سیلون میں ایک کونے میں سب سے زیادہ فاصلے پر بیٹھے ہوئے گاہک کے سر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

گاہک بیچارہ جس کا کسی کے جھگڑے سے کوئی تعلق نہیں تھا اور جو ایک کونے میں آرام سے بیٹھا اپنے شغل میں منہمک تھا، پٹ سے گرا اور مر گیا۔

''دیکھا تم نے میرا نشانہ......؟'' ارلین نے فخریہ لہجے میں اپنے دوستوں سے پوچھا۔

ریلے اور کیب تو فوراً ہی پکڑے گئے لیکن اصل قاتل یعنی ارلین فرار ہو گیا۔ وہ الی نوائے کی طرف نکل گیا۔ ریلے کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ کیب کو بھی شاید سخت سزا ملتی لیکن اس کے خلاف ایک ہی چشم دید گواہ میسر تھا اور فیصلہ کن پیشی سے ایک رات پہلے کسی نے اس گواہ کا سر ہتھوڑے سے کچل دیا۔

ارلین دو سال بعد پکڑا گیا۔ چند ماہ جیل میں رہنے کے بعد اسے ریاست بدر کر دیا گیا۔ اسے دوسری ریاست کی عدالت میں پیش ہونا تھا۔ وہ جب اس عدالت میں پیش ہوا تو نشے میں دھت تھا اس کے باوجود کسی قانونی سقم کی بنا پر جج نے اسے بری کر دیا۔

بہرحال ویس کی موت اور اس کے بہت سے قاتلوں کے جیل میں ہونے کی وجہ سے اس گروہ کی کمر ٹوٹ گئی۔ دوسرے گروہوں کے حوصلے بھی پست ہو رہے تھے۔ پچھلے چند سالوں کے دوران بہت سے لوگ ایک دوسرے کے بہت سے آدمیوں کو مار چکے تھے۔ بہت سے روپوش اور مفرور تھے۔ بہت سے گھروں میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔

ہر گروہ میں کچھ نہ کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو لڑاکے، قاتل یا دہشت گرد نہیں تھے۔ انہیں گروہوں میں ''دانشور'' کا درجہ حاصل تھا۔ وہ گویا گروہوں کا ''دماغ'' ہوتے تھے، وہ لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور آخرکار امن مذاکرات کیلئے ''اجلاس'' بلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ اجلاس اصل مافیا فیملی کے سربراہ لمبارڈو کے ''زیر صدارت'' ہوتا تھا۔

الکپون خوشی خوشی اس اجلاس میں شرکت کیلئے پہنچا۔ اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ ہمیں امن قائم کرنا پڑے گا۔''

اس اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے اس نے کہا۔ ''ہم نے اپنا ماحول ایسا بنا لیا ہے جیسے ہم شہر میں نہیں بلکہ شوٹنگ گیلری میں رہ رہے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا صفایا کر کے پولیس کو خوش ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں، بنیادی طور پر ہم کاروباری لوگ ہیں لیکن ہم نے کاروباری دنیا کو اپنے لئے موت کا میدان بنا لیا ہے، ہمارے کاروبار پہلے ہی کچھ آسان نہیں ہیں۔ ہم جیسے مشکل کاروبار کرنے والوں کو تو چاہئے کہ وہ اپنے معاملات میں امن، سکون کا زیادہ خیال رکھیں تاکہ دن بھر کی مشکلات اور اعصابی تناؤ کے بعد وہ رات کو گھر جا کر سب کچھ بھول بھال کر زندگی سے لطف اندوز ہو سکیں اور چین کی نیند سو سکیں، ہمارا یہ حال نہیں ہونا چاہئے کہ ہم کسی کھلی کھڑکی یا کھلے دروازے کے قریب بیٹھتے ہوئے بھی ڈریں۔''

اسکے بعد خاصے طویل مذاکرات ہوئے اور ایک تفصیلی ضابطۂ اخلاق طے پایا جس کے خاص خاص نکات یہ تھے کہ ایک دوسرے کو اشتعال دلانے والی باتیں اور حرکتیں نہیں کی جائیں گی۔ پولیس اور اخباروں کی پھیلائی ہوئی افواہوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہوئے ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کی کوشش نہیں کی جائے۔ اپنے آدمیوں کی غلطی پر ہر گروہ انہیں خود ہی سزا دے گا۔

اسکے علاوہ علاقوں کی تقسیم پر بھی نئے سرے سے اتفاق رائے ہو گیا اور طے ہو گیا کہ اس تقسیم کی سختی سے پابندی کی جائیگی۔ کوئی گروہ کسی دوسرے گروہ کے علاقے میں گھسنے اور اس کا دھندا ختم کر کے اپنا دھندا جمانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ عام طور پر یہی چیدہ چیدہ باتیں فساد کی وجہ بنتی تھیں، مل بیٹھ کر یہ مسائل طے کر لئے گئے۔

اسکے بعد جشن منایا گیا جس کے دوران شرکاء کے درمیان کچھ اس قسم کے مکالمے بھی سننے میں آئے۔

''وہ رات یاد ہے جب ہماری دو کاریں تمہاری کار کا تعاقب کر رہی تھیں؟''

''یقیناً یاد ہے۔''

''ہم اس رات تمہیں قتل کرنے لگے تھے مگر صرف اسلئے چھوڑ دیا کہ کوئی عورت تمہاری ساتھ تھی۔''

اس بات پر قہقہے لگا کر خوشی اور شکرگزاری کا اظہار کیا گیا۔ امن معاہدے میں یہ بھی طے پایا تھا کہ آئندہ کوئی اپنے ساتھ مسلح باڈی گارڈز نہیں رکھے گا۔ اس کے دو دن بعد ایک اسکواڈ کار نے تیز رفتاری سے جاتی ہوئی ایک کار کا تعاقب کیا اور کچھ آگے جا کر اسے روک لیا۔ اس کار میں الکپون تھا۔

میک کلو اسکے ڈرائیور کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ وہ جان ٹوریو کے زمانے سے الکپون کے ساتھ تھا اور درحقیقت ایک گن مین تھا۔ الکپون پر جب سویگن کے قتل کا الزام آیا تھا تو اس میں میک کلو کا نام بھی شامل تھا۔

''میں تو صرف شیو بنوانے آیا ہوں۔'' الکپون نے سارجنٹ کی طرف دیکھ کر انتہائی خوش خلقی سے مسکراتے ہوئے کہا پھر اپنے قریب رکھے بیگ کی طرف اشارہ کیا جس میں گولف کی چھڑیاں تھیں۔ ''اس کے بعد میں گولف کورس جاؤں گا۔''

پولیس نے میک کلو کی اور پھر پوری کار کی تلاشی لی لیکن انہیں کوئی ہتھیار نہیں ملا۔ وہ حیران رہ گئے، انہیں اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''امن معاہدے پر خوش اسلوبی سے عمل ہو رہا ہے۔'' میک کلو پولیس والوں کی طرف دیکھ کر شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''ورنہ میں بھلا تمہیں غیر مسلح حالت میں مل سکتا تھا؟''

پولیس والوں کو اور کچھ نہیں سوجھا تو انہوں نے تیز رفتاری کے جرم میں اس کا چالان کر دیا۔

1926ء کے اختتام تک بھی امن امان کی یہ فضا برقرار رہی۔ کچھ بدمعاش اور قاتل جیلوں میں بند رہے۔ کچھ کے مقدمات چلتے رہے صرف ڈوئل کے بھائیوں نے ایک بار معاہدے کی کچھ خلاف ورزی کی، انہیں گولیاں لگیں تاہم وہ مرنے سے بچ گئے۔ الکپون کو کسی نے نہیں چھیڑا اور کوئی اس کیلئے خطرے کا باعث نہیں بنا تاہم اس دوران ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔

اسٹن نامی ایک شخص الکپون کا نوجوانی کا دوست تھا۔ ہاتھورن ہوٹل اور اسکے برابر میں واقع دوسرا ہوٹل گو کہ الکپون ہی کا تھا لیکن کاغذات میں ان کا مالک اسٹن تھا۔ ایک روز وہ غائب ہو گیا اور اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

الکپون کے سوانح نگاروں میں سے ایک نے لکھا ہے۔ ''جس روز اسٹن غائب ہوا، اس رات الکپون کو ایک بار میں بیٹھے دیکھا گیا جہاں وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا، وہ اپنے دوست کی گمشدگی پر سخت غمزدہ تھا۔''

اسٹن کی لاش ایک ماہ بعد ملی۔ شیرف ہوف مین بھی اس بات پر حیران تھا کہ اسٹن کے قتل پر الکپون کی طرف سے کوئی سخت ردعمل کیوں سامنے نہیں آیا؟ گروہوں کے درمیان کوئی جنگ کیوں شروع نہیں ہوئی؟

افواہ یہ سننے میں آئی کہ الکپون خود نشے اور اشتعال کے عالم میں اسٹن کو قتل کر بیٹھا تھا۔ ایک افواہ یہ بھی تھی کہ اس کے حکم پر اس کے دو آدمیوں نے اسٹن کو اتنا مارا تھا کہ وہ ہلاک ہو گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی اختلاف ہو گیا تھا اور اسٹن نے کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے الکپون نے سخت توہین محسوس کی تھی۔

بہرحال یہ معمہ حل نہیں ہو سکا کہ اسٹن کو کس نے اور کیوں مارا؟ تاہم یہ طے تھا کہ یہ کسی دوسرے گروہ کی حرکت نہیں تھی۔ اس دوران کسی گروہ کے ہاتھوں بھی ایک لڑکا مارا گیا۔ کرسمس قریب تھا، اس کے بھائیوں نے تمام گروہوں سے اپیل کی کہ کم از کم کرسمس کے موقع پر تدفین کیلئے اس کی لاش دے دی جائے لیکن لاش کا کچھ پتہ نہ چلا۔

دو دن بعد دو بچے کھیل کود اور دوڑ بھاگ کے دوران ایک میدان کے قریب گڑھے میں جا گرے۔ وہاں انہیں ایک شخص کی لاش پڑی ملی۔

اس کے بعد مزید کئی قتل ہوئے لیکن ان معنوں میں امن برقرار رہا کہ گروہوں کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع نہیں ہوئی۔ اس دوران الکپون گویا مزید ''بڑا آدمی'' ہو گیا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ انفرادی سطح پر کسی سے نمٹ لیتا تھا لیکن درحقیقت اب اسے کوئی چھیڑتا نہیں تھا۔

نیا سال شروع ہوا تو جارج جانسن نامی ایک شخص نیا امریکی اٹارنی منتخب ہو گیا۔ الکپون کی نظر میں یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔

(جاری ہے)

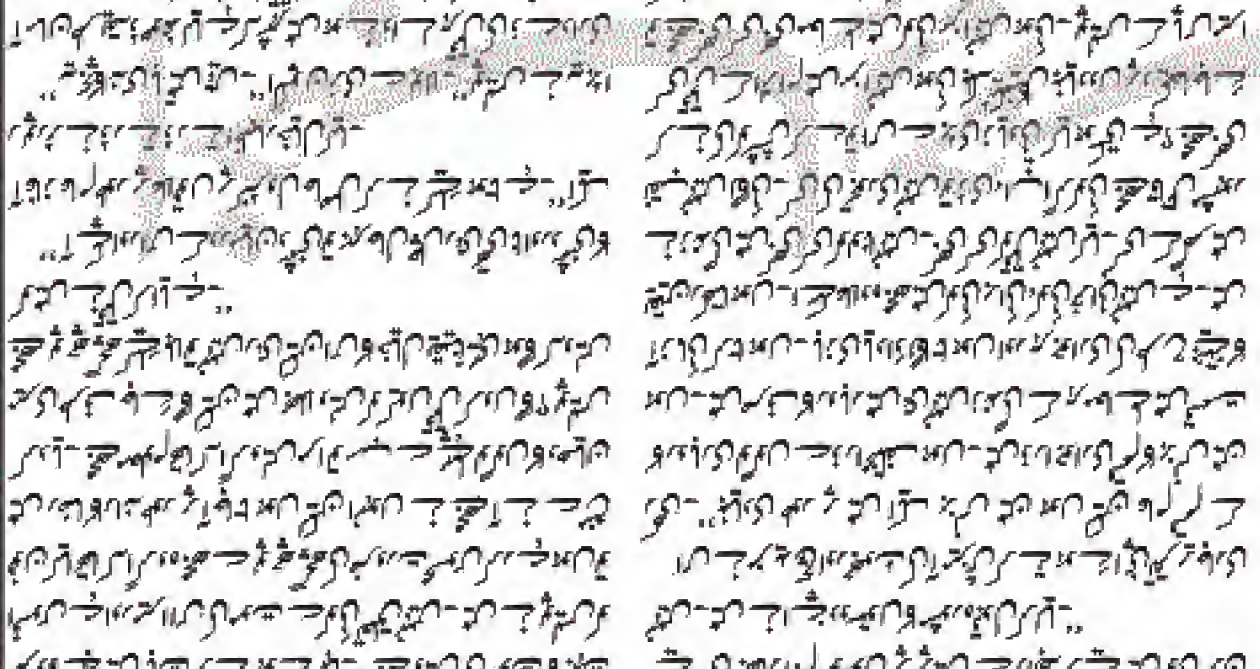

الکپون نے اب اپنا ہیڈ کوارٹر میٹروپول ہوٹل میں منتقل کرلیا تھا جو اس کے اور جان ٹوریو کے سابق ہیڈ کوارٹر "فورڈیوسز" سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ یہ ایک اچھا، معیاری اور شاندار ہوٹل تھا۔ الکپون نے ابتداء میں اس میں دس کمرے حاصل کئے تھے۔ اس کا اپنا شاندار اور کشادہ سوئٹ ان کمروں کے علاوہ تھا۔

جلد ہی اس نے یہاں دو فلورز پر پچاس کمرے لے لئے۔ یہ علاقہ اس کیلئے زیادہ محفوظ تھا کیونکہ یہاں قریب ہی میئر تھامسن کے دفاتر بھی تھے۔ گویا ایک بہت بڑا قانون شکن خود چل کر قانون کے محافظوں کے قریب آگیا تھا۔

جب برنین قتل ہوا، ان دنوں پولیس کے سراغرسانوں کا سربراہ ہیوز ہوا کرتا تھا۔ برنین کے قتل کی وجہ سے اس کی ذات کچھ اس طرح اسکینڈلز کی زد میں آئی کہ وہ کچھ عرصے کیلئے معطل بھی ہوگیا تھا لیکن کچھ عرصے بعد وہ کاؤنٹی کے ہائی وے کی پولیس کا چیف بن گیا تب وہ شیخی بگھارنے لگا کہ اس نے الکپون کو سیسرو سے نکال بھگایا ہے۔

یہ بات جب الکپون کے کانوں تک پہنچی تو وہ میٹروپول ہوٹل میں اپنے شاندار سوئٹ میں بیٹھے بیٹھے خوب ہنسا پھر خوشدلی سے بولا۔ "وہ بے چارہ مجھے کیا نکالے گا، وہ تو ان دنوں معطل تھا جب میں نے یہاں..... میٹروپول میں ہیلے آفس بنایا۔"

الکپون اب واقعی بہت "بڑا" آدمی بن چکا تھا۔ میٹروپول میں اس کے منتقل ہونے سے کچھ ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے کوئی بہت بڑی کمپنی یا کوئی سرکاری ادارہ وہاں منتقل ہوا ہے۔ راہداریوں میں مسلح گارڈز ادھر سے ادھر آتے جاتے دکھائی دیتے۔ دن بھر الکپون سے ملنے کیلئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا جن میں اچھی بھلی معروف کاروباری سیاسی اور سماجی شخصیات کے علاوہ پولیس آفیسر بھی ہوتے تھے۔ اب ان میں سے کوئی بھی الکپون سے ملنے کیلئے آنے میں شرم یا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ کوئی منہ چھپا کر نہیں آتا تھا۔ سب علی الاعلان آتے تھے۔ ہر ایک کے پاس کوئی معقول جواز موجود ہوتا تھا۔ انہیں ملاقات کیلئے انتظار بھی کرنا پڑتا تھا۔

الکپون کے پچاس کمروں میں سے دو کمروں میں جمنازیم بھی تھا۔ وہ اپنے آدمیوں پر زور دیتا تھا کہ وہ باقاعدگی سے ورزش کیا کریں اور خوش لباس نظر آیا کریں۔ وہ اپنے غنڈوں، بدمعاشوں کو بھی روایتی بدمعاشوں والے انداز میں شیو بڑھانے، شکن آلود کپڑے پہننے، جمائیاں لیتے ادھر ادھر گھومتے دیکھنا قطعی پسند نہیں کرتا تھا۔

وہ اپنے آدمیوں سے کہتا تھا۔ "اندر سے آپ چاہے جتنے بڑے بدمعاش ہوں لیکن ظاہری طور پر آپ کو بدمعاش نظر نہیں آنا چاہئے۔ آپ کو حتی الامکان ایک معزز کاروباری شخصیت نظر آنا چاہئے۔"

اس نے گینگ لینڈ یا انڈر ورلڈ کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس کے کاروباری سیٹ اپ، انداز و اطوار اور اس کے آدمیوں کے ظاہری طور طریقے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک قسم کی مافیا کا سربراہ ہے اور اس کے تمام دھندے غیر قانونی ہیں۔

تھامسن تیسری مرتبہ میئر منتخب ہو چکا تھا اور اس بار وہ اصلاح پسند میئر ڈیور کو ہرا کر آیا تھا۔ الکپون جیسے لوگوں کے حق میں تھامسن کا دور اچھا ثابت ہوتا تھا کیونکہ وہ زیادہ سخت گیر یا اصول پسند نہیں تھا۔

انتخابی مہم کے دوران اس کے مقابلے میں بیچارہ ڈیور افسوس کے ساتھ چلا تا ہی رہ گیا تھا۔ "یہ کس قسم کا آدمی ہے؟ اس کے پاس تو دماغ نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے، میں جب بھی اس سے شہر کے مسائل کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، وہ بس ایک نعرہ لگا دیتا ہے، سب سے پہلے امریکا..... لگتا ہے اسے اس کے سوا کوئی بات ہی کرنی نہیں آتی۔"

ڈیور کف افسوس ہی ملتا رہ گیا اور تھامسن میئر بن گیا۔ اس کی دیانتداری، شرافت اور اصول پسندی اس کے کسی کام نہ آئی۔ سیاست میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ تھامسن کی انتخابی مہم میں الکپون اور اس کی قبیل کے دوسرے لوگوں نے خوب دولت خرچ کی تھی۔ انہیں معلوم تھا وہ جتنا خرچ کر رہے ہیں، اس سے سیکڑوں گنا کما لیں گے۔

تھامسن نے اپنی انتخابی مہم کے دوران صاف طور پر کہہ دیا تھا۔ "شہر میں جتنے بھی تفریح کے اڈے بند کئے گئے ہیں، میں نہ صرف انہیں کھول دوں گا بلکہ ہم ہزاروں نئے اڈے بھی کھولیں گے، ہم چاہتے ہیں جب لوگ اپنے کام کاج، روزمرہ مصروفیات اور پریشانیوں سے تھک جائیں تو ان کے پاس تفریح کے لئے حسب استطاعت کوئی جگہ موجود ہو، انہیں ہر وقت پولیس کا دھڑکا نہ لگا رہے، پولیس کے پاس اتنے اختیارات نہیں ہونے چاہئیں کہ وہ جس کے چاہے گھر یا دکان میں گھس جائے، جس کی چاہے تلاشی لینے لگے، جس کا چاہے کان کھینچ لے۔ پولیس کو وارنٹ کے بغیر کسی جگہ کی تلاشی کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔"

الکپون نے اپنے دفتر میں جارج واشنگٹن اور ابراہام لنکن کی تصویروں کے ساتھ تھامسن کی تصویر لگائی ہوئی تھی۔

انتخابی مہم کے دوران ان بدمعاشوں کی بدمعاشیاں عروج پر تھیں اور وہ تھامسن کو میئر بنوانے کے لئے ہر ہتھکنڈے آزما رہے تھے۔ حالانکہ ابھی ڈیور ہی میئر تھا مگر لگتا تھا کہ بدمعاشوں کی دنیا شہر کو کسی اور ہی بہاؤ میں لئے جا رہی تھی۔ انہی سرگرمیوں کے دوران ڈرچی، جو نارتھ سائیڈرز کا ایک اہم گن مین تھا، ایک پولیس آفیسر کے ہاتھوں مارا گیا۔

وہ پولیس آفیسر بمشکل چوبیس سال کا نوجوان تھا، اس کا نام ہیلے تھا۔ وہ ایک دیانتدار اور اصول پسند پولیس آفیسر تھا۔ بدمعاشوں کو ناپسند کرتا تھا۔ میئر ڈیور نے پولیس آفیسرز کو ہدایت کی تھی کہ وہ دہشت گرد قسم کے بدمعاشوں پر نظر رکھے جو اسلحہ استعمال کرنے میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔

ایک روز ہیلے ایک بار کے سامنے کھڑا تھا کہ ڈرچی اندر سے نکلا۔ ہیلے کو باہر کھڑے دیکھ کر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور وہ سرخ سرخ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے غرایا۔ "تم یہاں میری نگرانی کیلئے کھڑے ہو؟"

"میں کسی کی نگرانی نہیں کر رہا۔ میری یہاں ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔" ہیلے نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرد لہجے میں جواب دیا۔

"کل کے چھوکرے.....! میرے سامنے زبان چلاتے ہو؟ پولیس کی وردی پہن کر تم اپنے آپ کو کیا سمجھ رہے ہو؟" ڈرچی کچھ اور برہم ہو کر بولا۔ ان دنوں بیشتر پولیس والے اس جیسے بدمعاشوں کے سامنے دبکے ہوئے تھے۔

"جاؤ..... اپنا کام کرو۔" ہیلے نے اسے بازو سے پکڑ کر دوسری طرف گھمانے کی کوشش کی۔

اس پر ڈرچی اور زیادہ تپ گیا۔ وہ پھنکارنے کے انداز میں بولا۔ "تمہیں میرا بازو پکڑ کر جھٹکا دینے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"میں نے تمہیں کوئی جھٹکا وغیرہ نہیں دیا۔ میں تو تمہیں یہاں سے جانے کا موقع فراہم کر رہا ہوں۔" ہیلے نے گویا الفاظ کو چباتے ہوئے جواب دیا۔

ان کے درمیان تکرار بڑھ گئی تو ہیلے نے پستول نکال لیا اور ڈرچی کو گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دیا۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟" ڈرچی نے جاننا چاہا۔

"پولیس اسٹیشن.....!" ہیلے نے جواب دیا۔ "میں اس واقعے کی رپورٹ کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ باتیں ریکارڈ پر رہیں جو تم اس وقت کر رہے ہو۔"

ڈرچی کو گاڑی میں بیٹھنا پڑا اور جب ہیلے اسے لے کر پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچا تو چار فائروں کی آواز گونجی اور جب چند پولیس والے صورتحال کا جائزہ لینے آئے تو انہوں نے ڈرچی کو مردہ حالت میں گاڑی کی اگلی سیٹ پر پڑے دیکھا۔ اس کے جسم سے خون بہہ رہا تھا۔ ہیلے گاڑی کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ بالکل پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے اپنے افسران بالا کو اس واقعے کی جو رپورٹ پیش کی، اس میں مندرجہ بالا تفصیلات اور مکالمے وغیرہ لکھنے کے بعد اس نے مزید لکھا۔

"جب میں ڈرچی کو پولیس اسٹیشن لا رہا تھا تو تمام راستے وہ مجھے گالیاں دیتا رہا، پولیس اسٹیشن پہنچ کر میں نے اسے گاڑی سے اترنے کیلئے کہا تو اس نے مجھے ایک لات رسید کی اور بولا "تم کیا سمجھ رہے ہو کہ یہ پستول ہاتھ میں پکڑ کر تم بہت بڑی چیز بن گئے ہو؟ میں اس پستول سمیت تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔" یہ کہہ کر اس نے میرے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ پستول میرے ہاتھ سے چھین کر وہ مجھے ہلاک کر دے گا۔ میری جان کو خطرہ تھا اس لئے میں نے اپنے دفاع میں اس پر گولی چلا دی۔ دو گولیاں کھانے کے بعد بھی وہ چونکہ ہاتھا پائی سے باز نہیں آیا، اس لئے مجھے دو گولیاں مزید چلانی پڑیں۔"

یہ معاملہ عدالتی تحقیقات کیلئے بھی پیش ہوا۔ عدالت میں ڈرچی کے وکیل نے اپنے بیان کے دوران کہا۔ "جب ڈرچی کو قتل کیا گیا.....!"

اس پر سراغرسانوں کے سربراہ شومیکر نے ناک بھوں چڑھا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم سے کس نے کہا کہ ڈرچی کو قتل کیا گیا تھا؟ کیا عدالت نے ایسا کوئی فیصلہ دے دیا ہے؟ تم یہ الفاظ استعمال کر کے توہین عدالت کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

ہیلے پر کوئی آنچ نہ آئی۔ اس کے ڈپارٹمنٹ نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کے افسروں نے تو اسے بہادری کا مظاہرہ کرنے پر ایک تمغہ دینے کا بھی اعلان کر دیا۔ پہلی بار ایک خطرناک بدمعاش اس انجام کو پہنچا تو پولیس والوں کا مورال کچھ بلند ہوا۔ مجرموں کے وکیلوں نے کافی واویلا کیا اور اسے "قانون کی مدد سے قتل" قرار دیا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

تھامسن کے میئر بننے سے الکپون کیلئے ماحول مزید سازگار ہو گیا تھا تاہم کبھی کبھار کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ جاتا تھا مثلاً ایک بار اس کی ایک بریوری پر فیڈرل ایجنٹوں نے چھاپہ مارا۔ الکپون کو پیشگی اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکی۔ اس کا کوئی مخبر اسے خبردار نہ کر سکا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ فیڈرل ایجنٹوں نے پولیس کو اس چھاپے کے بارے میں قطعی کچھ نہیں بتایا تھا بعد میں ایک ایف بی آئی ایجنٹ نے کچھ لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔ "ہمیں اندازہ ہو گیا ہے کہ اس قسم کے کسی چھاپے میں اگر پولیس کو شریک کر لیا جائے یا اسے اس کارروائی کے بارے میں پیشگی کچھ معلوم ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ چھاپہ ناکام ہو جائے گا، حالت تو یہ ہو گئی ہے کہ جو بریوریاں سیل کر دی جاتی ہیں اور ان پر پولیس تعینات کر دی جاتی ہے، وہاں پولیس ہی کی نگرانی میں شراب تیار ہوتی رہتی ہے اور پہلے سے بھی زیادہ ٹیکس چوری ہوتا رہتا ہے۔ پہلے جو تھوڑا بہت ٹیکس دکھاوے کے لئے حکومت کو مل رہا ہوتا ہے، وہ بھی بند ہو جاتا ہے۔"

الکپون کی جس بریوری پر چھاپہ پڑا، اس میں کام کرنے والے بڑے حیران ہوئے۔ الکپون اب اس مقام پر پہنچ گیا تھا کہ اس کے معمولی کارکن تو یہی سمجھتے تھے کہ اس کے کسی کاروبار پر کوئی چھاپہ نہیں مار سکتا۔

اس چھاپے کے دوران الکپون کے ایک آدمی نے جا کر رازدارانہ انداز میں ایف بی آئی والوں کو بتایا۔ "یہ الکپون کی بریوری ہے، آپ چھاپہ نہ ماریں، آپ جس طرح چاہیں گے، اس طرح ہو جائے گا۔"

اس آدمی کو اس وقت بڑی حیرت ہوئی جب ایف بی آئی ایجنٹ نے اس کی بات پر توجہ ہی نہیں دی۔ اس بیچارے کا خیال تھا کہ اسکے باس الکپون کا نام سن کر تو بڑے بڑے افسر چوکڑی بھول جاتے تھے اور "سک مکا" کی بات سے تو کوئی لاتعلق رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

بہرحال اس قسم کے واقعات سے اب الکپون کی بادشاہت میں کوئی خاص ہلچل پیدا نہیں ہوتی تھی۔ وہ تو اب ایک ایسی شخصیت بنتا جا رہا تھا جسے بہت سے لوگ اور ادارے اپنی نہایت خاص تقریبات میں مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کرنے لگے تھے۔ بعض ایسی تقریبات جن میں بہت زیادہ حفاظتی انتظامات کی ضرورت ہوتی تھی، ان کے بارے میں تو لوگ ایک دوسرے کو مشورہ دیتے تھے۔ "بھئی تمہیں پولیس یا کسی اور ایجنسی سے حفاظتی انتظامات کی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں، الکپون کو مہمان خصوصی کے طور پر بلا لو، اس کے گارڈز آ کر خود ہی سارے حفاظتی انتظامات سنبھال لیں گے..... اور پولیس سے زیادہ اچھی طرح سنبھال لیں گے۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔"

یہ حقیقت تھی کہ جہاں الکپون خاص طور پر اپنے گارڈز کے ساتھ موجود ہوتا تھا، وہاں حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں کسی کو کوئی فکر نہیں رہتی تھی۔ ستم ظریفی تو یہ تھی کہ ایک بار خود پولیس ڈپارٹمنٹ نے اپنی ایک تقریب میں حفاظتی انتظامات بہتر بنانے کے خیال سے الکپون کو خاص مہمان کے طور پر مدعو کر لیا۔

درحقیقت الکپون نے اپنی شخصیت کا تاثر معززانہ بنانے کیلئے خاصی محنت بھی کی تھی اور اس پہلو پر خصوصی توجہ دی تھی۔ وہ فلاحی کاموں میں حصہ لیتا تھا۔ رفاہی کاموں کیلئے چندے دیتا تھا اور کسی تعمیری کام میں حصہ لینے کیلئے بہ نفس نفیس اٹھ کر چل دیتا تھا۔

اس کی شخصیت کا یہ ایک عجیب پہلو تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ ایک گینگسٹر تھا۔ نہ جانے کتنے انسانوں کے خون سے اس کے اپنے ہاتھ رنگے ہوئے تھے اور نہ جانے کتنے انسانوں کی موت کا وہ بالواسطہ طور پر ذمے دار تھا، اس کا کوئی بھی دھندا جائز اور قانونی نہیں تھا۔ اس کے باوجود جب لوگوں کو اس کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ گویا اس کے بارے میں یہ ساری باتیں فراموش کر دیتے تھے۔

وہ اس شیر کی طرح تھا جو بظاہر پالتو دکھائی دیتا تھا۔ بے ضرر سے انداز میں اپنے گھر میں ٹہل رہا ہوتا تھا لیکن سب کو معلوم تھا کہ ضرورت کے وقت وہ کسی کو بھی چیر پھاڑ کر کھا جانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

وہ بلا کا خوش لباس تھا۔ نہایت عمدہ اور قیمتی لباس پہنتا تھا۔ سب سے شاندار ہیٹ سر پر رکھتا تھا۔ اس کی ٹائی میں ہیرے کی پن اور ایک دو انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھی ضرور جگمگاتی تھی۔ اس کا قد لمبا، جسم بھاری اور ورزشی تھا۔ اپنے غیر معمولی لباس اور نمایاں سراپا کے ساتھ جب وہ کسی تقریب یا محفل میں پہنچتا تھا تو اس کی طرف دیکھتے ہی لوگوں کو احساس ہوتا تھا کہ وہ کوئی غیر معمولی آدمی ہے اور یقیناً کچھ ناقابل وضاحت قسم کی غیر معمولی قوت اور اختیارات کا مالک ہے۔

وہ ہمیشہ خوش مزاج نظر آتا تھا۔ چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی تھی۔ اگر کبھی کسی خاص ہی بات پر وہ کسی کی طرف سرد نگاہوں سے دیکھ لیتا تھا تو اس کا خون خشک ہونے لگتا تھا۔ اگر اسے کوئی ایسا شخص کسی محفل میں دیکھتا جو اس سے واقف نہ ہوتا تو شاید اس پر اسے کسی سربراہ مملکت کا گماں گزرتا۔ یہ ایک عجیب بات تھی کہ ایک گینگسٹر ہونے کے باوجود اسے شہر میں ایک "سیلبرٹی" کا مقام بھی حاصل تھا۔

وہ بے حد فراخدل، شاہ خرچ اور غریبوں یا ضرورت مندوں کے کام آنے والا بھی تھا۔ اس سستے زمانے میں بھی اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے لئے اس کی کرسمس کی شاپنگ کا بل ایک لاکھ ڈالر تک جا پہنچتا تھا۔ بعض دوستوں کو اس نے پتلون کی ایسی بیلٹ بھی تحفے میں دی جس کے بکل پر ان کے نام کے ابتدائی حروف ننھے ننھے ہیروں سے جڑے ہوئے تھے۔

وہ دنیا بھر کے موضوعات پر نہایت عمدہ گفتگو کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں حس مزاح بھی غضب کی تھی۔ سیاست، آرٹ، حالات حاضرہ، اسپورٹس، معیشت غرضیکہ کوئی موضوع ایسا نہیں تھا جس پر وہ عمدگی سے نہ بول سکتا ہو۔

اسے احساس تھا کہ اس کی شان و شوکت کی اصل بنیاد غیر قانونی شراب کے دھندے پر تھی۔ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ کہتا تھا۔ "بیشتر معاشرے ہمیشہ سے تضادات کا مجموعہ رہے ہیں۔ میری شراب جب تک ٹرکوں پر لدی ہوتی ہے، ناجائز ہوتی ہے، جب وہ کسی معزز آدمی کے گھر میں ٹرے میں خوبصورت گلاس رکھ کر ان میں انڈیل کر مہمانوں کو پیش کی جاتی ہے تو خاطر مدارات کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتی ہے۔"

جائز ناجائز دولت کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ کہتا تھا۔ "میرے خیال میں تو دنیا کے بیشتر بادشاہوں کے پاس جو دولت تھی، وہ ناجائز ہی تھی۔ بادشاہ بھلا کون سا کاروبار کرتے تھے جو ان کے پاس اتنی دولت ہوتی تھی؟"

ایک بار اس نے معززین کی ایک محفل میں شراب کے دھندے کے بارے میں بات کرتے ہوئے کہا۔ "کیا ستم ظریفی ہے کہ جن ججوں کی عدالتوں میں ہمارے مقدمے چلتے ہیں، ان کے گھروں میں بھی ہماری شراب استعمال ہوتی ہے۔"

اخلاقیات کے موضوع پر بھی وہ زور و شور سے بولتا تھا۔ ہر دور کے لوگ یہی کہتے آئے ہیں کہ گزرا ہوا زمانہ اچھا تھا، وہ بھی کہا کرتا تھا۔ "میرے لڑکپن کے دور میں اخلاقی قدروں کی بڑی اہمیت تھی۔ آج کے نوجوان کی نظروں میں تو اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، وہ کسی کی عزت کرنا ہی نہیں جانتے۔"

خاندانی منصوبہ بندی کے وہ خلاف تھا۔ اس کے خیال میں یہ قوموں کو کمزور کر دینے کا راستہ تھا۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ کہتا تھا۔ "آج کی عورت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے گھر سے باہر اس کی دلچسپی کے بہت سے عوامل پیدا کر دیئے ہیں جبکہ عورت کی اصل جگہ اس کا گھر ہے اور اس کے لئے سب سے زیادہ قابل توجہ چیز اس کے بچے ہوئے چاہئیں، آج کے دور کی پریشانیوں کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے عورت کو گھر سے باہر نکال دیا ہے۔"

بری عورتوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے وہ کہتا تھا۔ "یہ عورتیں باضابطہ طور پر کسی الگ تھلگ جگہ پر..... کسی مخصوص ٹھکانے پر رہتی ہوں تو زیادہ اچھا ہے۔ اس جگہ کے بارے میں سب کو علم ہوگا کہ وہاں ایسی عورتیں رہتی ہیں لیکن اگر آپ ان پر پابندیاں لگائیں گے یا زبردستی انہیں ختم کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ آپ کے پاس پڑوس میں آ جائیں گی۔ پوری سوسائٹی میں پھیل جائیں گی۔ طرح طرح کے روپ دھار لیں گی جن میں سے کئی روپ بظاہر معززانہ بھی دکھائی دیں گے، آپ کو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ آپ کے گھر کی عورتیں بڑے اشتیاق سے جس عورت سے مل رہی ہیں اور رسم و راہ بڑھا رہی ہیں، وہ کون ہے؟"

اس طرح وہ اکثر موضوعات پر دانشورانہ انداز میں اظہار خیال کرتا تھا۔

اس کی شخصیت اور شہرت کے افسانے دور دور تک پھیل گئے تھے۔ جس طرح ہر شہر میں کچھ چیزیں سیاحوں کیلئے کشش کا باعث ہوتی ہیں، اس طرح اب الکپون کا نام بھی ایسی چیزوں کی فہرست میں شامل ہو گیا تھا جنہیں بیرون شہر سے آنے والے دیکھنا چاہتے تھے۔ کئی بار مسافروں سے بھری ہوئی بسیں اس امید پر میٹروپول کے سامنے سے گزرتیں کہ شاید اس کی کوئی جھلک نظر آ جائے۔

الکپون اگر کبھی باہر نکلتا تھا تو کم از کم اٹھارہ مسلح گارڈز اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہوتے تھے۔ بیرون شہر سے آئے ہوئے لوگ جب کسی سڑک سے گزر رہے ہوتے اور اچانک کوئی ایک عجیب سی گاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہہ دیتا۔ "وہ الکپون کی گاڑی جا رہی ہے" تو سب اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرتے پڑتے جلدی سے ادھر لپکتے۔

گاڑی کیا تھی اسٹیل کا ایک چھوٹا سا قلعہ تھی۔ اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں گارڈز کی گاڑیاں ہوتی تھیں، وہ تھیٹر یا اوپیرا جاتا تب بھی اسی طرح اس کے گرد انسانوں کی دیوار ہوتی تھی جو اس کی جگہ گولی کھانے کیلئے تیار ہوتے تھے۔

جس طرح اس کی آمدنی بے حساب تھی، اسی طرح اخراجات بھی بے اندازہ تھے۔ 1929ء میں اس نے صرف پولیس کے محکمے اور سیاسی عہدیداروں کو رشوت کے طور پر 3 کروڑ ڈالر دیئے تھے۔ اسے خود بھی اپنی آمدنی کا صحیح اندازہ نہیں تھا اور جو کچھ کاغذات میں ظاہر کی جاتی تھی، وہ اس کی آمدنی کا دسواں حصہ بھی نہیں تھی۔

اس کے اپنے رہن سہن اور عادات و اطوار میں بے پناہ شاہ خرچی تھی اور اوپر سے اسے خود بھی جوا کھیلنے کا شوق تھا اور وہ اکثر بہت بڑی بڑی بازیاں لگاتا تھا۔ اکثر وہ پچاس ہزار ڈالر کی گڈی لے کر جوا خانے میں داخل ہوتا اور صبح تک اس کے پاس کچھ نہ ہوتا۔ کبھی کبھی تو وہ ایک رات میں ایک لاکھ ڈالر ہار جاتا۔

وہ ریس کا بھی زبردست رسیا تھا۔ ریس ٹریک چونک اس کے سابق ہیڈ کوارٹر ہاتھورن ہوٹل کے قریب ہی تھا، اس لئے وہاں بھی اس کی آمد و رفت خوب رہتی تھی۔ جاکیوں اور بک میکرز سے اس کے قریبی تعلقات تھے۔ کبھی کبھی اسے صحیح ٹپ اور اندر کی معلومات بھی مل جاتی تھی اور وہ جیت بھی جاتا تھا لیکن زیادہ تر ہارتا ہی تھا اور رقمیں گنواتا ہی تھا۔

ایک بار اس نے ایک صحافی کو ریس ٹریک میں دیکھا۔ اس روز اس کے پاس ایک ٹھوس ٹپ تھی، اس نے دیکھا کہ صحافی کسی اور گھوڑے پر رقم لگا رہا تھا جبکہ الکپون کے پاس کسی اور گھوڑے کے بارے میں ٹپ تھی۔

"اے بیکر.....!" الکپون نے خوش مزاجی سے صحافی کو مخاطب کیا۔ "تم پانچ نمبر گھوڑے پر رقم کیوں نہیں لگاتے؟"

"پانچ نمبر.....؟" بیکر نے حقارت سے کہا۔ "وہ بھلا کبھی جیت سکتا ہے؟"

"تم لگا کر تو دیکھو۔" الکپون نے اصرار کیا۔

صحافی نے مسکراتے ہوئے گویا صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ "بھئی تم تو خود ہارتے رہتے ہو، مجھے جیتنے کے لئے کیا مشورہ دے رہے ہو؟"

الکپون نے اس کی صاف گوئی کا برا منائے بغیر اپنے ایک گارڈ کو اشارہ کیا اور اس نے پانچ نمبر گھوڑے کا پانچ ڈالر کا ٹکٹ لا کر زبردستی بیکر کی جیب میں ڈال دیا۔

جب بیکر نے اس ٹکٹ کی وجہ سے سو ڈالر جیتے تو وہ سر پیٹنے لگا کہ اس نے الکپون کا کہنا کیوں نہیں مانا اور زیادہ رقم کیوں نہیں لگائی۔ لیکن ایسا روز روز نہیں ہوتا تھا، زیادہ تر وہ ہارتا ہی تھا تاہم وہ بکیوں کا حساب چکانے میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں کرتا تھا۔

1927ء میں وہ اپنے دوستوں کو بتا رہا تھا۔ "پچھلے صرف دو سال میں، میں نے گیارہ لاکھ ڈالر گھوڑوں پر گنوائے ہیں۔" جبکہ اس زمانے میں اس کے دھندے اتنے زیادہ پھیلے بھی نہیں تھے جتنے بعد میں پھیلے، اس سے اگلے دو سالوں میں وہ تقریباً 8 ملین ڈالر گھوڑوں پر ہار بیٹھا تھا۔ اس کے قریبی جاننے والے کہا کرتے تھے۔ "جوا کھیلتے وقت وہ اندھا ہو جاتا ہے۔"

اس کے ساتھ ساتھ اس کے بھی انداز و اطوار شاہانہ تھے۔ اس جیسی پارٹیاں شہر میں کوئی نہیں دیتا تھا۔ اچھے بھلے امیر لوگ بھی اپنی پارٹیوں پر پورے سال میں اتنا خرچ نہیں کرتے تھے جتنا وہ ایک پارٹی پر خرچ کر دیتا تھا۔ اس کی پارٹیوں میں آنے والوں کو جو عیش و عشرت میسر آتی تھی، اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بعض اوقات وہ پارٹی کے لئے پورا ہوٹل یا ریسٹورنٹ بک کراتا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے لوگوں اور کم تنخواہوں والے ملازموں کو ٹپ دینے اور نوازنے میں بھی اس کا جواب نہیں تھا۔ ہوٹلوں اور کلبوں میں وہ ویٹروں اور ہیٹ، کوٹ سنبھالنے والی لڑکیوں کو بھی سو پچاس ڈالر سے کم ٹپ نہیں دیتا تھا۔

اسے اپنی عزت اور زبان کا بہت خیال رہتا تھا۔ اس کے دشمن بھی تسلیم کرتے تھے کہ اگر وہ کسی کو زبان دے دیتا تھا تو آنکھیں بند کر کے سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ اسے پورا کرے گا، وعدہ خلافی کا اس کے ہاں کوئی تصور نہیں تھا۔

ایک طرف وہ اتنا سنگدل تھا کہ اپنے ہاتھوں سے نہ جانے کتنے قتل کر چکا تھا لیکن دوسری طرف غریبوں، ناداروں اور کم وسیلہ لوگوں کے لئے اس کی رحمدلی اور فیاضی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

ایک بار وہ ایک ریسٹورنٹ میں کھڑا تھا کہ باہر سے اخبار بیچنے والا ایک لڑکا اندر آ گیا۔ اس شام باہر بہت ٹھنڈ تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ لڑکے کے جسم پر بوسیدہ اور ناکافی لباس تھا، وہ ٹھنڈ کی وجہ سے شوں شوں کر رہا تھا اور اپنے بازو پر اخباروں کا بنڈل اٹھائے ہوئے تھا جسے اس نے پلاسٹک کی شیٹ میں لپیٹا ہوا تھا۔ کبھی کبھی ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوا کوئی گاہک اخبار خرید لیتا تھا اسی امید پر اخبار فروش لڑکے ریسٹورنٹ کا چکر لگا لیتے تھے۔

الکپون نے دیکھا کہ اس شام کسی بھی گاہک نے اخبار فروش لڑکے سے اخبار نہیں خریدا۔ وہ قدرے مایوسی کے تاثرات چہرے پر لئے واپس جانے لگا تو الکپون نے اسے اشارے سے قریب بلایا اور پوچھا۔ "کتنے اخبار بچ گئے ہیں تمہارے پاس؟"

"کم از کم پچاس تو ہوں گے سر.....!" لڑکے نے جواب دیا۔

"یہ سارے کتنے کے ہوں گے؟" الکپون نے پوچھا۔

"اٹھارہ ڈالر کے سر.....!" لڑکے نے گویا کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"یہ سارے اخبار وہاں ایک کونے میں رکھ دو۔" الکپون نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر پچاس ڈالر کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ لو اور اپنے گھر جاؤ، تمہاری ماں تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔"

لڑکے نے اخبارات ایک کونے میں رکھے اور پچاس ڈالر کا نوٹ لے کر یوں رخصت ہوا جیسے اسے اپنی خوش نصیبی پر یقین نہ آ رہا ہو۔

فیاضی اور خدا ترسی کے اس کے یہ مظاہرے کوئی ایک آدھ دن کی بات نہیں تھی۔ یہ مظاہرے ہمیشہ جاری رہتے تھے۔ مصیبت زدگان اکثر اپنی درد بھری کہانیاں لے کر کسی نہ کسی طرح اس تک پہنچ جاتے تھے اور اگر ان کی کہانی میں ذرا سی بھی سچائی محسوس ہوتی تھی تو الکپون انہیں مایوس نہیں لوٹاتا تھا۔ غریبوں، ضرورت مندوں اور مصیبت کے مارے لوگوں کی کہانیاں سن کر وہ کبھی اکتاہٹ، چڑچڑاہٹ یا بیزاری کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا۔

ایک بار ایک بڑھیا کو اس کے مالک مکان نے کئی ماہ سے کرایہ نہ ملنے کے باعث فلیٹ سے نکال دیا۔ اس کا کاٹھ کباڑ نما سامان فٹ پاتھ پر پہنچ گیا اور وہ پریشان حال اسی انبار کے پاس بیٹھ گئی۔

ایک پولیس والے نے یہ بات الکپون کو بتائی تو اس نے فوراً اپنا ایک ٹرک وہاں بھیجا۔ الکپون کے آدمیوں نے بڑھیا کا کاٹھ کباڑ اس طرح احتیاط اور حفاظت سے ٹرک میں رکھا جیسے وہ کوئی خزانہ ہو پھر الکپون کے آدمی بڑھیا کو اس کے سامان سمیت ایک فلیٹ میں پہنچا کر آئے جس کا ایک سال کا کرایہ پیشگی ادا کیا جا چکا تھا۔

الکپون کی طرف سے سیکڑوں ایسے لوگوں کی بھی مدد ہوتی تھی جن کی شکل دیکھنے کا بھی اسے اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ سیسرو اور شکاگو کے بہت سے دکانداروں کو ہدایت تھی کہ سردیوں میں اگر ان کے پاس ایسے مفلوک الحال لوگ آئیں جن کے پاس گھروں کو گرم رکھنے کیلئے کوئلہ خریدنے کے پیسے نہ ہوں تو انہیں بھی حسب ضرورت کوئلہ دے دیا جائے۔ غریبوں اور تنگ دستوں کو سودا سلف اور ضرورت کی ہر چیز دے دی جائے، ان سب چیزوں کا بل الکپون کو بھیجا جائے۔

1929ء میں جب امریکا میں پہلا بڑا اقتصادی بحران آیا اور غریبوں کی حالت بالکل ہی ابتر ہو گئی تو الکپون پہلا آدمی تھا جس نے شہر میں "سوپ کچن" کھولے۔ یہ ایسے کچن تھے جن کے دروازے بھوکوں کیلئے کھلے تھے، وہاں سے انہیں کم از کم سوپ کا ایک پیالا مفت مل جاتا تھا۔

سیاح اور دوسرے شہروں کے لوگ شکاگو اور سیسرو آتے تھے تو انہیں ٹیکسی ڈرائیوروں یا قلی اور مزدور ٹائپ لوگوں کی زبانی الکپون کے افسانے سننے کو ملتے تھے۔ وہ سب والہانہ انداز میں یہی کہتے تھے۔ "الکپون بہت اچھا آدمی ہے، غریبوں کا بڑا خیال رکھتا ہے، بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔"

ایک عورت جو اس زمانے میں سولہ سترہ سال کی تھی، اپنے بڑھاپے میں لوگوں کو بتایا کرتی تھی۔ "لوگ الکپون کے بارے میں جو چاہے کہیں لیکن وہ بہت اچھا آدمی تھا، جب لوگ پریشان حال اور ضرورت مند ہوتے تھے تو وہ ان کی مدد کے لئے موجود ہوتا تھا اور خاص طور پر جو لوگ اپنی پریشانیوں کے بارے میں بالکل سچ سچ بتاتے تھے، ان کی مدد کے لئے تو وہ پیش پیش ہوتا تھا اور وہ اپنی ان مہربانیوں کے کسی صلے یا بدلے کی توقع ہرگز نہیں رکھتا تھا۔"

اس عورت کا بیٹا پولیس میں سراغرساں اور سارجنٹ تھا۔ وہ زندگی بھر الکپون کے قصے سنتا رہا۔ وہ بتاتا تھا۔ "لوگوں کی نظر میں الکپون قصے کہانیوں والے ڈاکو رابن ہڈ کی طرح تھا جو امیروں کو لوٹتا تھا اور غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ وہ اکثر اپنی لوٹی ہوئی دولت غریبوں میں بانٹ دیتا تھا۔ لوگ محض غریبوں سے ہمدردی والی صفت کی بناء پر الکپون کو رابن ہڈ سے تشبیہ دیتے تھے ورنہ درحقیقت وہ تو امیروں کو نہیں لوٹتا تھا، وہ تو امیروں اور متوسط طبقے کے لوگوں کیلئے ایسی تفریحات فراہم کرنے کا کاروبار کرتا تھا جنہیں وہ آسانی سے افورڈ کر سکیں، دیکھا جائے تو وہ کسی کو بھی نہیں لوٹتا تھا۔ کسی کی کوئی چیز نہیں چراتا تھا۔"

اس کے دھندوں کے غیر قانونی پہلوؤں سے قطع نظر وہ کوئی باقاعدہ جرائم پیشہ آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا یعنی کم از کم ایسا آدمی معلوم نہیں ہوتا تھا جس کا اوڑھنا بچھونا اور تمام تر آمدنی کا ذریعہ صرف جرائم ہوں۔

الکپون خود بھی اس بات پر فخر کا اظہار کرتا تھا کہ الٹا اس کے پاس تو جرائم پیشہ لوگ آتے ہیں تو وہ انہیں مفید اور کارآمد انسان یا جائز اور قانونی قسم کے ملازمین بنا دیتا ہے۔ کوئی چور لٹیرا اس کے ہاں آ کر گارڈ یا دربان بن جاتا تھا۔ کوئی نقب زن خانساماں کے فرائض انجام دینے لگتا تھا، کوئی جیب کترا ویٹر بن جاتا تھا۔ کوئی جواری ڈرائیور کے فرائض انجام دینے لگتا تھا۔ اس طرح بہت سے جرائم پیشہ لوگ اس کے ہاں آ کر شریفانہ قسم کی خدمات انجام دے رہے تھے اور باقاعدگی سے ملازمت کر رہے تھے۔ الکپون اسے اپنی ایک اہم سماجی خدمت شمار کرتا تھا۔

بہت سے لوگوں کو اس کی وجہ سے کوئی ایسی چیز کھانے یا استعمال کرنے کا موقع ملا جس کا اس نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کا ایک ملازم لوگوں کو بتایا کرتا تھا۔ "ہم اٹھارہ بہن، بھائی تھے اور ہمارا باپ ایک مزدور تھا، ہم نے زندگی میں کبھی اچھا کھانا نہیں کھایا تھا۔ میرا باپ اکثر قصائی کی دکان سے مرغی کی گردنیں لے آتا تھا جو تقریباً مفت میں ہی مل جاتی تھیں۔ میری ماں ان کا پتلا سا بہت سارا شوربہ بنا لیتی تھی اور ہم باسی، سوکھی روٹی کے ٹکڑے اس میں بھگو بھگو کر کھا لیتے تھے۔ ہم نے زندگی میں کبھی باقاعدہ گوشت نہیں کھایا تھا۔ درحقیقت ہم نے کبھی اچھا کھانا ہی نہیں کھایا تھا اور نہ ہی کبھی پیٹ بھر کر کھایا تھا۔ بڑے ہو کر جب میں الکپون کے ہاں ملازم ہو گیا تب ہمارے گھر میں ذرا ڈھنگ کا کھانا پکنے کی نوبت آئی۔ اس کے ریسٹورنٹ کے کچن سے بہت سی چیزیں ہمیں مفت مل جاتی تھیں پھر میرے بھائی، بہن بھی بڑے ہو کر کچھ نہ کچھ کمانے لگے تب گھر کے حالات میں مزید بہتری آئی اور بہت سی چیزیں ہم نے زندگی میں پہلی بار کھائیں۔"

الکپون کہتا تھا کہ وہ غریبوں کیلئے باقاعدگی سے جو کچھ کرتا ہے یا اچانک جس طرح کی سخاوت کے مظاہرے کرتا رہتا ہے، اس سے اس نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ اس کی دولت میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے۔ اس کی ایمپائر جیسی بھی تھی لیکن وہ تیزی سے اونچی ہوتی جا رہی تھی۔ خصوصاً 1927ء کے بعد سے تو اس نے بہت ہی تیز رفتاری سے ترقی کی۔

اس میں اپنے کارکنوں اور اپنے کاروبار کو منظم کرنے کی بہت زیادہ صلاحیت تھی۔ وہ ایک بہت اچھا منتظم تھا۔ ملنے والے اس کے میٹروپول والے آفس میں پہنچتے تو عام طور پر وہ آدھی آستینوں کی شرٹ میں ہوتا اور اسے سر کھجانے کی فرصت نہ ہوتی، اس کی میز پر کاغذات، فائلوں اور رجسٹروں کے انبار ہوتے۔ 9 ٹیلیفون یکے بعد دیگرے بج رہے ہوتے۔ بعض اوقات تین چار فون ایک ساتھ بج رہے ہوتے اور وہ بیک وقت ان سب پر بات کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا۔

اس دوران کوئی نہ کوئی ملازم کسی نہ کسی اہم اور ہنگامی نوعیت کے مسئلے کے سلسلے میں ہدایات لینے کیلئے بھی آتا رہتا۔ ایک بار اس کا صحافی دوست بیکر اس سے ملنے پہنچا۔ وہ الکپون کی ایک تصویر کھینچنا چاہتا تھا اور ڈبہ نما کیمرہ ساتھ لے کر آیا تھا۔

بیکر ایک ذرا عجیب اور قدرے مختلف صحافی تھا۔ وہ رپورٹنگ کے ساتھ ساتھ اپنی ضرورت کی تصویریں بھی خود ہی اتارتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کبھی کبھی باکسنگ کے شوقیہ مقابلوں میں بھی حصہ لیتا تھا۔ لوگ اس بات پر بجا طور پر حیران بھی ہوتے تھے۔ کہاں رپورٹنگ یا صحافت اور کہاں باکسنگ۔ شاید الکپون اسی بناء پر اسے اور بھی زیادہ پسند کرتا تھا کیونکہ وہ باکسنگ کا زبردست شائق تھا اور اکثر مقابلے دیکھنے جاتا تھا۔

اس روز بیکر اس کی تصویر کھینچنے کی تیاری کرنے لگا تو الکپون نے اچانک میز سے سر اٹھا کر پوچھا۔ "کیا خیال ہے بیکر.....! تم باکسنگ میں مجھے ہرا سکتے ہو؟"

بیکر نے حیرت اور بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "خدا کے لئے کوئی عقل کی بات کرو۔ میں یہاں تمہاری تصویر کھینچنے آیا ہوں، تم سے گھونسے بازی کرنے نہیں..... لیکن بہرحال! اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو کہ ہم دونوں میں سے کون کسے باکسنگ میں ہرا سکتا ہے تو ہمیں نکسن کے جمنازیم میں جا کر باقاعدہ باکسنگ کے دستانے پہن کر مقابلہ کرنا چاہئے۔"

"بچوں والی بات تو اب تم کر رہے ہو.....!" الکپون نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ پھر اپنے سامنے پھیلے ہوئے کاغذات کو دیکھا اور ان تین چار آدمیوں پر نظر ڈالی جو اس کی توجہ کے منتظر کھڑے تھے۔ اس نے ایک اور ٹھنڈی سانس لی پھر گویا صبر کرتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس وقت کہاں ہے۔"

اس کے ملازموں کا کہنا تھا کہ الکپون کے ہاں ملازم ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی ملازمت کے امیدوار میں بھی کوئی نہ کوئی غیر معمولی خوبی دیکھ کر ہی اسے رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اس بات کا بہت خیال رکھتا تھا کہ اس کے ملازمین اپنے حلیے، انداز گفتگو یا لہجے سے بدمعاش، لفنگے اور گھٹیا قسم کے انسان ہرگز نظر نہ آئیں۔

اس کے ملازمین دیوتا کی طرح اسے پوجتے تھے۔ اس کے رعب، دبدبے، سخاوت اور اثر و رسوخ کی کہانیاں اپنے دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر سناتے تھے۔ ایک بار اس کا ایک کلرک اپنے دوستوں کو بتا رہا تھا۔ "کل باس نے فون پر ایک جج صاحب کا نمبر ملوانے کیلئے مجھ سے کہا۔ جونہی جج صاحب دوسری طرف لائن پر آئے، باس نے مجھ سے ریسیور چھین لیا اور سخت غصے میں جج صاحب سے بات کرنے لگا، وہ کسی آفیسر کے بارے میں بات کر رہا تھا جس نے باس کیلئے کوئی مسئلہ کھڑا کیا تھا۔ باس، جج صاحب پر برس رہا تھا۔ 'میں نے تم سے کہا تھا اس آدمی کو نوکری سے نکلوانا ہے لیکن وہ ابھی تک وہیں ہے، کیا کہا.....؟ تم بھول گئے تھے؟ آئندہ مجھ سے کیا ہوا کوئی وعدہ بھولنا نہیں..... اوکے؟' یہ کہہ کر باس نے ریسیور پٹخ دیا۔ بہت بڑے بڑے لوگوں سے وہ اس طرح بات کرتا ہے۔"

دفتر سے باہر وہ اکثر نہایت مہذب، نرم خو اور شائستہ دکھائی دیتا تھا۔ خصوصاً خواتین کے ساتھ وہ بے حد تہذیب اور شائستگی سے پیش آتا تھا۔ اس کی ایک بریوری ایک رہائشی علاقے کے قریب تھی۔ وہاں کی ایک گلی میں رہنے والی عورت بتاتی تھی۔ "وہ راستے میں اس محلے کی کسی بھی عورت کو دیکھ لیتا تھا تو گردن کو خم دے کر ہیٹ کا چھجا چھو کر اسے سلام کرتا تھا اور جسے پہچانتا تھا، اس کی خیر و عافیت نہایت عزت و احترام سے دریافت کرتا تھا۔ کبھی کبھی وہ باریک سنہری فریم کا چشمہ بھی لگائے ہوتا تھا۔"

یہ درست ہے کہ وہ دفتر سے باہر کبھی کبھی ایسا چشمہ لگاتا تھا لیکن اس چشمے کے ساتھ اس نے کبھی کسی کو اپنی تصویر کھینچنے نہیں دی۔

پولیس والوں کے ساتھ بھی وہ نرمی اور شفقت سے پیش آتا تھا۔ ایک بار ایک نوجوان پولیس آفیسر گاڑی میں اس کی انوکھی سی کیڈلک کے قریب سے گزرا تو اس نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے اور نئے بھرتی ہونے والے نوجوان کو بتایا۔ "یہ الکپون کی گاڑی ہے۔"

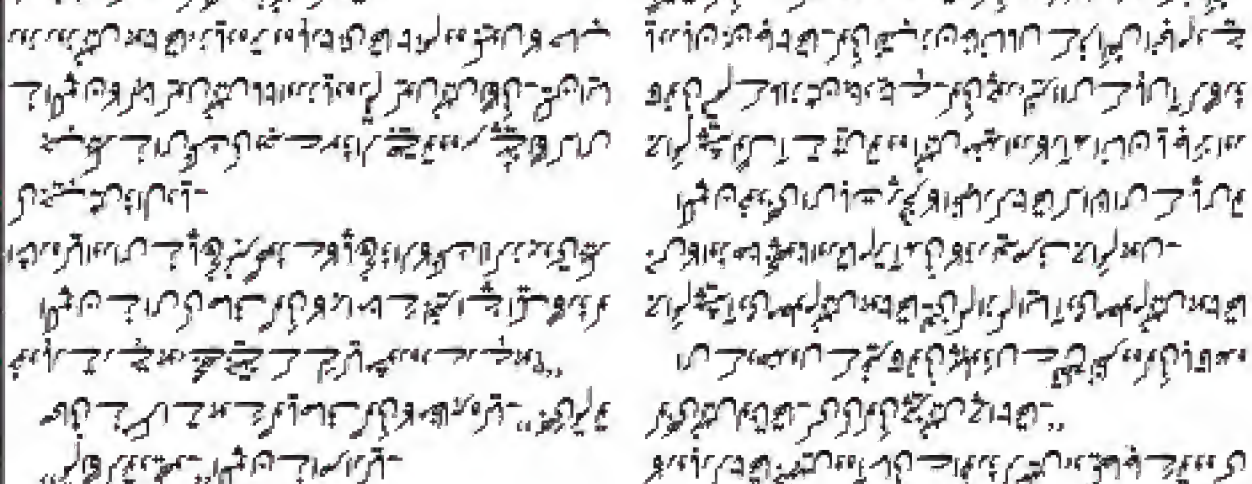

پھر اسے الکپون نظر آ گیا تو اس نے پرجوش انداز میں ہاتھ ہلا کر اونچی آواز میں الکپون کو ہیلو کہا۔ اس آفیسر نے بعد میں اپنے ایک دوست کے سامنے اعتراف کیا۔ "الکپون مجھے ذرا بھی نہیں جانتا تھا لیکن اس نے مشفقانہ اور بزرگانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور جواباً ہاتھ ہلا کر میری خیریت پوچھی۔"

الکپون خاص طور پر ایسے پولیس والوں کی زیادہ عزت کرتا تھا جنہیں خریدا نہیں جا سکتا تھا لیکن عام طور پر وہ ان کا تبادلہ کسی ایسی جگہ کرا دیتا تھا جہاں وہ اس کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکیں۔

وہ کہا کرتا تھا۔ "بہت کم پولیس والے ایسے ہوتے ہیں جنہیں خریدا نہ جا سکے، میرے خیال میں تو پولیس کی ملازمت میں لوگ زیادہ تر آتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ اپنے دام کھرے کر سکیں لیکن جو پولیس والے کسی قیمت پر نہیں بکتے، ان کے ساتھ بس یہی کرنا چاہئے کہ انہیں کسی کونے کھدرے میں بے ضرر سی جگہ پر بٹھا دینا چاہئے جہاں وہ نرمی سے کام کر کے اپنی ڈیوٹی انجام دیتے رہیں اور تنخواہ لیتے رہیں۔ اس طرح وہ بھی تکلیف میں نہیں رہتے اور ہم جیسے لوگ بھی سکھی رہتے ہیں۔"

ایک بار نئے بھرتی ہونے والے نوجوان اور ناتجربہ کار پولیس والوں کی ایک پارٹی کو ٹپ ملی کہ جیل کا ایک مفرور قیدی فلاں جگہ چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے بڑے پرجوش انداز میں وہاں جا کر چھاپہ مار دیا۔ وہ جگہ ایک ایسے گروہ کا ٹھکانہ تھی جو الکپون کے "مال" کا ہول سیل گاہک تھا۔ ایک طرح سے وہ لوگ الکپون کی سرپرستی میں تھے۔

اس ٹھکانے پر مفرور قیدی تو نہیں تھا البتہ اس گروہ کے کئی آدمی موجود تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی موجود تھے۔ انہوں نے پولیس والوں کو دیکھا تو ہتھیار ایک طرف ڈھیر کر دیئے اور غیر مسلح اور معصوم بن کر بیٹھ گئے۔

نئے اور ناتجربہ کار پولیس والوں نے ان سب کو پکڑ کر اسلحے سمیت بڑے فخر سے اپنے کیپٹن کے سامنے پیش کیا۔ ان سب کو شاباشی اور تھپکیاں ملنے کی امید تھی لیکن اس وقت وہ حیران رہ گئے جب کیپٹن نے انتہا آنکھیں نکال کر برہمی سے پوچھا۔ "تم لوگوں کو وہاں چھاپہ مارنے کا حکم کس نے دیا تھا؟"

حکم تو انہیں واقعی کسی نے نہیں دیا تھا لیکن ان کا خیال تھا کہ پولیس والوں کا تو کام ہی ایسی کارروائیاں کرنا تھا اور حکم کے بغیر بھی ایسی کارروائیاں کرنے پر پولیس والوں کو شاباش ہی ملتی تھی۔

"کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ تمہارا تبادلہ کسی ایسی جگہ ہو جائے جہاں تمہارا دیواروں سے سر ٹکرانے کو جی چاہنے لگے؟" کیپٹن نے انہیں مزید ڈانٹا اور جب وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر سر جھکا کر کھڑے ہو گئے تو کیپٹن نے کہا۔ "ان لوگوں کو فوراً چھوڑ دو اور ان کا سامان انہیں واپس کرو، آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا ورنہ تمہارا تبادلہ میں بھی نہیں رکوا سکوں گا۔"

الکپون کی سرپرستی میں رہنے والے اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے اس کے پکے جانثار تھے اور اس کا تذکرہ کرتے وقت خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ الکپون ہر پہلو سے ان کا خیال رکھتا تھا اور اس کی سرپرستی میں رہ کر وہ گویا ہر فکر سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔

اس کا ایک آدمی گروہوں کے باہمی جھگڑے میں زخمی ہو کر اسپتال جا پہنچا تو الکپون نے اس کے علاج کا نہ صرف اسپتال کا پورا بل ادا کیا بلکہ اس کے بعد اسے تنخواہ سمیت چھ ہفتے کی چھٹی دے کر میامی بھیج دیا تاکہ وہ مزید اچھی طرح صحت یاب ہو کر اور تفریح کر کے واپس آئے۔ اس طرح کے حسن سلوک کی وجہ سے اس کے آدمی محض اس کے کارندے نہیں بلکہ بے دام غلام بن کر رہتے تھے اور اس کے اشارے پر جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

کبھی کبھی الکپون اپنے "اقوال زریں" پر خود عمل نہیں کر پاتا تھا۔ مثلاً اس نے اپنے بھائی رالف کو ایک مرتبہ شراب کے نشے میں دھت ہونے پر سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا۔ "احمق! ہم شراب بیچتے ہیں، پیتے نہیں ہیں۔ کم از کم اتنی تو ہرگز نہیں پیتے کہ گرتے پڑتے پھریں۔"

لیکن ایک بار لوگوں نے دیکھا کہ وہ خود نشے میں دھت تھا اور رالف اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ کام اس کے لئے خاصا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

اس کے علاوہ الکپون اکثر لوگوں کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ جس طرح مرد اپنی بیوی سے وفاداری کی توقع رکھتا ہے۔ اسی طرح اسے خود بھی اپنی بیوی کا وفادار رہنا چاہئے۔ اپنی گھریلو زندگی کو ہمیشہ پرسکون رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن وہ خود اپنے ان دانشورانہ افکار پر عمل پیرا نہیں رہ پاتا تھا۔

گو کہ وہ اپنی بیوی سے واقعی بہت محبت کرتا تھا لیکن گاہے گاہے دوسری عورتوں سے مراسم رکھنے سے باز نہیں رہ پاتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے اڈوں پر موجود عورتوں میں سے بھی بعض کے پاس چلا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک عورت کی زلفوں کا تو وہ خاص طور پر مستقل اسیر تھا۔ اس کا نام مارسیل تھا اور وہ نسلاً فرانسیسی تھی۔

الکپون اسے بہت پسند کرتا تھا لیکن وہ خود ایک موسیقار کے عشق میں گرفتار تھی۔ دونوں کے درمیان اچھا خاصا عشق پروان چڑھنے لگا تو ایک بارٹینڈر نے موسیقار کو خبردار کیا۔ "اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ہرگز ایسی حماقت نہ کرتا۔"

"کون سی حماقت.....؟" موسیقار نے سادگی سے پوچھا۔

"جس عورت سے تم عشق کی پینگیں بڑھا رہے ہو، وہ الکپون کی محبوبہ ہے۔" بارٹینڈر نے بتایا۔ موسیقار کی روح فنا ہو گئی۔ اسے یہ بات واقعی معلوم نہیں تھی۔

ویسے الکپون جب فیاضانہ موڈ میں ہوتا تھا تو اس سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ کسی پر مہربان ہوتا تو اپنی محبوبہ بھی اسے "بخش" دیتا۔ بعض بے حد رنگین پارٹیوں میں وہ اپنے ساتھ آئی ہوئی عورت کسی اور للچائے ہوئے آدمی کے سپرد کرنے کی مثالیں قائم کر چکا تھا، شرط صرف یہی تھی کہ اس وقت وہ فیاضی کے موڈ میں ہو۔

تاہم گھر پر وہ واقعی ایک "گھر پرست" مرد دکھائی دیتا تھا۔ اپنی بیوی اور بچے میں مگن ہو کر وقت گزارتا تھا اور تمام گھریلو قسم کے مشاغل میں حصہ لیتا تھا۔ ایک بار ایک رپورٹر اس کے گھر پہنچا تو اس کا نام سن کر الکپون اس عالم میں باہر آیا کہ اس نے گلابی ایپرن باندھا ہوا تھا اور ہاتھ میں ٹماٹو ساس کی بوتل تھی۔ وہ اسپیگیٹی تیار کر رہا تھا۔

اس قسم کے مشاغل میں حصہ لینے کے علاوہ گھر پر وہ آرام سے سلیپر اور گاؤن پہن کر اپنے بیٹے کے ساتھ کھیلتا۔ اس سے بارہ سال چھوٹی اس کی بہن میفلڈا اس پر جان چھڑکتی تھی۔ الکپون نے اسے ایک نہایت مہنگے اسکول میں پڑھنے کیلئے بھیجا ہوا تھا جہاں خاص خاص لوگوں کے بچوں کو ہی داخلہ ملتا تھا۔ کرسمس پر الکپون اس کی کلاس کی تمام لڑکیوں اور ان کی ٹیچرز کے لئے سیکڑوں تحائف بھجواتا۔ میفلڈا اپنی سہیلیوں سے کہا کرتی تھی کہ اس کے بھائی سے اچھا بھائی دنیا میں کسی بہن کا ہو ہی نہیں سکتا۔

(جاری ہے)

جب بھی کسی اخبار میں الکپون کے بارے میں کوئی منفی خبر چھپ جاتی تو میلانڈا بہت غمگین ہو جاتی۔ اسے یقین نہ آتا کہ اس کا بھائی ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی دوستوں سے کہتی۔ ''ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟ میرا بھائی تو اتنا اچھا انسان ہے، وہ دوسروں کے کام آتا ہے۔ کمزور اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ تو ہر ایک کے کام آتا ہے، ہر ایک کا خیال رکھتا

الکپون

ترجمہ: محمود احمد مودی

قسط: 15

ہے، یہ اخبار والے بھی کبھی کبھی کسی کے بارے میں کیسی جھوٹی باتیں لکھ دیتے ہیں۔''

اسی طرح الکپون اپنے چھوٹے بھائی، جان کے لئے بھی ایک مشفق بزرگ کا کردار ادا کرتا حالانکہ جان اس سے صرف دو سال ہی چھوٹا تھا۔ ایک تو الکپون کے رویے میں اپنے چھوٹے بھائی، بہنوں کے لئے بزرگی اور شفقت تھی۔ دوسرے اس کی شخصیت بھی کچھ اس قسم کی تھی کہ وہ اپنی عمر سے کافی بڑا لگتا تھا۔

وہ ابھی صرف اٹھائیس سال کا تھا لیکن اپنی ایک ایمپائر کھڑی کر چکا تھا اور زندگی کے جیسے جیسے تجربوں سے وہ گزر چکا تھا شاید انہی کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ خود بھی اپنے بارے میں کہا کرتا تھا۔ ''مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں اٹھائیس سال کی عمر میں ایک ہزار سال کی زندگی جی چکا ہوں۔''

اس کا چھوٹا بھائی، جان خاصا نکما قسم کا آدمی تھا۔ اس نے زندگی میں ڈھنگ سے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ الکپون اس سے چھوٹے موٹے کام لے کر اسے مصروف رکھنے اور اس کی ذات کو کسی حد تک کارآمد بنائے رکھنے کی کوشش کرتا تھا اور اس پر ناراض نہیں ہوتا تھا۔

انہی دنوں جان ایک کلب میں گانے والی لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ اس نوجوان گلوکارہ کا نام للین تھا۔ کلب بھی الکپون کا اپنا ہی تھا، وہاں موسیقی پیش کرنے والے بینڈ کا انچارج ملٹن نامی ایک موسیقار تھا۔ للین بھی اسی کی ماتحتی میں کام کرتی تھی۔

الکپون کو جان اور للین کے عشق کا پتہ چلا تو اسے بہت غصہ آیا۔ اس کے خیال میں پہلے تو جان ہی اس قابل نہیں تھا کہ وہ کسی سے عشق کرتا۔ الکپون کا کہنا تھا کہ وہ پہلے ہی نکما تھا۔ عشق کے چکر میں پڑ کر اور بھی زیادہ نکما ہو جائے گا۔ اوپر سے اس کے خیال میں للین بھی اس قابل نہیں تھی کہ اس سے عشق کیا جاتا۔

چنانچہ الکپون نے بینڈ کے انچارج ملٹن کو بلایا اور حکم سنا دیا۔ ''للین کو چلتا کرو، وہ اب اس کلب میں مزید نہیں گائے گی اور آئندہ میں یہ بھی نہ سنوں کہ اس کا اور جان کا چکر چل رہا ہے۔''

''یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟'' ملٹن خاصی ناگواری سے بولا۔ ''بڑی مشکل سے تو ہمیں ایک ڈھنگ کی گلوکارہ ملی ہے۔ اس وقت شہر میں اس جیسی گانے والی اور اس جیسی شخصیت کی مالک کوئی اور گلوکارہ نہیں ہے، زیادہ تر لوگ کلب میں اسی کی وجہ سے تو آتے ہیں۔''

''مجھے اس کی پروا نہیں ہے، کلب کی آمدنی کم ہوتی ہے تو ہو جائے لیکن میں نہیں چاہتا کہ جان اس قسم کی لڑکی کے عشق کے چکر میں پڑ کر بالکل ہی ناکارہ ہو جائے۔ تمہیں اس لڑکی کو رخصت کرنا ہوگا ورنہ اس کے ساتھ ساتھ تم بھی جاؤ گے۔'' الکپون نے فیصلہ سنایا۔

''جان اور للین اگر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور میل ملاقات رکھتے ہیں تو یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اس میں ٹانگ نہیں اڑا سکتا۔ میں صرف ان معاملات میں للین سے کچھ کہہ سکتا ہوں جن کا تعلق اس کے کام سے ہو۔'' ملٹن نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا۔

الکپون سے کوئی اس انداز میں بات کرنے اور اس کے حکم کے جواب میں اس طرح کی بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا لیکن مسئلہ صرف یہ تھا کہ شاعروں، موسیقاروں، مصوروں اور اس طرح کے دوسرے فنکاروں کی الکپون جیسے گینگسٹرز بھی عزت کرتے تھے اور ان پر کوئی سختی نہیں کرتے تھے۔ اس طرح کے فنکار اگر کسی گینگسٹر کے پاس ملازم ہوتے تھے تو ان کی حیثیت پسندیدہ پالتو جانور کی سی ہوتی تھی جسے ہلاک نہیں کیا جاتا اور نہ ہی مارا پیٹا جاتا ہے اور پھر ملٹن تو کچھ زیادہ ہی خاص قسم کا فنکار تھا۔

وہ درویش صفت موسیقار تھا۔ اپنے فن کی دنیا میں مگن رہتا تھا۔ اسے دنیاوی معاملات اور مال و متاع سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اسی لئے الکپون جیسا آدمی بھی اس کی کچھ اور عزت کرتا تھا، اسے کوئی گزند پہنچانا گویا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

ملٹن کی بات سن کر الکپون نے ٹھنڈی سانس لی اور گویا خود پر ضبط کرتے ہوئے اپنے مسلح محافظوں سے مخاطب ہوا۔ ''ذرا موسیقی کے اس سنکی پروفیسر کو تو دیکھو، اس بے چارے کو تو شاید احساس بھی نہیں ہے کہ یہ بات کس سے کر رہا ہے۔''

الکپون کے گن مین ہنسنے لگے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشاروں کے ذریعے گویا الکپون سے پوچھنے لگے کہ کیا اس شخص کا کوئی بندوبست کرنا ہے؟ مگر الکپون نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے سے انہیں منع کر دیا۔ ملٹن ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی بات کرنے کے بعد کھوئی کھوئی نظروں سے ہوا میں کسی غیر مرئی چیز کو گھورتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنی داڑھی میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔

تب الکپون نے گویا اپنے غصے کو بھلاتے ہوئے ملٹن کو چھیڑنے کی غرض سے کہا۔ ''ویسے وہ لڑکی تمہاری مہربانی سے اسٹیج پر گا رہی ہے ورنہ اسے گانا وانا کہاں آتا ہے۔''

''دیکھو...... گانے کے بارے میں کوئی رائے مت دینا......'' ملٹن فوراً بھڑک کر بولا۔ ''سالوں سے تم شراب کا دھندا کر رہے ہو، ابھی تک تو تمہیں شراب کی پہچان نہیں ہوئی۔ گانے کے بارے میں بھلا تمہیں کیا علم ہو سکتا ہے؟''

الکپون اور اس کے مسلح محافظ ملٹن کے انداز سے محظوظ ہوتے ہوئے بلند آہنگ قہقہے لگانے لگے۔

یہ مسئلہ تو خیر الکپون نے کسی نہ کسی طرح حل کر لیا لیکن اس سے کہیں زیادہ سنگین دوسرے کئی مسائل اس کے سامنے سر اٹھاتے رہے حالانکہ وہ دور اس کے لئے بہترین ہو سکتا تھا۔ شہر کا مضبوط ترین گروہ اس کے پاس تھا۔ لڑائی بھڑائی کے ماہرین، بہترین نشانے باز، سفاک قاتل بھی اس کے ارد گرد جمع تھے، وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اوپر سے شہر کا میئر گویا اپنا ہی آدمی تھا۔

یوں گویا ہر بات اس کے حق میں تھی مگر وہ اس دور سے کچھ زیادہ لطف اندوز نہ ہو سکا کیونکہ اس سال کے دوران اسے قتل کرنے کی کئی کوششیں کی گئیں اور سال کے آخر میں تو اسے روپوش بھی ہونا پڑا۔

اسے ہلاک کرنے کی کوششیں کرنے والے کئی افراد تو موت کی آغوش میں پہنچ چکے تھے لیکن پھر ایک نیا دشمن جاں گویا خم ٹھونک کر میدان میں آ گیا۔

اس کا نام جوزف ایلو تھا۔ وہ نارتھ سائیڈ کا آدمی تھا۔ وہ کل نو بھائی تھے اور سب کے سب قاتل اور بدمعاش تھے، ان کے علاوہ اس کے بہت سے کزن تھے۔ بنا فیملی کی باقیات بھی اس کے ساتھ تھیں۔ دوسرے لوگ بھی تھے۔ یوں اس کے گروہ میں اچھے خاصے لوگ تھے تاہم زیادہ تعداد اس کے اپنے رشتے داروں ہی کی تھی۔

جوزف ایلو نہ جانے کیوں الکپون کو ختم کرکے اس کی جگہ لینے کا زبردست خواہش مند ہو گیا تھا۔ شکاگو کے اس دور کے گروہوں اور مجرمانہ رجحانات کا تجزیہ کرنے والے ایک محقق کا خیال ہے کہ اس دور میں اکثر ایسے لوگ سامنے آتے رہتے تھے جن کے ہاتھ میں بندوق آ جاتی تھی تو وہ سمجھتے تھے کہ وہ دنیا کے سب سے طاقتور آدمی ہو گئے ہیں۔

وہ لوگ عقل و شعور سے کام لینے کے بجائے اپنی جاہلانہ انا کے کہنے پر چلتے تھے، وہ بعض اوقات کسی خاص سبب کے بغیر ہی کسی کو اپنا دشمن تصور کر لیتے تھے اور پھر اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کیلئے کمربستہ ہو جاتے تھے۔ محقق کے خیال میں برئین کا معاملہ بھی یہی تھا ورنہ صحیح معنوں میں الکپون سے اس کی کوئی خاص دشمنی نہیں ہونی چاہئے تھی لیکن وہ اپنی بیمار انا کی رہنمائی میں چلتے ہوئے آخرکار الکپون سے ٹکرا کر فنا ہو گیا۔

جوزف ایلو کا بھی اصل اور بڑا دھندا غیر قانونی شراب ہی کا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شراب تیار کرنے والوں کو اس کے کچھ اجزائے ترکیبی بھی فروخت کرتا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ لمبارڈو کے ساتھ بھی بزنس کرتا تھا جو ایک طرح سے الکپون کا دوست تھا اور جسے الکپون نے بڑی کوشش کرکے اصل مافیائی فیملی کا سربراہ بنوایا تھا۔

جوزف ایلو نے اپنے دھندوں میں اچھی خاصی دولت کمائی تھی۔ ان دھندوں کے علاوہ اس کی فیملی کی ایک مین روڈ پر بہت بڑی بیکری بھی تھی۔ جوزف ایلو تین منزلہ حویلی نما مکان میں رہتا تھا جو اس نے خود بنوایا تھا۔

لمبارڈو کے ساتھ جوزف ایلو زیادہ عرصے کاروبار جاری نہ رکھ سکا۔ جب سے لمبارڈو مافیا فیملی کا سربراہ بنا تھا، تب سے جوزف کے دل میں اس کے بارے میں بھی کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ مافیا فیملی جو ''یونین'' کہلاتی تھی، جوزف اپنے آپ کو اس کا سربراہ بننے کا زیادہ اہل سمجھتا تھا۔

آخرکار اس کا لمبارڈو سے جھگڑا ہو ہی گیا۔ اس نے اس کے ساتھ کاروبار ختم کر دیا اور تعلقات بھی منقطع کر لئے لیکن اسے زیادہ غصہ الکپون پر تھا جس نے لمبارڈو کو ''یونین'' کا سربراہ بنوایا تھا۔ جب جوزف ایلو نے محسوس کیا کہ وہ الکپون سے ٹکر لینے کے قابل ہو گیا ہے تو وہ اس کے پیچھے لگ گیا۔

لٹل اٹلی کے علاقے میں لٹل اٹلی ہی کے نام سے ایک بہت اچھا ریسٹورنٹ بھی تھا جو الکپون کا پسندیدہ تھا۔ الکپون اکثر وہاں کھانا کھانے آتا تھا۔ جوزف ایلو نے اس کے خانساماں کو دس ہزار ڈالر کی پیش کش کی اور اس سے فرمائش کی کہ وہ الکپون کے کھانے میں زہر ملا دے۔

خانساماں نے جا کر یہ بات الکپون کو بتا دی۔ خلاف توقع الکپون کو غصہ بعد میں آیا۔ پہلے وہ یہ بات سن کر رنجیدہ ہو گیا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''اگر مجھے پتہ ہوتا کہ شکاگو میں میرے ساتھ کیا کچھ ہوگا تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔ میں نیویارک ہی میں رہتا اور اپنے نوجوانوں کے چھوٹے سے گروہ میں ہی شامل رہ کر ہنسی خوشی وقت گزارتا۔''

جوزف ایلو نے اس کے بعد انڈر ورلڈ میں اعلان کیا کہ کوئی بھی گن مین جو الکپون کو قتل کرے، وہ آ کر اس سے پچاس ہزار ڈالر انعام لے سکتا ہے۔

مئی 1927ء میں چار قاتل اس سلسلے میں قسمت آزمائی کرنے اور یہ مہم سر کرنے کے لئے آئے۔ ان میں سے ایک نیویارک اور ایک کلیولینڈ سے آیا تھا جبکہ دو سینٹ لوئس سے آئے تھے۔ ان بے چاروں کو نہیں معلوم تھا کہ شہر میں الکپون کی اپنی انٹیلی جنس کا جال بچھا ہوا تھا۔

تقریباً ہر ویٹر، بکی، دلال، ٹیکسی ڈرائیور، اخبار فروش، چور اچکا، جعل ساز حتیٰ کہ بیشتر پولیس والے بھی اس کے مخبر تھے۔ چاروں قاتلوں نے ابھی شہر میں قدم ہی رکھا تھا کہ الکپون کو ان کے بارے میں خبر مل گئی اور وہ مختلف مقامات پر مردہ پائے گئے۔

نیویارک سے آنے والے کا نام انٹونیو تھا۔ اس کی لاش 25 مئی 1927ء کو ایک فٹ پاتھ پر پائی گئی، اس کے جسم میں پانچ گولیاں پیوست تھیں۔ تین دن بعد جوزف ایلو کی فیملی کی بیکری پر مشین گن سے فائرنگ ہوئی۔ بیکری پر کم و بیش دو سو گولیاں چلائی گئیں۔ بیکری کا ایک ملازم اور جوزف ایلو کا ایک بھائی زخمی ہوا۔

الکپون کو قتل کرنے کی مہم سر کرنے کی نیت سے آنے والے باقی تین قاتلوں کی لاشیں بھی یکے بعد دیگرے خاصے عبرت ناک انداز میں مختلف جگہوں پر پائی گئیں۔

جوزف ایلو کا جب بیرون شہر سے قاتل بلانے کا تجربہ ناکام ہو گیا تو اس نے جنا فیملی کے پرانے اور تجربہ کار قاتلوں کو آزمانے کا فیصلہ کیا لیکن اس تجربے کا بھی وہی نتیجہ نکلا۔ الکپون کی لاش دیکھنے کی جوزف کی حسرت تو پوری نہیں ہو سکی البتہ اسے پورے موسم گرما کے دوران دس لاشیں اٹھوانی پڑ گئیں۔

ان میں سے بعض لاشوں کی مٹھی میں ایک سکہ دبا ہوا پایا گیا جسے ''نکل'' کہا جاتا ہے۔ اس بات کی زیادہ مصدقہ شہادتیں تو نہیں ملتیں لیکن جن دنوں لاشیں مل رہی تھیں، ان دنوں کافی زور و شور سے یہ تذکرہ سننے میں آ رہا تھا کہ بعض لاشوں کے ہاتھ میں نکل کا سکہ دبا ہوا تھا۔

شاید یہ افواہ جیک عرف مشین گن کی وجہ سے پھیلی ہو۔ جیک عرف مشین گن کو ''مشین گن جیک'' بھی کہا جاتا تھا۔ الکپون کے پاس جو بندوق باز اور قاتل موجود تھے، وہ ان میں سے ''مشین گن جیک'' کو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ جو لوگ الکپون کو قتل کرنے کی نیت سے نکلے تھے اور خود قتل ہو گئے تھے، ان میں سے زیادہ تر کے بارے میں یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ مشین گن جیک کے ہاتھوں اس انجام کو پہنچے تھے اور مشین گن جیک کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ جسے قتل کرتا تھا، اس کی مٹھی میں نکل کا سکہ دبا دیتا تھا۔ اس کے پیچھے بھی ایک کہانی تھی اور وہ مشین گن جیک کی اپنی کہانی تھی۔

مشین گن جیک ظاہر ہے اس کا اصلی نام نہیں تھا لیکن اس کے دوسرے دو نام جو اصلی سمجھے جاتے تھے، درحقیقت وہ بھی اصل نہیں تھے۔ اس کا اصل نام شاید کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔

بہرحال بعض شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جب وہ ایک سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ سسلی سے امریکا آیا تو اس کا نام ونزو تھا۔ اس کے باپ کا نام ٹامس اور ماں کا جوزفین تھا۔ ٹامس اور جوزفین اپنے ایک سالہ بچے ونزو کے ساتھ نیویارک کے علاقے بروکلین میں آ کر آباد ہوئے تھے۔

ونزو ابھی کمسن ہی تھا کہ اس کے باپ کو آئرش بدمعاشوں کے ایک گروہ نے گولیوں سے اڑا دیا۔ آئرش بدمعاش وائٹ ہینڈرز کہلاتے تھے۔ ونزو کے باپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ کسی اور کے دھوکے میں مارا گیا تھا جس سے اس کی شکل کافی ملتی تھی۔

ٹامس اس وقت اپنے جوتے پالش کرا رہا تھا جب اسے گولیوں سے اڑایا گیا۔ اس کے جوتے پالش ہوئے ہی تھے اور اس نے جوتے پالش کرنے والے بچے کو معاوضہ اور ٹپ دینے کے لئے نکل کے تین سکے نکالے تھے جو اس کے ہاتھ میں ہی رہ گئے اور وہ بے قصور موت کے منہ میں چلا گیا۔

ونزو نوجوانی کے دور میں داخل ہو چکا تھا جب اس کی ماں نے ڈیموری نامی ایک دکان دار سے شادی کر لی اور شکاگو آ گئی۔ ونزو کو باکسنگ کا شوق تھا۔ شوقیہ طور پر باکسنگ کرتے کرتے وہ ویلٹر ویٹ باکسر بن گیا تاہم جب اس نے باقاعدہ پیشہ ور باکسر بننے کی کوشش کی تو اسے کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

اس کے منیجر نے اس کا نام جیک رکھا تھا۔ کچھ عرصے بعد اسی منیجر نے جیک کو باکسنگ چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ جیک میں اپنے سے زیادہ طاقتور باکسرز کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہیں تھا۔

ممکن ہے باکسنگ کے رنگ کے اندر کی حد تک منیجر کا یہ مشاہدہ درست ہو لیکن رنگ سے باہر کی دنیا میں جیک بالکل نڈر، بے خوف اور حوصلہ مند معلوم ہوتا تھا۔ وہ کسی سے بھی ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا تھا۔

اس دوران اس نے نشانے بازی کی مشق شروع کر دی تھی۔ بہت کم عرصے میں وہ زبردست بندوق باز بن گیا۔ انیس سال کی عمر میں وہ دوبارہ بروکلین آیا اور اس نے ان دونوں آئرش بدمعاشوں کو قتل کر دیا جنہوں نے اس کے باپ کو گولیوں سے اڑایا تھا۔ اس کام میں ایک تیسرا آئرش بھی شریک تھا۔ جیک نے اسے بھی گولیاں ماری تھیں اور اپنی دانست میں اسے بھی ہلاک کر دیا تھا لیکن وہ بچ گیا تھا۔

جیک نے ان تینوں کے ہاتھ میں نکل کا ایک ایک سکہ رکھ دیا تھا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس طرح وہ کیا ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اس کے اپنے باپ کے ہاتھ میں مرتے وقت تین سکے تھے شاید جیک قاتلوں سے تعلق رکھنے والوں کو اس واقعے کی یاد دلانا چاہتا تھا یا پھر شاید وہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کی نظر میں ان قاتلوں کی یہ ''اوقات'' تھی۔ اس کا مقصد خواہ کچھ بھی رہا ہو لیکن انڈر ورلڈ میں بہرحال یہ مشہور ہو گیا کہ جیک جسے قتل کرتا ہے، اس کی مٹھی میں نکل کا سکہ دبا دیتا ہے۔

1923ء میں اس کے سوتیلے باپ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ یہ قتل غلطی سے نہیں ہوا تھا۔ اس کے باپ کا جنا برادرز سے کچھ تعلق استوار ہو گیا تھا اور وہ گروہی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ جیک نے اپنے سوتیلے باپ کے قاتلوں کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس نے انہیں بھی موت کے گھاٹ اتار کر چھوڑا۔

اس دوران وہ الکپون اور جان ٹوریو کے گروہ میں شامل ہو چکا تھا اور اپنا نام بھی بدل چکا تھا۔ اٹلی اور سسلی سے تعلق رکھنے والے انڈر ورلڈ کے اکثر لوگ اپنے نام بدلتے رہتے تھے۔ اپنی دانست میں اس طرح ایک تو وہ پولیس کو الجھن میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ دوسرے اپنے اصل خاندانی نام کو بدنامی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کے یہ مقاصد پورے ہوتے تھے یا نہیں، بہرحال وہ اپنی سی کوشش کرتے تھے۔

ونزو کے ساتھ جو نام سب سے زیادہ چپک کر رہ گیا، وہ ''مشین گن جیک'' تھا حالانکہ حقیقت یہ تھی وہ کسی کو قتل کرنے کے سلسلے میں پستول کو ترجیح دیتا تھا تاہم وہ مشین گن کے استعمال میں بھی بے حد ماہر تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ کم از کم بائیس قتل کر چکا تھا جبکہ وہ ابھی نوجوان ہی تھا۔

الکپون اسے بہت پسند کرتا تھا۔ وہ نہایت خوش شکل بھی تھا۔ صرف اس کی ناک ذرا بدوضع تھی شاید باکسنگ کے کسی مقابلے میں اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور دوبارہ صحیح طور پر نہیں جڑ سکی تھی۔ اگر اس کی ناک ایسی نہ ہوتی تو اس کا چہرہ بجا طور پر کسی خوبصورت یونانی دیوتا کا چہرہ معلوم ہوتا۔

وہ صرف ایک ماہر بندوق باز اور خطرناک قاتل ہی نہیں تھا، اس میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ اس کا جسم کھلاڑیوں کی طرح ورزشی اور خوبصورت تھا۔ وہ کئی طرح کے رقص میں بے پناہ ماہر تھا اور ڈانس فلور پر اپنی غیر معمولی پھرتی اور مہارت سے حاضرین کو حیران کر دیتا تھا۔

گولف کا ماہر کھلاڑی تھا۔ ٹورنامنٹ جیت لیتا تھا۔ کسی ریڈ انڈین سے زیادہ ماہر گھڑ سوار تھا۔ وہ جس کھیل کی طرف بھی متوجہ ہوتا تھا، اس میں بہت جلد بے پناہ مہارت حاصل کر لیتا تھا۔

اس کی شادی کی تصویر کھینچنے والے فوٹوگرافر کا کہنا تھا۔ ''وہ ایک پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ اسے دیکھنے والے کو اگر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ درحقیقت کون ہے۔ کیا ہے تو وہ اسے دوست بنانے کی آرزو محسوس کرنے لگتا تھا۔''

پولیس کے سراغ رسانوں کے نئے چیف ولیم کوزر نے اعلیٰ افسروں کو قائل کرکے ایک مہم چلائی تھی کہ جن لوگوں کو بہت سے انسانوں کا قاتل سمجھا جاتا تھا اور جو بوجوہ اپنے جرائم کی سزا نہیں پا سکے تھے، ان کا نفسیاتی تجزیہ کرکے دیکھا جائے کہ یہ لوگ نفسیاتی مریض تو نہیں تھے؟ ان کے دماغوں میں کہیں نفسیاتی گرہیں، پیچیدگیاں یا کجی تو موجود نہیں تھی؟

ولیم کوزر کسی نہ کسی طرح کئی پیشہ ور قاتلوں کو گھیر گھار کر ان کا نفسیاتی تجزیہ کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ مشین گن جیک کا تجزیہ کرنے والی خاتون ماہر نفسیات نے رپورٹ دی۔ ''اس شخص کے ذہن میں کہیں نہ کہیں کوئی ٹیڑھا پن موجود ضرور ہے لیکن اس کی وضاحت مشکل ہے۔''

ایک پولیس آفیسر جو اس تجزیے کے دوران موجود رہا تھا، اس نے بعد میں رائے دی تھی۔ ''یہ نوجوان اگر فی الحال پاگل نہیں ہے تو آگے چل کر کبھی نہ کبھی پاگل ضرور ہو جائے گا۔''

بہرحال اس ساری مشق اور تگ و دو کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا اور کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ سنا ہے مشہور زمانہ قاتل جیک دی رپر اور اس قبیل کے دوسرے مجرموں کے بھی اپنے اپنے دور میں نفسیاتی تجزیے ہوئے تھے لیکن ان کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ بعض ماہرین نفسیات نے تو ان لوگوں کو دماغی طور پر بالکل صحت مند بھی قرار دے دیا تھا۔

درحقیقت ولیم کوزر کو جوزف ایلو کا بھی نفسیاتی تجزیہ کرانا چاہئے تھا جسے نہ جانے کیوں الکپون کو منظر سے ہٹا کر خود اس کی جگہ لینے کی سنک چڑھ گئی تھی۔

ایک بار پولیس کو ایک گمنام ذریعے سے ٹپ ملی کہ راجر پارک کے علاقے میں ایک فلیٹ میں کچھ مشکوک سرگرمیاں جاری ہیں۔ پولیس نے وہاں چھاپہ مارا تو بہت سے اسلحے اور ڈائنامائٹ کے ساتھ تین آدمی پکڑے گئے، تینوں جوزف ایلو کے آدمی تھے۔

ان میں سے ایک آدمی کی جیب سے ایک فلیٹ کے کرائے کی رسید برآمد ہوئی۔ اس فلیٹ پر بھی چھاپہ مارا گیا۔ فلیٹ خالی تھا لیکن اس میں کھڑکی کے قریب اسٹینڈ پر ایک مشین گن فٹ تھی۔ اس فلیٹ کے عین سامنے ایک ریسٹورنٹ تھا جس کا مالک ایک نیم سیاسی شخصیت تھا۔ اس ریسٹورنٹ میں الکپون اکثر رات کا کھانا کھانے آتا تھا اور اس نیم سیاسی شخصیت سے گپ شپ بھی کرتا تھا کیونکہ اس سے اس کی دوستی تھی۔

صفحہ نمبر......2

چنانچہ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ فلیٹ کی کھڑکی کے قریب مشین گن کس لئے فٹ تھی۔ جوزف ایلو کے تینوں آدمیوں کو پولیس اسٹیشن کے تہہ خانے میں لے جایا گیا اور خوب "رگڑا" دیا گیا کیونکہ پولیس میں الکپون کے نمک خوار بڑی تعداد میں موجود تھے۔

جوزف ایلو کے آدمیوں نے اُگل دیا کہ انہیں کس نے کس خاص مہم

پر لگایا ہوا تھا۔ چنانچہ پولیس نے جوزف ایلو کو بھی اس کے ٹھکانے سے اٹھوالیا۔ اسے بھی پولیس اسٹیشن کے تہہ خانے میں لایا گیا جہاں ملزموں سے ذرا "خاص" انداز میں پوچھ گچھ کی جاتی تھی۔

باہر گویا کوئی پراسرار اور نادیدہ مشینری کام کررہی تھی۔ جوزف ایلو کو پولیس اسٹیشن کے تہہ خانے میں پہنچے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ مسلح آدمیوں سے بھری ہوئی چھ کاریں پولیس اسٹیشن آپہنچیں اور مسلح آدمیوں نے خاموشی سے پولیس اسٹیشن کو گھیرے میں لے لیا۔

تہہ خانے کی کھڑکیاں سڑک کی سطح پر تھیں۔ ان کھڑکیوں سے پولیس والوں نے کاروں کو آکر رکتے اور پراسرار انداز میں ادھر ادھر نقل وحرکت کرتے بھی دیکھا لیکن موٹے دماغ کے پولیس والوں نے یہی سمجھا کہ شاید سی آئی ڈی والے ان کی مدد کے لئے آئے ہیں چنانچہ جب تہہ خانے کے دروازے پر دستک ہوئی تو ایک پولیس والے نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

تین آدمی مشین گنیں لئے اندر آگئے۔ وہ سیدھے جوزف ایلو کے پاس آئے اور اسے گھیرے میں لے کر کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے ایک تو پلکیں جھپکائے بغیر جوزف ایلو کو گھور رہا تھا، ان کے چہروں پر اور آنکھوں میں اتنی خونخواری تھی کہ جوزف کی گھگھی بندھ گئی۔ اس نے شاید کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ الکپون کے آدمی اس طرح مشین گنیں لے کر کسی پولیس اسٹیشن پر "چڑھائی" بھی کرسکتے ہیں اور وہ بھی اس وقت جب وہ خود پولیس والوں کے چنگل میں چوہے کی طرح پھنسا ہوا ہوگا۔

خود پولیس والوں کو بھی الکپون کے آدمیوں سے اس حد تک جرأت کی توقع نہیں تھی۔ وہ بھی قدرے نروس ہوگئے اور صحیح طور پر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ بہرحال انہوں نے دکھاوے کی حد تک ڈانٹ ڈپٹ کر الکپون کے آدمیوں کو بھگادیا۔

تینوں آدمی باہر چلے گئے اور تہہ خانے کی کھڑکیوں سے ان کی گاڑیاں اور ان کے ساتھی بھی نظر آنا بند ہوگئے لیکن خود پولیس والے بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ سچ مچ چلے گئے تھے یا نہیں؟ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ پوزیشن بدل کر آس پاس ہی کہیں چھپے ہوئے ہوں۔ بہرحال صرف تین آدمی اندر آکر جوزف ایلو کو جتنا "ڈوز" دے گئے تھے۔ اس کے لئے وہی کافی تھا۔ وہ لوگ جاتے جاتے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک خاموش پیغام بھی دے گئے تھے۔ موت کا پیغام......!

پولیس کے لئے یہ سب کچھ ایک دردِ سر تھا اور وہ اپنا دردِ سر کم کرنے کے طریقے تلاش کرتی تھی۔ اس وقت بھی انہیں ایک شارٹ کٹ کی تلاش تھی۔

تفتیشی افسر نے جوزف ایلو سے مذاکرات شروع کئے۔ "اب تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔ ہمارے پاس تمہارے خلاف جو ثبوت موجود ہیں، ان میں سے صرف تازہ ترین ہی ایسے ہیں کہ تم کم از کم تین چار سال کے لئے جیل چلے جاؤ گے اور جب تم جیل سے نکلو گے تو الکپون کے آدمی تمہارے "استقبال" کے لئے باہر تمہارے منتظر ہوں گے۔"

جوزف ایلو کی ساری اکڑفوں ہوا ہوگئی تھی اور وہ اس وقت دہشت زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ تفتیشی افسر نے اپنے الفاظ کا اثر دیکھنے کے بعد ایک لمحے کے توقف سے بات آگے بڑھائی۔ "دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم تمہیں فی الحال چھوڑ دیں، اس صورت میں شاید تمہیں صبح کا سورج دیکھنا نصیب نہ ہو۔"

جوزف ایلو کے چہرے پر دہشت زدگی کے تاثرات کچھ اور گہرے ہوگئے۔ شاید اب وہ دل ہی دل میں اپنی اس حماقت پر پچھتا رہا تھا کہ اس نے الکپون کی طاقت کا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔

آخر وہ کچھ ہمت کرتے ہوئے تھوک نگل کر بولا۔ "تم ہی بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے مجھے تم کو مشورے نہیں دینے چاہئیں لیکن تمہیں بھی معلوم ہے کہ ہم لوگ خواہ مخواہ کے دردِ سر مول نہیں لینا چاہتے اس لئے میں تمہیں مشورہ دے رہا ہوں کہ تم فوراً شہر چھوڑ کر یہاں سے کہیں دور چلے جاؤ۔" تفتیشی افسر نے اطمینان سے کہا۔

خلافِ توقع جوزف فوراً ہی مان گیا لیکن خوف اس معاملے میں بھی اس کے پاؤں کی زنجیر بنا ہوا تھا۔ وہ بولا۔ "اگر میں نے اپنے طور پر جانے کی کوشش کی تو شاید مجھے شہر سے نکلنا نصیب نہ ہو۔"

"میں تمہاری یہ مدد کرسکتا ہوں کہ جہاں تک تم کہو، وہاں تک تمہیں پولیس کی حفاظت میں پہنچا سکتا ہوں۔" تفتیشی افسر نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ شاید وہ اسے ہی غنیمت سمجھ رہا تھا کہ شہر میں کم از کم ایک گروہ تو کم ہوجائے گا۔

اس کی پیش کش پر جوزف ایلو کی باچھیں کھل گئیں۔ یوں پولیس کی حفاظت میں جوزف ایلو کے شکاگو سے رخصت ہونے کا "معاہدہ" طے پا گیا۔ جوزف ایلو کی ضمانت ہوگئی اور دوسرے روز اس کے وکیل نے عدالت میں اس کی طرف سے درخواست پیش کی کہ اسے نروس بریک ڈاؤن ہوگیا ہے اس لئے وہ عدالت میں پیش ہونے سے قاصر ہے۔

درحقیقت اسے رات کی تاریکی میں پولیس نے اپنی حفاظت میں اس کی بیوی اور بچے سمیت شہر سے نکال دیا۔ اس کے گروہ کے خاص خاص لوگ بھی غائب ہوگئے۔

جب جوزف ایلو کے غائب ہونے کی تصدیق ہوگئی تو الکپون نے اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔ "بھئی میں تو ہر ایک سے امن اور صلح کی بات کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں لیکن مجھے بہرحال اپنی جان کی حفاظت بھی کرنی ہے، اگر کوئی مجھ پر حملہ کرے گا تو میں جواب ضرور دوں گا۔ میں بہرحال پرانے وقتوں کا وہ سادھو سنت نہیں ہوں کہ کوئی میرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو میں دوسرا گال بھی آگے کردوں۔"

کچھ عرصے بعد جوزف کا ایک بھائی ڈومینک شہر میں دکھائی دیا۔ الکپون نے فوراً اسے پیغام بھجوایا کہ وہ شہر میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ اپنی اس وارننگ کو زیادہ موثر بنانے کیلئے اس نے اسی رات اس کی خاندانی بیکری پر ایک بار پھر فائرنگ کرائی۔ بیکری کو ان دنوں جوزف کی فیملی کے پرانے ملازم چلا رہے تھے۔ پہلی بار فائرنگ ہونے پر بیکری کا کاروبار کافی متاثر ہوا تھا۔ اب دوبارہ فائرنگ ہوئی تو کاروبار کچھ اور ٹھنڈا ہوگیا۔ ڈومینک دوبارہ غائب ہوگیا۔

الکپون نے اخبار نویسوں کے سامنے ایک نائٹ کلب میں کہا۔ "اس شہر کا باس میں ہوں اور یہاں وہی ہوگا، جو میں چاہوں گا۔ مجھے یہاں سے کوئی نہیں بھگا سکتا۔ مجھے بھگانے کی کوشش کرنے والوں کو خود یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔ آپ لوگوں نے دیکھا ہی ہوگا کہ مجھے ختم کرنے اور یہاں سے بھگانے کی کتنی کوششیں ہوئیں لیکن آپ لوگ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میں خوش وخرم، ہٹا کٹا یہیں موجود ہوں اور مجھے بھگانے کی کوششیں کرنے والے کہاں ہیں، یہ شاید کوئی بھی نہیں جانتا۔"

شاید قدرت کو اس کی یہ لاف زنی پسند نہیں آئی، شاید ان باتوں میں تکبر کا کوئی پہلو تھا۔ سال کے اختتام تک حالات پلٹا کھانے لگے۔ الکپون پر سختی ان لوگوں کی طرف سے آئی جن کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی اس کے خلاف ہوسکتے ہیں اور آنکھیں ماتھے پر رکھ سکتے ہیں لیکن شاید قدرت کا نظام ہی کچھ ایسا ہے۔ قدرت جب کسی پر گرفت کرنا چاہتی ہے تو ایسے بہانے بن جاتے ہیں، جن کے بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ باتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں، جن کا اسے دور دور تک گمان بھی نہیں ہوتا اور جن کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا۔

سال کے اختتام تک سیاست عجیب کروٹیں لے رہی تھی۔ شکاگو کا میئر تھامسن جو عملی طور پر گویا الکپون کی جیب میں تھا۔ ملکی سطح پر سیاست میں حصہ لینے کے عزائم دل میں پال رہا تھا۔ اس کی نظر صدارتی انتخابات پر تھی لیکن اسے احساس تھا کہ میئر کے طور پر وہ اپنی کچھ اچھی شہرت نہیں بنا سکا تھا۔ کہنے کو وہ شہر کا میئر تھا لیکن عام تاثر تھا کہ شہر کا حکمراں تو الکپون تھا۔

اسے اندیشہ تھا کہ اس کی ری پبلکن پارٹی اسی بناء پر اسے صدارت کیلئے نامزد نہیں کرے گی۔ اس کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا کہ اگر اسے سیاست کے بلند درجوں تک پہنچنا ہے تو اسے الکپون سے جان چھڑانی ہوگی۔ شکاگو کو الکپون سے نجات دلانی ہوگی۔ اسے شہر سے کہیں دور دھکیلنا ہوگا اور اپنے بارے میں اس تاثر کو بدلنا ہوگا کہ اس نے شہر کو الکپون جیسے جرائم پیشہ کے ہاتھوں میں کھلونا بنا رکھا ہے۔

جوزف ایلو والے واقعے کے بعد یہ تاثر اور بڑھ گیا تھا کیونکہ اس واقعے کے بارے میں اخباروں میں بڑی بڑی سرخیاں لگی تھیں۔ ان خبروں سے کچھ ایسا تاثر بنتا تھا جیسے شہر میں تھامسن بے چارے کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی، جو کچھ بھی تھا بس الکپون ہی تھا، وہ جو چاہتا تھا، کر گزرتا تھا۔

تھامسن نے اب اس تاثر کو یکسر تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے سب سے پہلے پولیس چیف کو تبدیل کیا۔ وہ مائیک ہیوز کو نئے پولیس چیف کے طور پر لے آیا۔ جب میئر کی نگاہیں بدل گئیں، پولیس چیف بدل گیا تو الکپون کیلئے گویا دنیا ہی بدل گئی۔

نئے پولیس چیف مائیک ہیوز نے الکپون کو صاف اور دوٹوک الفاظ میں پیغام دے دیا کہ اسے شہر چھوڑنا ہوگا۔ الکپون خوش فہمیوں کی دنیا میں رہنے والا آدمی نہیں تھا، وہ حقیقت پسند تھا۔ اس نے فضا میں تبدیلی محسوس کرلی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ پولیس اور انتظامیہ کو ہمیشہ خرید کر نہیں رکھا جاسکتا، وہ لوگ جب چاہیں آنکھیں بدل سکتے ہیں اور اصل طاقت پولیس اور انتظامیہ ہی کے پاس ہوتی ہے، بدمعاش خواہ کتنے ہی طاقتور ہوجائیں، حکومت سے ٹکر بہرحال نہیں لے سکتے۔ پولیس، انتظامیہ اور حکومت اپنی مصلحتوں کی بناء پر جب تک کسی کو ڈھیل دینا چاہے، دے سکتی ہے لیکن کسی بھی وجہ سے جب وہ اپنی طاقت دکھانے پر تل جائے تو پھر غیر سرکاری لوگوں کا، خواہ وہ کتنے ہی طاقتور گروہوں کی شکل میں ہوں، اس کے سامنے ٹھہرنا ممکن نہیں ہوتا۔

الکپون نے جوش کے بجائے ہوش سے کام لیا۔ اس نے اپنی طاقت کو حکومتی طاقت سے ٹکرا کرفنا کرنے کے بجائے پسپائی اختیار کرنا بہتر سمجھا۔ جوزف ایلو کو شہر بدر کرنے کے ٹھیک دو ماہ بعد اس نے خود اپنے بارے میں اعلان کیا۔ "میں کل ریاست فلوریڈا کے شہر سینٹ پیٹر برگ جارہا ہوں، وہاں میری کچھ جائیداد ہے۔ مجھے وہ فروخت کرنی ہے لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں واپس بھی آؤں گا یا نہیں۔ بہرحال تعطیلات تو میں ساری کی ساری وہیں گزاروں گا۔ اس کے بعد واپسی کے بارے میں سوچوں گا۔"

دوسری طرف پولیس چیف مائیک ہیوز نے اپنے لوگوں کے حلقے میں بیٹھ کر الکپون کے بارے میں اطمینان سے کہہ دیا۔ "وہ واپس نہیں آئے گا۔"

الکپون نے پریس کے لوگوں کو اپنے میٹروپول والے آفس میں مدعو کیا۔ وہ آٹھ دن کے لئے شکار پر گیا ہوا تھا۔ اسی روز واپس آیا تھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور وہ ابھی شکاری کے لباس میں تھا۔ وہ اپنے تین آدمیوں کے ساتھ شکار پر گیا تھا۔

اس نے بات چیت شروع کرتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں شکاگو اور گردونواح کے لوگ اپنے لئے جائز اور قانونی شراب حاصل کرنے کا کوئی شریفانہ انتظام کرلیں۔ میں تو انہیں تفریح کے سستے ذرائع فراہم کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اب ان کاموں سے میرا دل بھر گیا ہے۔ ان کاموں کا انسان کو کوئی اچھا صلہ نہیں ملتا۔ آپ لوگوں کو خوشیاں دیتے ہیں۔ بدلے میں آپ کو دکھ اور پریشانیاں ملتی ہیں۔"

"آخر آپ نے ایسا کیا کیا ہے جو آپ کو شہر چھوڑنا پڑ رہا ہے؟" ایک رپورٹر نے پوچھ ہی لیا۔

"میں نے تو کبھی ایسا کوئی کام نہیں کیا۔" وہ ہلا تامل بولا۔ "آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے مجھے کبھی کسی جرم میں سزا نہیں ہوئی۔"

پھر اس کی مخصوص ڈھٹائی عود کر آئی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے بولا۔ "اور نہ ہی میں نے کبھی کسی اور کو کوئی جرم کرنے کا حکم دیا ہے یا کوئی غیر قانونی کام کرنے کی ہدایت کی ہے۔ درحقیقت میرا جرائم کی دنیا سے کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ میں کوئی فرشتہ صفت آدمی ہوں یا میں نے پتھر کے بت کی طرح زندگی گزاری ہے لیکن یہ بھی بہرحال طے ہے کہ میں نے کبھی کوئی قتل نہیں کیا اور نہ ہی کسی کے ذریعے کرایا ہے۔ میں نے تو کبھی زندگی میں کسی کو تھپڑ بھی نہیں مارا۔"

تاہم پھر وہ قدرے حقیقت بیانی کی طرف آیا۔ "میرے ملازموں نے کبھی کسی راہ گیر کو نہیں لوٹا۔ کبھی کسی کے گھر میں ڈاکا نہیں ڈالا۔ ہوسکتا ہے میرے پاس آنے سے پہلے وہ چور، ڈاکو رہے ہوں یا میرے ہاں سے جانے کے بعد بن گئے ہوں لیکن جتنا عرصہ وہ میرے پاس رہے ہوں گے، اتنا عرصہ انہوں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی ہوگی، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو میں نے شاید بہت سے چور، اُچکوں اور لٹیروں کو باعزت ملازمتیں فراہم کیں اور انہیں معاشرے کا ایک مفید فرد بنایا لیکن اس کا مجھے کیا صلہ ملا......؟ بدنامی، ذلت، برے برے القابات......! مجھے قاتل کہا گیا "اسکار فیس" کا لقب دیا گیا۔ اخباروں میں میرے بارے میں نہ جانے کیا کیا چھپتا رہا۔"

اس نے اذیت زدہ سی نظروں سے سب کی طرف دیکھا اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔ "میں تو یہ سب کچھ برداشت کرتا رہا ہوں لیکن میری والدہ اور میری فیملی ان باتوں سے جتنی اذیت اٹھاتی رہی ہے، اس کا کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔ وہ لوگ سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ کیا واقعی میں اتنا ہی بڑا مجرم ہوں؟ ان کے لئے اب یہ اذیت ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے اور میں خود بھی ان باتوں سے عاجز آگیا ہوں۔"

پھر اس نے اخبار نویسوں کے سامنے اعتراف کرلیا کہ بعض حلقوں میں تو اسے وحشی، درندہ اور گوریلا جیسے القابات سے یاد کیا جاتا تھا۔

"معلوم نہیں کیوں بعض لوگوں نے یہ تاثر لے رکھا ہے کہ میں ایک بے رحم، شقی القلب اور سفاک آدمی ہوں، پیسوں کے لئے میں نہ جانے کیا کچھ کرسکتا ہوں۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک نرم دل اور عام سا انسان ہوں۔ مجھ میں بھی عام انسانوں کی طرح چھوٹی چھوٹی خوبیاں اور خامیاں ہیں لیکن میں درندہ بہرحال نہیں ہوں۔"

پھر اس نے رپورٹرز کو ایک واقعہ سنایا۔ "ایک بار ایک پریشان حال اور قلاش شخص میرے پاس پہنچ گیا۔ کہنے لگا کہ میں اسے تین ہزار ڈالر دے دوں تو اس کی ایک نہایت اہم ضرورت پوری ہوجائے گی، میرے اس احسان کا بدلہ وہ اس طرح اتارے گا کہ پندرہ ہزار ڈالر کا اپنا بیمہ کرالے گا، میرا نام وارث کے طور پر لکھوادے گا اور خودکشی کرلے گا۔ اس طرح مجھے تیس ہزار ڈالر مل جائیں گے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ مجھے ایسی رقم نہیں چاہئے لیکن وہ مجھے یہ عظیم فائدہ پہنچانے پر تلا ہوا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ میں اسے ویسے ہی تین ہزار ڈالر دینا چاہ رہا تھا لیکن وہ لے نہیں رہا تھا، انشورنس پالیسی لینا اور اس میں مجھے وارث بنانا، ان کی لازمی شرط تھی۔ اپنی یہ شرط منوائے بغیر وہ واپس بھی نہیں جارہا تھا۔ آخر مجھے اس کو اٹھوا کر باہر پھنکوانا پڑا۔"

اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور تاسف زدہ لہجے میں کہا۔ "پتہ نہیں لوگوں نے اپنے ذہنوں میں میرا کیسا کیسا ہیولا تراش رکھا ہے۔"

پھر اسے گویا ایک اور واقعہ یاد آگیا۔ اس نے وہ بھی اخبار نویسوں کے سامنے بیان کردیا۔ اس نے بتایا۔ "چند دن پہلے مجھے انگلینڈ سے ایک عورت کا خط موصول ہوا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اس کا اپنے ایک پڑوسی سے جھگڑا ہوگیا ہے۔ اگر میں لندن آکر اسے قتل کردوں تو وہ مجھے دس ہزار پاؤنڈ دے گی۔" یہ کہتے ہوئے گویا دکھ سے اس کی آواز بیٹھنے لگی۔ "ذرا دیکھیں......! میری شہرت انگلینڈ تک پہنچ گئی ہے لیکن کس انداز میں......؟ وہاں بیٹھی ہوئی ایک عام اور گھریلو سی عورت مجھے کرائے کا قاتل سمجھ رہی ہے۔"

اس نے ایک لمحے توقف کیا پھر ڈرامائی انداز میں بولا۔ "مجھے کیوں یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے؟ کیوں یہ ساری باتیں سننا پڑ رہی ہیں؟ صرف اس لئے کہ میں لوگوں کو سستی تفریحات فراہم کررہا ہوں جن کی ہر شخص کو ضرورت رہتی ہے اور جو ہر شخص مانگتا ہے۔ میں جو کچھ لوگوں کو دیتا ہوں، اس کی اتنی مانگ ہے کہ میں تو انتہائی کوشش کے بعد بھی طلب پوری نہیں کرپاتا۔ مجھے اپنی مصنوعات کا کوئی اشتہار نہیں دینا پڑتا۔ کسی کو خریداری پر آمادہ کرنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے اختیار نہیں کرنا پڑتے۔"

پھر اس نے اعتراف کیا۔ "یہ ضرور ہے کہ مجھ سے ٹیکسوں کے کچھ قوانین کی خلاف ورزیاں سرزد ہوتی ہیں لیکن یہ کام کون نہیں کرتا؟ اس ملک میں ایسے ایسے معزز، شریف اور پارسا نظر آنے والے لوگ ٹیکس چوری کررہے ہیں کہ اگر کبھی دیانت داری سے فہرستیں بنیں تو ان میں شامل نام دیکھ کر لوگ حیرت سے بے ہوش ہوجائیں، اگر میں تھوڑا سا ٹیکس چوری کرکے ایک آدمی کو سستی شراب فراہم کرتا ہوں تو جب وہ اس شراب کو خوبصورت گلاسوں میں انڈیل کر اپنے مہمانوں کے سامنے پیش کرتا ہے، اس وقت وہ بھی تو میرے جرم میں شریک ہوتا ہے، اسے کیوں نہیں مطعون کیا جاتا؟"

"کیا آپ واقعی اتنے معصوم اور بے قصور ہیں، جتنا اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں؟" ایک رپورٹر نے سوال کر ڈالا۔

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" الکپون نے نہایت تحمل سے مسکراتے ہوئے الٹا انہی لوگوں سے سوال کر ڈالا۔ "کیا آپ لوگوں میں سے کسی نے کبھی مجھے اس قسم کی کوئی حرکت کرتے دیکھا ہے جیسے گھناؤنے الزامات مجھ پر لگائے جاتے ہیں؟"

سب خاموش رہے۔ ظاہر ہے اپنی آنکھوں سے الکپون کو کسی نے کب کچھ کرتے دیکھا تھا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ "میں اپنے آپ کو بالکل معصوم اور بے قصور تو ہرگز نہیں کہتا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں ایک عام انسان اور بزنس مین ہوں۔ مجھ میں بھی دوسروں کی طرح عام اور بشری کمزوریاں موجود ہیں اور ایک بزنس مین کی حیثیت سے میں بھی دوسرے ہزاروں کاروباری افراد کی طرح اپنی چھوٹی موٹی چالیں چلتا رہتا ہوں لیکن بخدا......! میں کوئی عفریت یا شیطان نہیں ہوں۔ میں تو عوام کا خادم ہوں۔ میں صرف ان کو تھوڑی سی تفریح کا سامان کرتا ہوں تاکہ وہ دن بھر کی الجھنوں اور تھکن کے بعد کچھ تازہ دم ہوجایا کریں۔ نوے فیصد لوگ یہی چاہتے ہیں اور میں انہیں کسی کام کیلئے مجبور نہیں کرتا۔ میں تو کوشش کرتا ہوں کہ سستی تفریحات کے نام پر کوئی غیر معیاری چیز ان تک نہ پہنچے۔"

اس نے ایک لمحے توقف کیا پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔ "بہرحال......! اب تو میں یہ سارے سلسلے بھی بند کررہا ہوں۔ سب چیزوں کو خدا حافظ کہہ رہا ہوں۔ اب شہر میں امن ہی امن، سکون ہی سکون ہوجائے گا۔ یہاں کوئی قتل نہیں ہوگا۔ شہر میں اب کوئی شراب نہیں پیئے گا۔ ہر شہری ہر برائی سے تائب ہوجائے گا۔ لوگ شطرنج تک کھیلنا چھوڑ دیں گے۔ پولیس چیف ہیوز کہہ رہا تھا کہ شہر میں پولیس فورس کم ہے، اسے تین ہزار جوان اور چاہئیں، میرا خیال ہے میرے جانے کے بعد اسے مزید تین ہزار جوانوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

اس نے ایک گہری سانس لی اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔ "بہرحال میں اپنے ان تمام دوستوں اور ہمدردوں کا شکر گزار ہوں جو ان آزمائشوں اور سختیوں کے دور میں میرے شانہ بشانہ رہے اور جنہوں نے کبھی کسی مشکل گھڑی میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میں اپنے تمام دشمنوں اور بدخواہوں کو معاف کرتا ہوں اور انہیں کرسمس اور نئے سال کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے میرے نہ ہونے سے ان لوگوں کا کرسمس اچھے انداز میں گزرے......!"

اس کی آواز بھرا گئی اور کچھ لوگوں کو یہ بھی شبہ ہوا کہ شاید اس کی آنکھوں میں نمی جھلملائی تھی۔ فی الحال یہ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ کس کا کرسمس کس انداز میں گزرے گا لیکن یہ ضرور تھا کہ شہر میں الکپون کی موجودگی کی وجہ سے بہت سے غریب لوگ بھی اچھے انداز میں کرسمس منا لیتے تھے۔

اس کے علاوہ وہ کم وبیش ایک لاکھ ڈالر کے جو تحفے ہر کرسمس پر لوگوں کو بھجواتا تھا، ان کی فہرست بھی کچھ کم لمبی نہیں تھی۔ ان میں ہر طبقے کے لوگوں کے علاوہ سرکاری ملازموں کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی۔ لگتا تھا کہ اس سال کرسمس پر وہ سب اپنے تحائف کا انتظار کرتے رہ جائیں گے۔

اخبار نویسوں کے ساتھ غیر رسمی بات چیت میں الکپون کی "پرفارمنس" زبردست تھی۔ اس نے ان اخبار نویسوں کے دل بھی بوجھل کردیئے تھے جو اس کے خلاف خبریں لگاتے تھے اور اسے زبردست تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ شہر سے اس کے رخصت ہونے کی خبر نے سب کو حیران بھی کردیا تھا۔

(جاری ہے)

الکپون نے فلوریڈا جانے کی بات محض اپنے بدخواہوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے کی تھی ورنہ درحقیقت اس کا فلوریڈا جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے اپنی فیملی کو گھر پر ہی چھوڑا اور دو باڈی گارڈز کو ساتھ لے کر ٹرین میں بیٹھ کر ویسٹ کوسٹ کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔

الکپون

وہاں سے اس نے میکسیکو کے شہر تیجوانا کا رخ کیا جو تفریحات کے لئے مشہور تھا پھر وہ بارڈر کے شمال کی طرف سان ڈیگو چلا گیا جہاں سے واپسی پر اس نے اپنے ملاقاتیوں کو بتایا۔ ”وہاں کے معززین نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور مجھے اپنی زمینوں پر ضیافتیں دیں۔“

پھر وہ لاس اینجلس چلا گیا۔ وہ وہاں کے سب سے اچھے ہوٹل ”بلٹ مور“ میں اپنی تمام تر خوش لباسی کے ساتھ کبھی کسی لاؤنج میں اور کبھی سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھا نظر آتا۔ اس کی انگلیوں میں حسب معمول ہیرے کی انگوٹھیاں جھلملاتی نظر آتیں۔ وہ ذرا بھی پریشان یا متفکر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی آسودہ اور خوش حال سیاح تفریحی دورے پر نکلا ہوا ہے۔

جو لوگ اسے جانتے تھے، ان کے درمیان بیٹھ کر باتیں کرتے ہوئے وہ کہتا۔ ”میرے بارے میں گینگ وار وغیرہ کے قصے کچھ زیادہ ہی گھڑ لئے گئے۔ سچی بات یہ ہے کہ اپنے بارے میں یہ قصے اور فرضی کہانیاں سن سن کر میں خود بہت تھک گیا تھا۔ میں تو ہر طرح کی گینگ وار وغیرہ کے خلاف ہوں۔ میں ہر شخص کے ساتھ امن آشتی اور صلح جوئی سے رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے کسی سے لڑنے کا شوق نہیں ہے لیکن یہ شاید میری بدنصیبی ہے کہ جب بھی کہیں کوئی گینگ وار ہوتی ہے، اس سے میرا تعلق ضرور جوڑ دیا جاتا ہے۔“

ایک بار جب وہ اپنے جاننے والوں میں گھرا بیٹھا تھا تو اس نے محسوس کیا کہ ایک اخباری رپورٹر اس کے دونوں باڈی گارڈز کو کچھ شک زدہ سے انداز میں بار بار کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جلدی سے ان میں سے ایک کا تعارف اپنے کزن کی حیثیت سے اور دوسرے کا اپنے دوست کی حیثیت سے کرا دیا۔

پھر اس نے وضاحت کی۔ ”لوگ کہتے ہیں میں باڈی گارڈز ساتھ لے کر سفر پر نکلا ہوا ہوں، یہ بھی انہی فضول اور فرضی باتوں میں سے ایک ہے جو میرے بارے میں اکثر کی جاتی ہیں۔ مجھے بھلا باڈی گارڈز کی کیا ضرورت ہے؟ میری کیا کسی سے دشمنی ہے؟ مجھے کسی سے جھگڑا نہیں کرنا ہے، میرا یہ کزن اور دوست مجھے اکیلے پن سے بچانے کے لئے میرے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔“

الکپون کا کہنا تو یہی تھا کہ وہ اپنے تفریحی سفر کے دوران کسی سے الجھنا نہیں چاہتا لیکن ایک شخص خود ہی اس سے آ کر الجھ گیا۔ وہ لاس اینجلس پولیس کا سب سے سخت مزاج اور بااصول سراغ رساں براؤن تھا۔ جب اخبارات میں الکپون کی لاس اینجلس میں موجودگی کی خبریں چھپیں تو براؤن اسے اپنے چیف کا پیغام پہنچانے آیا۔ چیف کا پیغام تھا۔ ”ہمارے شہر میں کسی گینگسٹر کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، چاہے وہ تفریحی دورے پر آیا ہو یا کسی اور ارادے سے۔“

اس کی توقع کے برعکس الکپون نے اس بات پر کوئی خاص مزاحمت یا احتجاج نہیں کیا۔ وہ فوراً ہی لاس اینجلس سے روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گیا تاہم ریلوے اسٹیشن پر اس نے اخباری رپورٹرز سے یہ ضرور کہا۔ ”معلوم نہیں کیوں آج کل ہر شہر کی انتظامیہ مجھے شہر سے نکالنے پر تلی ہوئی ہے، لوگوں کے رویے سے اب تو میں تنگ آ گیا ہوں۔ معلوم نہیں میں ہی سب کی آنکھوں میں کیوں کھٹکتا ہوں، میرا یہاں کوئی گڑبڑ کرنے کا ارادہ ہرگز نہیں تھا۔ میں تو یہاں ایک سیاح ہی کی حیثیت سے آیا تھا۔ میرے پاس شکاگو سے کمائی ہوئی کافی دولت ہے۔ اس میں سے کچھ دولت میں یہاں خرچ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ لاس اینجلس میں ہر اس شخص کو خوش آمدید کہا جاتا ہے جس کی جیب میں رقم ہو، ایسی کوئی مثال تو آج تک سننے میں نہیں آئی کہ کسی کے پاس دولت ہو، وہ خرچ بھی کرنا چاہتا ہو، اس کے باوجود اسے لاس اینجلس سے نکال دیا جائے۔“

”آپ نے اس پر کیا ردعمل ظاہر کیا؟“ ایک رپورٹر نے جاننا چاہا۔

”مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن فی الحال میں کسی سے الجھنے اور لڑنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں تفریح کے ارادے سے گھر سے نکلا ہوں۔ کوئی بدمزگی نہیں چاہتا۔ اگر مجھے لاس اینجلس میں تفریح کی اجازت نہیں ہے تو کہیں اور کر لوں گا۔“ الکپون نے جواب دیا۔

”جتنے دن آپ کو یہاں رہنے کا موقع ملا۔ کیا آپ نے اس دوران بھی کوئی تفریح نہیں کی؟“ ایک اور رپورٹر نے پوچھا۔

”کوئی خاص تفریح تو نہیں کی لیکن پھر بھی یہاں میرا وقت اچھا گزرا، لوگوں سے ملنے ملانے کا سلسلہ بھی کافی پرلطف رہا۔ میں فلم اسٹوڈیوز بھی گیا اور فلمیں بنتے دیکھیں۔ اس سے پہلے میں نے کبھی فلم بنتے نہیں دیکھی تھی۔ یہ کام بھی خاصا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ میں کچھ فلم اسٹارز کے گھروں پر بھی مدعو تھا۔“

میری پک فورڈ اس زمانے کی مقبول فلمی ہیروئن تھی۔ الکپون اس سے بھی ملا تھا۔ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس نے بتایا۔ ”میرا خیال ہے میری پک فورڈ کا پرانا مکان اس سے کہیں اچھا تھا جس میں وہ اب رہ رہی ہے۔“

”کیا آپ دوبارہ لاس اینجلس آنے کی کوشش کریں گے؟“ ایک رپورٹر نے پوچھا۔

”فی الحال تو مجھے گھر واپس جانے کا حکم دیا گیا ہے اور مجھے شکاگو میں ایک کام بھی ہے۔ وہ کام نمٹانے کے بعد میں اپنے کسی آدمی کو رقم دے کر یہاں بھیجوں گا کہ وہ میرے لئے ایک اچھا سا بڑا سا گھر تلاش کر کے خریدے پھر میں یہاں آؤں گا اس وقت چونکہ میں یہاں کا ٹیکس دہندہ بن چکا ہوں گا اور یہاں میری ذاتی جائداد موجود ہو گی اس لئے کوئی مجھے یہاں سے نکال نہیں سکے گا۔“

اس کے لئے ٹرین میں ایک خصوصی کمپارٹمنٹ ریزرو تھا جس میں اس کا سامان رکھا جا چکا تھا۔ وہ اس میں سوار ہوا تو اسے پتہ چلا کہ اس نے سفر کے دوران پینے کے لئے شراب کا جو ایک جگ رکھا تھا، وہ کسی نے چرا لیا ہے۔

اس نے دوبارہ دروازے پر آ کر رپورٹرز کو یہ بات بتائی اور کہا۔ ”مجھ جیسے لوگ جو دوسرے شہروں سے یہاں رقم خرچ کرنے اور تفریح کرنے آتے ہیں، انہیں تو جرائم پیشہ قرار دے کر نکال دیا جاتا ہے لیکن شہری انتظامیہ کو یہاں اپنی ناک تلے موجود وہ چور نظر نہیں آتے جو بے چارے مسافروں کا گلا تر کرنے کا سامان بھی چرا کر لے جاتے ہیں۔“

جب یہ خبر شکاگو پہنچی کہ الکپون واپس آ رہا ہے تو وہاں کے پولیس چیف ہیوز نے کہا۔ ”ہم یہاں اس کے لئے ایک استقبالیہ کمیٹی تشکیل دیں گے جو اسے اسٹیشن سے آگے نہیں آنے دے گی۔“

الکپون کو راستے میں اس بات کی خبر ہوئی تو وہ ہنس دیا اور بولا۔ ”یہ ہیوز بھی اکثر مذاق کرتا رہتا ہے۔ میں شکاگو کا باقاعدہ ٹیکس دہندہ شہری ہوں، وہاں میرا گھر، میری جائداد اور میری فیملی ہے، وہ مجھے وہاں آنے سے کیسے روک سکتا ہے؟ کیا کسی کو اس کے اپنے گھر جانے سے بھی روکا جا سکتا ہے؟“

یہ باتیں کرتے ہوئے الکپون خاصے خوشگوار موڈ میں تھا لیکن جب وہ اگلے اسٹیشنوں سے گزرا تو اس کی خوش مزاجی رخصت ہو گئی۔ اس نے دیکھا ہر اسٹیشن پر پولیس کی بھاری نفری تعینات تھی۔ گویا اس کے لئے یہ انتظام کیا گیا تھا کہ وہ راستے میں بھی کسی اسٹیشن پر نہ اترنے پائے۔

وہ یہ اندازہ کر کے حیران رہ گیا کہ بعض اسٹیشنوں پر تو پولیس والے پھل فروشوں کے روپ میں بھی موجود تھے اور ٹھیلے لئے کھڑے تھے جبکہ ہر اسٹیشن پر الکپون کی آمد سے پہلے ہی اس کے بارے میں نہ جانے کیا افسانے مشہور ہو جاتے تھے کہ لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اس کے کمپارٹمنٹ کے سامنے ہجوم کی صورت میں کھڑے ہوتے تھے۔

ہیوز مذاق ہرگز نہیں کر رہا تھا۔ وہ الکپون کی شکاگو واپسی کو روکنے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ چیف ڈیٹکو ولیم کوئز نے بھی اخبار نویسوں کو یہی بتایا۔ ”الکپون کو ٹرین سے اترنے نہیں دیا جائے گا بلکہ آگے روانہ کر دیا جائے گا۔ ہم اسے واضح طور پر بتا دیں گے کہ وہ اب اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔“

ٹرین جب الی نوائے کی حدود میں داخل ہوئی تو الکپون نے وہاں اپنے منتظر رپورٹرز سے بات کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو بہت ہی عجیب اور ناقابل یقین سی بات ہے کہ ایک شہری جس کا کوئی مجرمانہ ریکارڈ موجود نہیں ہے، پولیس اسے اس کے اپنے ہی گھر جانے، اپنی بیوی اور بچوں سے ملنے سے روک دے جبکہ ان پولیس والوں کی تنخواہیں مجھ جیسے شہریوں کے ادا کئے ہوئے ٹیکسوں ہی سے دی جاتی ہیں۔ وہ لوگ طاقت کے ذریعے مجھے میرے گھر جانے سے روکنے پر تلے ہوئے ہیں اور اگر میں نے مزاحمت کی تو شاید وہ مجھے جیل میں ڈال دیں۔“

تاہم اس بار وہ آسانی سے ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے مضبوط لہجے میں صحافیوں سے کہا۔ ”لیکن میں ہر حال میں اپنے گھر جاؤں گا۔ شکاگو میں میرا گھر ہے، جائداد ہے، بیوی اور بچہ ہے۔ میں ایک ٹیکس دہندہ شہری ہوں جو کسی جرم میں حکومت اور پولیس کو مطلوب نہیں ہے۔ وہ بھلا مجھے کیسے روک سکتے ہیں؟ مجھے گھر جانے سے روکنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ میری کھوپڑی میں گولی مار دیں۔“

”ایک بار آپ پر الزام آیا تھا کہ آپ نے چیف ڈیٹکو کو قتل کرنے یا کرانے کی کوشش کی تھی، ہو سکتا ہے وہ لوگ آپ کے خلاف وہ پرانا کیس نکال لیں؟“ ایک صحافی نے خیال ظاہر کیا۔

”وہ قصہ بھی میں آپ لوگوں کو سنا دوں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ واقعہ اصل میں کس طرح پیش آیا تھا اور کس طرح بات کا بتنگڑ بنا کر اسے میرے خلاف استعمال کیا گیا۔“ الکپون نے فوراً کہا۔ ”میرے دو آدمیوں کو پولیس اٹھا کر لے گئی تھی۔ ان کے پاس یقیناً پستول موجود تھے لیکن اپنی حفاظت کے لئے لائسنس کے ساتھ پستول رکھنا کوئی جرم تو نہیں ہے۔ ان کے پاس پستول تھے تو ان کے لائسنس بھی تھے۔ چیف ڈیٹکو نے انہیں پوچھ گچھ کے لئے اپنے کمرے میں بلایا اور وہاں ایک پولیس والے نے میرے آدمی کے پیٹ میں گھونسا مارا جس کی وجہ سے اس کی بیلٹ میں پھنسا ہوا پستول نکل کر نیچے گرنے لگا۔ اس نے فوراً جھک کر اسے پکڑا اور فرش پر گرنے سے بچایا۔ ظاہر ہے یہ ایک اضطراری سی حرکت تھی، ہماری جب کوئی چیز گرنے لگتی ہے تو فطری طور پر ہم ایسا ہی کرتے ہیں لیکن جناب......! اس بات پر چیف ڈیٹکو نے شور مچا دیا کہ میرے آدمی نے اس کے اپنے ہی آفس میں قتل کرنے کے لئے پستول نکال لیا تھا۔“

الکپون نے فریادی سے انداز میں دونوں ہاتھ پھیلائے اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری...... آپ ذرا پولیس کی غلط بیانیاں اور الزام تراشیاں دیکھیں۔ میرے آدمیوں پر تشدد کر کے وہ جرم اور ظلم و زیادتی کے مرتکب خود ہو رہے تھے لیکن الزام بھی الٹا انہوں نے میرے ہی آدمی پر لگا دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ کہ کر اپنی گھڑی ہوئی اس کہانی کو مزید آگے بڑھانے کی کوشش کی کہ میرے آدمی نے چیف ڈیٹکو ولیم کوئز کو قتل کرنے کی کوشش میری ہدایت پر کی تھی جبکہ اس وقت تک مجھے پتہ بھی نہیں تھا کہ میرے آدمی پکڑے گئے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں، جس شہر میں اتنا اندھیر مچا ہو، وہاں کوئی شریف آدمی کیا کر سکتا ہے؟“

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اپنی زبردست روایتی ”پرفارمنس“ کی وجہ سے اسے پریس والوں کی ہمدردیاں حاصل ہوئیں یا نہیں، بہرحال یہ طے ہے کہ ان باتوں سے پولیس کے رویے میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ شکاگو کے کئی اسٹیشن تھے اور ہر اسٹیشن پر الکپون کو اترنے سے روکنے کے لئے پولیس موجود تھی بلکہ ایک اسٹیشن پر تو پہلے کو انچارج کے طور پر تعینات کیا گیا تھا جو اب ترقی پا کر سارجنٹ بن چکا تھا۔ یہ وہی پولیس آفیسر تھا جس نے ڈرپی نامی بدمعاش کو قتل کیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ جس اسٹیشن پر اسے تعینات کیا گیا تھا، اس پر ٹرین رکتی ہی نہیں تھی۔

الکپون کا پروگرام شکاگو کے نواحی علاقے جولیٹ کے اسٹیشن پر اترنے کا تھا اور اس نے اپنے بھائی رالف کو اپنی آمد کی اطلاع دے رکھی تھی۔ اس نے رالف کو ہدایت کی تھی کہ وہ 16 دسمبر کو صبح پونے دس بجے جولیٹ کے ریلوے اسٹیشن پہنچ جائے۔

رالف اس کا سعادت مند بھائی تھا لیکن زیادہ تر بدمعاشوں کی طرح موٹے دماغ کا آدمی تھا۔ وہ ایک گھنٹہ پہلے ہی اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ چار مسلح آدمی بھی اس کے ساتھ تھے، وہ لوگ دو گاڑیوں میں گئے تھے۔ پستولوں کی موجودگی کی وجہ سے ان کی جیبیں پھولی پھولی دکھائی دے رہی تھیں۔ گاڑی میں ایک شاٹ گن بھی موجود تھی۔

جولیٹ کے ایک پولیس آفیسر نے ان کی گاڑیوں کی نمبر پلیٹس دیکھ لیں۔ اسے دونوں گاڑیاں مشکوک لگیں پھر اس نے رالف اور اس کے ساتھیوں کو فوجیوں والے انداز میں پلیٹ فارم پر مارچ کرتے بھی دیکھ لیا۔ پولیس نے انہیں حراست میں لے لیا۔

ٹھیک پونے دس بجے الکپون پلیٹ فارم پر اترا تو اس کے استقبال کیلئے جولیٹ کا پولیس چیف بہ نفس نفیس موجود تھا۔ اس کا نام جان کوران تھا۔

”تمہارا نام الکپون ہے؟“ اس نے دریافت کیا۔

”بے شک......!“ الکپون نے متانت سے جواب دیا پھر کہا۔ ”اور تم غالباً یہاں کے پولیس چیف ہو...... بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔“ اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

پھر اس نے دیکھا کہ مستعد اور چاق و چوبند دکھائی دینے والے چھ پولیس مین اسے گھیرے میں لئے ہوئے تھے اور ان کی شاٹ گنیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”یہ سب کیا ہے......؟“ الکپون نے حیرت اور بے یقینی سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔ ”میں کیا کوئی مفرور قاتل یا دہشت گرد ہوں؟ مجھ پر اتنی ساری بندوقیں کیوں تانی جا رہی ہیں؟“

پولیس چیف کوران نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کہا۔ ”اپنا پستول میرے حوالے کر دو۔“

الکپون نے بے چون و چرا اپنا چھوٹا سا پستول نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا پھر فاضل گولیوں کے دو کلپ بھی نکالے اور اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھی لے لو...... ان کا اب میں کیا کروں گا...... میرے لئے یہ بیکار ہیں۔“

اسے لے جا کر مقامی حوالات کی ایک کوٹھری میں بند کر دیا گیا جس میں دو آوارہ گرد شرابی پہلے ہی سے موجود تھے۔ دور ہی سے ان کے منہ سے شراب کی اور جسموں سے پسینے کی بو آ رہی تھی۔ وہ صرف اس لئے حوالات میں بند تھے کہ ان پر 22 ڈالر جرمانہ عائد ہوا تھا مگر ان کے پاس ادائیگی کیلئے 2 ڈالر بھی نہیں تھے۔

الکپون کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے فوراً ان کا جرمانہ ادا کیا اور انہیں کوٹھری سے نکلوا کر ذرا سکون کی سانس لی۔

آٹھ گھنٹے بعد ان سب کی ڈھائی ڈھائی ہزار کے بانڈ پر ضمانت ہو گئی اور وہ لوگ شکاگو روانہ ہو گئے۔ روانہ ہونے سے پہلے الکپون نے پولیس چیف سے کہا۔ ”میں اپنے اس کیس کی پیروی کے سلسلے میں جب دوبارہ جولیٹ آؤں گا تو یہاں کے فلاحی اداروں کو چندے کے طور پر بھاری رقوم دوں گا۔ میرا یہ اقدام اس بات کی نشانی ہو گا کہ میں جولیٹ کے کسی آدمی سے خفا نہیں ہوں۔“

شکاگو میں پولیس نے اسے نہیں پکڑا۔ اس کی تکنیکی وجہ یہ تھی کہ وہ جولیٹ کی پولیس کے ہاتھوں پکڑا جا چکا تھا اور ابھی اس کا معاملہ وہاں کے علاقہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہونا تھا۔ شکاگو میں البتہ اس کا مکان پولیس کے گھیرے میں تھا اور اسے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔

البتہ جولیٹ کے مجسٹریٹ کے سامنے پیشی کے لئے اسے گھر سے نکلنے دیا گیا۔ اس کی آمد کے ایک ہفتے بعد اس کی پیشی ہوئی۔ اس پر واقعی کسی خاص یا سنگین جرم کا الزام تو عائد نہیں کیا جا سکتا تھا، اس پر اور اس کے آدمیوں پر مجموعی طور پر چار ہزار چند سو ڈالر کے جرمانے عائد ہوئے جو الکپون نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر موقع پر ہی ادا کر دیئے۔

اس کے دو سو ڈالر بقایا بچ رہے تھے۔ عدالت کے کلرک نے وہ اسے واپس دینا چاہے تو الکپون نے کہا۔ ”یہ تم میری طرف سے رکھ لو اور اگر تم رکھنا پسند نہ کرو تو اس سڑک کے کونے پر کھڑے ہوئے سانتا کلاز کو فلاحی مقاصد کے لئے دے دینا اور اسے بتا دینا کہ یہ الکپون کی طرف سے ہیں۔“

کلرک کی بیٹی اسی سال مس امریکا منتخب ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس نے ان دو سو ڈالرز کا کیا کیا؟

شکاگو واپس پہنچ کر الکپون کو ایک بار پھر نظربندی کی سی حالت میں اپنے گھر میں بند رہنا پڑا۔ پولیس چیف ہیوز نے کہہ رکھا تھا کہ اگر اس نے اپنے گھر کی کھڑکی سے سر بھی باہر نکالا تو ہم اسے گرفتار کر لیں گے۔

لیکن اپنے بعض قریبی دوستوں اور صحافیوں کے سامنے اس نے اعتراف کیا۔ ”درحقیقت ہم فی الحال اس کا کچھ بگاڑ تو نہیں سکتے لیکن ہم اس کے لئے زندگی ذرا دشوار بنانے کی کوشش کر رہے ہیں شاید تنگ آ کر وہ خود ہی شکاگو چھوڑ کر چلا جائے۔ اگر وہ دور جانے والی کسی ٹرین میں بیٹھنے کے ارادے سے نکلے تو شاید ہم خود اسے چھوڑنے اسٹیشن تک جائیں۔“

پولیس کی حکمت عملی کامیاب رہی۔ آخر الکپون نے شکاگو سے کم از کم عارضی طور پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس بار اس نے سچ مچ فلوریڈا کا رخ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ایک عجیب اتفاق یہ تھا کہ ان دنوں اٹلی میں بھی مسولینی نے گینگسٹرز کی شہرت رکھنے والے لوگوں کو گھروں میں نظربند کر رکھا تھا۔

☆......☆......☆

الکپون نے ریاست فلوریڈا کے شہر میامی کا رخ کیا تھا۔ میامی اپنی خوشگوار روپہلی دھوپ اور صاف ستھرے چمکتے ساحلوں کی وجہ سے الکپون کو بہت پسند آیا۔ اسے اس شہر میں اپنے وطن اٹلی کی جھلک دکھائی دی تھی۔ میامی پہنچ کر اس نے اسے امریکا کے ایک خوبصورت باغیچے سے تشبیہ دی۔ اس کے خیال میں میامی میں زندگی خوب صورت محسوس ہوتی تھی اور اس شہر کی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وہاں زندگی کی مسرتیں ایک غریب آدمی کی بھی رسائی میں تھیں۔

فطری خوب صورتیوں اور معتدل موسم کے علاوہ بھی کئی چیزیں یہاں الکپون کو اپنے لئے بے حد سازگار دکھائی دے رہی تھیں۔ یہاں بھی ہوٹلوں، کلبوں، شراب خانوں اور دیگر تفریحی مقامات کے علاوہ بڑے بڑے اسٹورز تک میں جوئے کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔

الکپون نے کئی روز تک پورے شہر میں گھوم پھر کر ان تمام مشینوں پر جوا کھیل کر نہ صرف اپنے شوق کی تسکین کا سامان کیا بلکہ اس طرح اس نے پورے شہر اور اس کے ماحول کا بھی جائزہ لیا۔ اسے فوراً ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس شہر کی پولیس میں بھی کرپشن کا کافی رجحان تھا۔ کئی پولیس والے کچھ رقم لے کر سادہ لباس میں اس کے ساتھ محافظ کے طور پر چلنے لگے تھے۔ وہ خود سعادت مند ملازموں کی طرح جوئے کے اڈوں کی طرف اس کی رہنمائی کرتے تھے۔

میامی بیچ کے علاقے میں پولیس کے سراغرسانوں نے جوئے کے ایک اڈے پر چھاپہ مارا اور کئی مشینیں وغیرہ اٹھا کر لے گئے۔ اڈے کا مالک فوراً کاؤنٹی کے شیرف کے پاس جا پہنچا اور بڑے غصے سے بولا۔ "میں ایک ہزار ڈالر فی ہفتہ پولیس افسروں کو اس بات کا دیتا ہوں کہ میرے کاروبار کو تحفظ دیا جائے گا لیکن مجھے تحفظ دینے کے بجائے میرے

اڈے پر چھاپہ مارا جارہا ہے، اگر یہ نوبت آئے گی تو پھر مجھ سے رقم لینے والوں کو بھی جیل جانا پڑے گا۔"

تھوڑی ہی دیر بعد اس شخص کی جوئے کی مشینیں وغیرہ واپس اس کے اڈے پر پہنچا دی گئیں۔ اس طرح کے واقعات الکپون کے بھی علم میں آرہے تھے، وہ نہایت توجہ سے ان تمام معاملات اور حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ میامی اس کے مطلب کا شہر ہے۔

میامی بیچ کے علاقے کو کنٹرول کرنے والا سرکاری عہدے دار "سٹی منیجر" کہلاتا تھا۔ اس کا نام کلاڈ ہنشا تھا۔ الکپون کی اس سے اور کئی دوسرے بڑے انتظامی عہدے داروں سے ملاقات ہو چکی تھی اور اس نے ان کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ یہاں کوئی شاندار مکان خریدنا چاہتا ہے۔

"اگر میں نے یہاں رہنے کا فیصلہ کرلیا تو میں یہاں بھاری سرمایہ کاری کروں گا۔" اس نے کہا۔ "میں یہاں ایک شاندار ہوٹل تعمیر کراؤں گا اور دوسرے کئی کاروبار بھی شروع کروں گا۔ میری وجہ سے شاید میرے دوسرے بہت سے دوست بھی کاروبار اور سرمایہ کاری کے لئے یہاں کا رخ کریں۔ میں شاید روٹری کلب کا ممبر بھی بن جاؤں۔"

میامی کے پولیس چیف کو الکپون کو میامی میں قیام سے روکنے کا کوئی قانونی طریقہ نہیں سوجھ سکا تھا۔ الکپون کی یہ باتیں جب اس تک پہنچیں تو اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ شرفاء کی طرح یہاں رہنے اور قانونی کاروبار کرنے کے لئے آرہا ہے تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے، اگر اس نے یہاں گروہ بازی یا بدمعاشوں والے دھندے شروع کئے تو پھر ہم ایکشن لیں گے۔"

تین گارڈز کے ساتھ الکپون نے میامی کے مرکزی علاقے میں واقع ہوٹل ڈی لیون میں چھت پر ایک کشادہ سوئٹ لیا جس کے آگے سائبان والا برآمدہ اور طویل و عریض کھلی چھت تھی۔ فی الحال یہ جگہ الکپون کے لئے ہیڈ کوارٹر کا کام دے سکتی تھی۔

اپنی بیوی اور بچے کے لئے اس نے میامی بیچ کے علاقے میں ایک شاندار اور کشادہ مکان چھ ماہ کا ایڈوانس کرایہ دے کر لے لیا۔ میامی بیچ کا چیمبر آف کامرس الکپون کو شہر سے نکلوانے کے لئے اپنی سی کوششیں کر رہا تھا۔ وہ منز کلب اور ایک فلاحی ادارے کے عہدے دار بھی جا کر میامی بیچ کے میئر لمس جو تمیز سے ملے تھے اور اس پر زور دیا تھا کہ وہ الکپون کو میامی میں قیام سے باز رکھنے کے لئے کچھ کرے۔

میئر اور پولیس چیف نے الکپون کو ملاقات کے لئے بلایا۔ یہ ملاقات کافی دیر جاری رہی، بعد میں میئر لمس نے چیدہ چیدہ شہریوں اور اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے قدرے نروس سے انداز میں بتایا۔ "ہم نے الکپون سے ملاقات کی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ علاقے کے معززین نہیں چاہتے کہ وہ یہاں قیام کرے لیکن میری ذاتی رائے میں وہ ایک نہایت نفیس، شائستہ اور سلجھا ہوا آدمی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی میامی آمد سے شہر کو فائدہ ہی پہنچے گا نقصان نہیں......!"

ادھر الکپون نے بھی رپورٹرز سے باتیں کرتے ہوئے درد بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر شہر کے معززین نہیں چاہتے کہ میں یہاں قیام کروں تو ٹھیک ہے..... میں چلا جاؤں گا۔ مجھے خود بھی معلوم نہیں ہے کہ میں کہاں جاؤں گا بہر حال یہ کوئی ایسا سنگین مسئلہ نہیں ہے، قسمت جہاں لے جائے گی، چلا جاؤں گا۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ زبردستی یہاں کے معززین کے سر پہ سوار ہو جاؤں۔ میں لوگوں کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔"

حقیقت یہ تھی کہ وہ الکپون کے لئے خاصی دربدری کا زمانہ تھا۔ میامی آنے سے پہلے الکپون سینٹ پیٹرز برگ گیا تھا۔ پولیس وہاں بھی اس کے پیچھے لگ گئی تھی۔ پھر سننے میں آیا کہ وہ بہاماز کے کسی جزیرے پر مکان خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن کسی وجہ سے اس پروگرام پر بھی عمل نہ ہو سکا۔ مصدقہ وجہ تو معلوم نہیں ہو سکی تاہم سننے میں آیا تھا کہ بہاماز کے گورنر نے اسے وہاں رہائش اختیار کرنے سے منع کر دیا تھا۔

ادھر اس کے بھائی رالف اور البرٹ نے نیو آرلینز کا رخ کیا تو انہیں بھی وہاں پولیس نے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا کیونکہ ان کے پاس سے تین پستول برآمد ہوئے تھے۔ بہر حال وہ جلد ہی ضمانت پر رہا ہو گئے پھر انہیں اس شرط پر شہر سے جانے کی اجازت دے دی گئی کہ وہ دوبارہ وہاں نظر نہ آئیں۔

ادھر شکاگو میں البتہ الکپون کا گروہ پہلے ہی کی طرح فعال تھا۔ نزلہ صرف الکپون پر ہی گرا تھا۔ گروہ کے لئے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ الکپون نے اسے اتنا منظم بنا دیا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں بھی سب کام ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے، جس کے سپرد جو ذمے داریاں تھیں، وہ انہیں نہایت "اچھے" طریقے سے ادا کر رہا تھا۔

سب دھندے پہلے ہی کی طرح چل رہے تھے۔ لڑاکے اپنی جگہ سرگرم تھے، انہوں نے زیادہ بدمعاشی دکھانے والے دو دشمنوں کے ٹھکانوں کو بموں سے اڑا دیا تھا پھر ان کے گھروں پر بھی فائرنگ کی تھی جس کے بعد وہ سیدھے ہو گئے تھے۔

میامی میں الکپون نے قدرے عاجزی اور نرمی اختیار کی تو ان لوگوں کا جوش و خروش ذرا ٹھنڈا پڑ گیا جو اسے نکالنے کے درپے تھے۔ اس دوران الکپون بھی قطعی غیر نمایاں ہو کر بیٹھ گیا۔ اس نے منظر عام پر آنا ہی چھوڑ دیا، وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر گویا اپنی کچھار میں گھس کر بیٹھ گیا۔

رفتہ رفتہ وہ سنسنی اور کشیدگی ختم ہو گئی جو الکپون کی آمد کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ اس دوران الکپون نے ہوٹل ڈی لیون کے مالک ہینڈرسن کو ٹٹولا اور محسوس کیا کہ وہ اس کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

ہینڈرسن ایک سابق میئر کا بیٹا تھا۔ نوجوان ہی تھا، وہ اپنے ہوٹل میں منیجر کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ الکپون نے دیکھا تھا کہ اس نوجوان کے اونچے طبقے میں اچھے بھلے تعلقات تھے لیکن وہ بے ضرر سے تعلقات تھے شاید اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ ان تعلقات سے کون سے فائدے اٹھا سکتا ہے اور کس طرح اٹھا سکتا ہے۔

دوسری طرف وہ الکپون جیسی "شہرت" رکھنے والے لوگوں سے ملنے اور ان کے قریب ہونے میں کشش محسوس کرتا تھا۔ اس کے اردگرد معاشرے کے اچھے طبقات کے لوگ موجود رہتے تھے لیکن وہ شاید اسے کچھ زیادہ اہم نہیں لگتے تھے، وہ کچھ "اور طرح" کے لوگوں سے میل ملاقات رکھنا چاہتا تھا۔

الکپون نے اس کی اس تشنگی کو بھانپ لیا تھا۔ اس نے اسے انڈین کریک میں واقع اپنے گھر میں پارٹی پر مدعو کیا۔ انڈین کریک ایک خوب صورت ساحلی علاقہ تھا جہاں زیادہ تر امراء کے مکانات تھے۔ الکپون نے اپنی پارٹی میں ہینڈرسن کو نہ صرف اپنی خوب صورت بیوی اور گول مٹول بیٹے سے ملوایا بلکہ کچھ اور "کام" کے لوگوں سے بھی اس کی ملاقات کرائی جنہیں اس نے اس موقع کے لئے خاص طور پر شکاگو سے بلوایا ہوا تھا۔

ان میں اس کے خاص گن مین بھی تھے اور اس کے فاشی کے اڈوں کے انچارج بھی..... جن کے ہمراہ کچھ نہایت خوب صورت خواتین بھی تھیں۔ ان سب لوگوں سے مل کر ہینڈرسن نے زبردست سنسنی محسوس کی۔ وہ تو صرف الکپون سے مل کر ہی خاصا سحر زدہ سا رہا کرتا تھا جسے

بعض اخبارات تو اس وقت دنیا کے خطرناک ترین مجرم کا خطاب دے چکے تھے۔ ہینڈرسن کو گویا یقین نہیں آتا تھا کہ دنیا کا خطرناک ترین مجرم اس کا قریبی دوست بن چکا ہے، وہ تو گویا الکپون کا بے دام غلام بن کر رہ گیا تھا۔

جلد ہی وہ الکپون کی ہدایت پر اس کے ایک مسلح باڈی گارڈ کے ساتھ رقوم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے والی کمپنی کے دفتر جانے لگا۔ اس کمپنی کے توسط سے شکاگو سے الکپون کے ایک فرضی اور مبہم نام پر بڑی رقوم کے منی آرڈر آتے تھے۔ ہینڈرسن یہ منی آرڈر وصول کر کے الکپون کو لا کر دینے لگا۔ منی آرڈر وصول کرنے کے لئے وہ اپنی رائٹنگ بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے فرضی نام کے دستخط کرتا۔ اسے اس کام میں لطف آتا تھا۔ وہ گویا کسی خفیہ اور سنسنی خیز مہم کا ایک حصہ بن رہا تھا۔ یہ احساس اس کے لئے خوشی اور طمانیت کا باعث تھا کہ الکپون کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت تھی اور وہ اس سے کوئی خاص کام لے رہا تھا۔

وہ اس بات میں فخر محسوس کرنے لگا تھا کہ اسے الکپون کا قریبی آدمی سمجھا جانے لگا تھا۔ اس نے میامی بیچ کے میئر لمس کو فخر سے بتایا۔ "ایک پراپرٹی ڈیلر کو بھنک پڑ گئی ہے کہ الکپون یہاں مکان خریدنا چاہتا ہے۔ ڈیلر میرے پیچھے لگ گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے الکپون کو مکان دلواؤں۔"

"الکپون کو مکان صرف میں اور تم مل کر دلوائیں گے۔" لمس نے فوراً فیصلہ سنا دیا کیونکہ وہ میامی بیچ کا میئر ہونے کے ساتھ ساتھ پراپرٹی ڈیلر بھی تھا۔ اسے یقین تھا کہ الکپون کوئی مہنگی جائداد ہی خریدے گا، جس میں اچھا خاصا کمیشن بن جائے گا۔

اس نے اور ہینڈرسن نے مل کر الکپون کو بہت سے مکانات دکھائے۔ آخر کار اسے پام آئی لینڈ میں ایک مکان پسند آ گیا۔ پام آئی لینڈ تقریباً پون میل لمبا اور بہت کم چوڑا ایک خوب صورت جزیرہ تھا، جس پر دولت مند طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے مکانات تھے۔ ایک کازوے کے ذریعے یہ جزیرہ میامی سے ملا ہوا تھا اور میامی بیچ کی حدود میں آتا تھا۔

اس میں ایک ہی بڑی سڑک تھی، جس کے دونوں طرف امیر طبقے کے ولاز تھے۔ ان ولاز کی پشت پر کھاڑی تھی۔ الکپون کو جو مکان پسند آیا تھا، وہ 1922ء میں کلیرنس نامی ایک شخص نے بڑے شوق سے اپنے لئے بنایا تھا مگر اب وہ کسی وجہ سے اسے بیچ رہا تھا۔

مکان چودہ کمروں پر مشتمل تھا اور دو منزلہ تھا۔ اس کا طرز تعمیر ہسپانوی تھا۔ اس کی پشت پر سو فٹ چوڑا اور تین سو فٹ لمبا ساحلی ٹکڑا بھی مکان کی حدود میں شامل تھا۔ مکان کے گیٹ کے پاس تین کمروں پر مشتمل گیسٹ ہاؤس بھی موجود تھا۔

الکپون نے یہ مکان تقریباً ساٹھ ہزار ڈالر میں مارچ 1928ء میں خریدا۔ اس کی کچھ قسطیں بھی باقی تھیں۔ الکپون نے مکان بیوی کے نام پر خریدا اور اس کی تزئین و آرائش اور اس کی ساخت میں ترمیم اور اضافے وغیرہ کرانے پر ایک لاکھ ڈالر خرچ کر ڈالے۔ اس نے مکان کو پہلے سے کہیں زیادہ پرتعیش اور شاندار بنا لیا۔ اس نے مکان کی پشت پر ایک بڑا سوئمنگ پول مزید بنایا جس کے ساتھ پانی کو فلٹر کرنے کا پلانٹ بھی نصب کیا گیا تھا۔ یہ پلانٹ عام پانی کو بھی فلٹر کر سکتا تھا اور سمندر کے پانی کو بھی...... الکپون کے مکان کا یہ سوئمنگ پول پوری فلوریڈا ریاست کا سب سے بڑا سوئمنگ پول تھا۔

تاہم الکپون اپنے مکان کی ان تعیشات سے لطف اندوز ہونے کے لئے رک نہیں سکا۔ اپریل 1928ء میں شکاگو میں الیکشن کا پرائمری مرحلہ چل رہا تھا اور الکپون نے اس موقع پر وہاں جانا ضروری محسوس کیا۔

شکاگو جا کر اس نے عجیب حال دیکھا۔ گو کہ ابھی صدارتی انتخابات بہت دور تھے لیکن امیدواروں کے حامی ایک دوسرے کے گھروں اور کاروبار کی جگہوں پر بموں سے حملے کر رہے تھے۔ زیادہ تر میئر تھامسن کے حامی نشانہ بن رہے تھے جو اب صدارتی امیدوار نامزد ہونے جا رہا تھا۔ گو کہ اس کے حامیوں پر حملے ہو رہے تھے مگر اس کی پوزیشن بہتر ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ کم از کم ایک لاکھ پارٹی ورکر اس کے لئے کام کر رہے تھے جبکہ بعض گروہ بھی ابھی تک اس امید پر کسی نہ کسی انداز میں اس کی مدد کر رہے تھے کہ وہ کامیاب ہونے کے بعد ان کے حق میں اچھا ثابت ہوگا گو کہ فی الحال اس نے آنکھیں پھیر لی تھیں۔

امیدواروں کے حامی بھی قتل ہو رہے تھے اور ان کے جنازوں پر بھی ہنگامے اور قتل و غارت ہو رہی تھی۔ تھامسن کے مقابل صدارتی امیدوار ڈنین کے گھر تک پر حملے ہو رہے تھے۔ اس کے گھر اور دفتر دونوں جگہوں پر بم پھینکا گیا۔ ججوں کے گھروں پر بھی حملے ہو رہے تھے۔ غنیمت تھا کہ ان میں جانی نقصان بہت کم ہو رہا تھا۔ ڈنین خود کئی بار محض اتفاقاً ہلاک ہوتے ہوتے بچا تھا۔

حملے پہلے خود تھامسن پر ہوتے تھے، پھر اس کے مخالفوں پر...... لیکن بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ یہ اس کی خاص حکمت عملی تھی۔ پہلے وہ خود ہی اپنے اوپر حملے کراتا تھا تاکہ مظلوم ہونے کا واویلا کر سکے۔ اس کا اپنا کوئی آدمی شاذ و نادر ہی مرتا تھا۔ زیادہ تر مخالفوں ہی کے آدمی مرتے تھے۔ ان کے بارے میں تھامسن معصوم بن جاتا تھا کہ اسے بھلا کیا معلوم کون یہ سب کچھ کر رہا ہے، یہ معلوم کرنا تو پولیس اور دوسری ایجنسیوں کا کام ہے۔

عالم یہ تھا کہ الیکشن کے سلسلے میں ابھی پرائمری کا ہی مرحلہ چل رہا تھا۔ اصل الیکشن کا ابھی نام و نشان نہیں تھا اور ڈیڑھ ماہ کے دوران 70 سے زائد افراد قتل ہو چکے تھے اور وہ سب کے سب معمولی اور عام آدمی نہیں تھے۔ ان میں ممتاز سیاسی شخصیات اور اہم سیاسی ورکر بھی شامل تھے۔

پولیس کی پکڑ دھکڑ بھی جاری رہتی تھی مگر اس سے حالات میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ پکڑے گئے اکثر لوگ پولیس کی کرپشن اور عدالتی نظام کی خامیوں کی وجہ سے جلد ہی چھوٹ کر باہر آ جاتے تھے اور دوبارہ اپنی سرگرمیوں میں لگ جاتے تھے۔

حالت یہ تھی کہ شکاگو کا کوئی شہری جب کسی دوسرے شہر جا کر ہوٹل میں ٹھہرتا تھا تو استقبالیہ کلرک مسکراتے ہوئے طنزیہ مگر شگفتہ انداز میں کہتا تھا۔ "بھئی مبارک ہو، آپ شکاگو کے رہنے والے ہیں اور زندہ سلامت گھوم رہے ہیں۔"

انشورنس کمپنیوں نے ان عمارات کا بیمہ کرنا بند کر دیا، جہاں سیاسی اجتماعات منعقد ہوتے تھے، خاص طور پر ڈنین اور اس کے آدمی جس عمارت میں اجتماع منعقد کرنے کے لئے جاتے تھے، وہاں سے اکثر انہیں انکار ہی سننا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک چرچ نے انہیں اپنے ہاں مذہبی قسم کا اجتماع منعقد کرنے سے بھی منع کر دیا۔

چرچ کی انتظامی کمیٹی نے شرط یہ رکھی کہ اگر چرچ کی عمارت منہدم ہو گئی تو ڈنین یا اس کی پارٹی اسے دوبارہ تعمیر کرائے گی، اگر اسے جزوی نقصان پہنچا تو مرمت کرا کے دے گی، جو جانی نقصان ہوگا، ان کے انشورنس کے طور پر رقم ادا کرے گی۔

ظاہر ہے ان شرائط کے ساتھ وہاں کون اجتماع منعقد کر سکتا تھا؟

شکاگو کے شہری ان تمام حالات پر بے حد پریشان اور دلگرفتہ رہتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ شہر میں قانون نام کی کوئی چیز رہی ہی نہیں تھی جبکہ تھامسن کی انتخابی مہم شروع ہونے سے پہلے اس نے اور اس کے مقرر کردہ پولیس چیف ہیوز نے اعلان کیا تھا کہ وہ لوگ نوے دن کے اندر اندر تمام مجرموں اور قانون شکنوں کو شہر سے نکال باہر کریں گے۔

ویسے تو یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ تھا کہ وہ شہر کے سب سے بڑے مجرم الکپون کو شہر بدر کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد تو حالات پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کچھ بھی کسی کے قابو میں نہیں تھا۔

ڈنین نے ایک انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "تھامسن کو اس شہر کا نظام چلانے کے لئے 25 کروڑ ڈالر کا بجٹ ملتا ہے۔ اس کے باوجود شہر کا یہ حال ہے، ہم اس رقم کے بدلے کیا حاصل کر رہے ہیں؟"

"بم...... بندوقیں اور گولیاں......" جلسے میں سے کوئی چلایا۔

دہشت گرد جو بم اپنے مخالفین کے گھر یا دکان پر پھینکتے تھے، وہ ہینڈ گرینیڈ کی طرح اناناس کی شکل کے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان کا نام "پائن ایپل" ہی پڑ گیا تھا۔ اسی مناسبت سے الیکشن کے اس پرائمری مرحلے کو اخبارات نے "پائن ایپل پرائمری" کا نام دے دیا تھا۔

اس زمانے میں افریقی ملک نکاراگوا میں حالات خراب تھے۔ چنانچہ اس وقت کے امریکی صدر کولج نے نکاراگوا میں موجود امریکی کارپوریشنز اور کمپنیوں کی املاک وغیرہ کی حفاظت کے لئے فوجی دستے بھیجے۔ اس پر ایک امیدوار نے انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے امریکی صدر کو مخاطب کر کے کہا۔ "جناب صدر! نکاراگوا میں امریکی املاک شکاگو سے زیادہ محفوظ ہے، اگر فوجی دستے بھیجنے ہی ہیں تو شکاگو بھیجئے۔ نکاراگوا بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟"

گو کہ تھامسن نے اپنی سیاسی ساکھ بچانے کے لئے الکپون کو شہر بدر کیا تھا لیکن الکپون نے واپس آکر اسی کی حمایت کی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو تھامسن اور اس کے گروپ کے لوگوں کی انتخابی مہم کے سلسلے میں ہر ممکن تعاون کی ہدایت کی۔

تھامسن کا پلہ بھاری نظر آرہا تھا۔ وہ گویا مخالفین پر چھایا ہوا تھا۔ اس کی انتخابی مہم نے گویا اس کے حریفوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا لیکن عجیب بات یہ رہی کہ ان تمام باتوں کے باوجود تھامسن پرائمری مرحلے میں ہار گیا۔

ان نتائج نے خود تھامسن کو حیران کر دیا اور جب حیرانی کا مرحلہ گزر گیا تو وہ دل شکستہ اور غمزدہ سا ہو کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ شہر کا نظام اس نے گویا اپنے ماتحتوں پر چھوڑ دیا۔ پولیس چیف ہیوز کی جگہ اس نے رسل کو چیف بنا دیا جو پہلے ڈپٹی چیف ہوا کرتا تھا۔ وہ اچھا اور دیانتدار پولیس آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منہ پھٹ انسان بھی تھا۔ لگی لپٹی رکھے بغیر بات کر دیتا تھا۔

جب وہ ڈپٹی چیف تھا تو ایک بار کسی نے اس سے کہا کہ وہ شہر میں جوئے کے اڈے بند کرانے کے لئے کیوں کچھ نہیں کرتا؟ اس نے جواب دیا۔ "تھامسن نے اس منشور پر الیکشن جیتا تھا کہ وہ شکاگو کو ایسا شہر بنائے گا، جہاں لوگ زیادہ سے زیادہ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔ کوئی انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر خواہ مخواہ تنگ نہیں کرے گا۔ ظاہر ہے لوگوں نے اس کے منشور کو پسند کیا ہوگا تبھی اسے ووٹ دے کر میئر منتخب کیا ہوگا۔ اب لوگوں کو ذرا آزادی کے مزے لینے دو، جہاں لوگوں کو ہر بات کی آزادی حاصل ہو جاتی ہے اور قانون کے ہاتھ باندھ دیئے جاتے ہیں، وہاں تو یہی ہوتا ہے۔ اب پریشانی کس بات کی ہے؟"

پرائمری میں تھامسن کی شکست ملک بھر میں بلکہ یورپ تک میں ایک اہم واقعہ سمجھی گئی۔ سیاسی مبصرین نے خیال ظاہر کیا کہ شاید اب شکاگو کی اخلاقی حالت بہتر ہونے کا آغاز ہو گیا ہے۔

تھامسن کی شکست کے بعد الکپون کی طرف سے بھی لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔ جو لوگ اس کے بارے میں غم و غصے کی سی کیفیت کا شکار رہتے تھے، وہ بھی گویا سردست اسے بھول گئے لیکن الکپون اس فضا سے کوئی فائدہ اٹھانے کے بجائے میامی کی طرف واپس بھاگ گیا۔ اس کے مکان کی مرمت، اس میں ترامیم و اضافے اور نئے سرے سے اس کی تزئین و آرائش ہو رہی تھی۔ الکپون اس کام میں ذاتی طور پر بہت دلچسپی لے رہا تھا اور سب کچھ اپنی نگرانی میں کرانا چاہ رہا تھا۔ بیشتر کام تو ہو چکے تھے لیکن اب بھی بہت کچھ باقی تھا۔ الکپون کو اکثر کوئی نہ کوئی نیا خیال آتا رہتا تھا اور وہ اس پر عمل کرانے کی کوشش کرتا تھا۔

بیسیوں آدمی وہاں کام پر لگے ہوئے تھے۔ الکپون نے اپنی اسپیڈ بوٹ کے لئے نیا بوٹ ہاؤس، تین نئے گیراج، ماربل کی ٹائلز والی گزرگاہیں، فوارے اور نہ جانے کیا کچھ بنوایا تھا، وہ اپنے کاموں کے لئے ماہر ترین کاریگر تلاش کراتا تھا اور ہر چیز بہترین بنوانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس دوران اس کی روایتی فراخ دلی اور نوازشات کے مظاہرے بھی جاری تھے۔

ایک بار اس کے ہاں کام کرنے والے کچھ کاریگر بیرونی حصے میں کچھ ٹائلیں لگانے کا کام کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ٹفن کیریئر باہر دیوار کے ساتھ فٹ پاتھ پر رکھ دیئے تھے۔ جب انہوں نے دوپہر کے کھانے کے لئے وقفہ کرنے کا ارادہ کیا اور ٹفن کیریئر لینے باہر گئے تو وہ غائب تھے۔ کوئی چور اُچکا سب مزدوروں کے ٹفن اٹھا کر لے گیا تھا۔ مزدوروں کے منہ لٹک گئے، وہ اپنے دوپہر کے کھانے سے محروم ہو گئے تھے۔

الکپون اندر ہی موجود تھا۔ اسے اس بات کا پتہ چلا تو اس نے کچھ دیر بعد مزدوروں کو اندر بلایا۔ مزدوروں نے دیکھا کہ لمبی چوڑی شاندار ڈائننگ ٹیبل پر نہایت پرتکلف کھانے وافر مقدار میں سجے ہوئے ہیں، جو غالباً عجلت میں کسی اچھے ہوٹل سے منگوائے گئے تھے۔

الکپون نے مزدوروں کو بتایا کہ آج اس کی طرف سے ان کی دعوت ہے۔ وہ تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر جی بھر کے کھائیں۔ پھر یہ دعوت روز ہی ہونے لگی۔ الکپون نے مزدوروں کو منع کر دیا کہ انہیں گھروں سے ٹفن کیریئر لانے کی ضرورت نہیں۔

بعد میں ایک مزدور نے لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے بتایا۔ "مسٹر الکپون ہم مزدوروں سے ایسا سلوک کرتے تھے جیسے ہم مزدور نہیں بادشاہ ہوں، وہ ہمیں ایسے ایسے کھانے کھلاتے تھے، جو ہم نے خواب و خیال میں بھی نہیں کھائے تھے اور وہ کھانے بھی مسٹر الکپون ہمیں اپنی شاہانہ قسم کی ڈائننگ ٹیبل پر بٹھا کر کھلاتے تھے حالانکہ اس وقت ہم مزدوری کے کپڑوں میں ہوتے تھے، جو دھول مٹی اور سیمنٹ سے لتھڑے ہوتے تھے۔ ان کے اس سلوک کا نتیجہ تھا کہ ہم نے ان کے مکان میں اتنے دل سے کام کیا کہ زندگی میں کبھی نہیں کیا۔ ہمارا دل چاہتا تھا کہ ہم اپنا خون، پسینہ اس مکان کی بنیادوں میں رچا دیں۔ مسٹر الکپون ایک عجیب و غریب اور لاجواب آدمی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دنیا میں اگر ان جیسے آدمیوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو دنیا میں غربت بہت کم ہو جاتی اور غریبوں کو بھی اپنے کچھ سپنے پورے کرنے کا موقع ضرور ملا کرتا۔"

(جاری ہے)

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز سچی کہانی

ماضی کا ایک کردار جو کسی نہ کسی روپ میں جنم لیتا رہتا ہے

ترجمہ: محمود احمد مودی

قسط: 17

الکپون

الکپون کے اس حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ وہ مکان میں جو تبدیلیاں اور اضافے کرانا چاہتا تھا، وہ اس کی توقعات سے بڑھ کر اچھے انداز میں ہوگئے۔ مکان تیار ہونے کے بعد جب اس نے لوگوں کو اپنے ہاں مدعو کرنا شروع کیا تو وہ بڑے فخر سے انہیں مکان کی سیر کراتا اور بتاتا۔ ”اس مکان میں سارے کام میں نے خود کرائے ہیں۔ یوں سمجھو کہ جب میں نے یہ مکان لیا تو یہ محض ایک ڈھانچا تھا۔“

الکپون کو اپنی نگرانی میں یہ کام کرانے کے لئے وقت اس لئے مل گیا تھا کہ شکاگو میں اس کے کام پہلے ہی کی طرح چل رہے تھے۔ ہر شعبے کا ایک انچارج تھا جو اپنے فرائض ”خوش اسلوبی“ سے انجام دے رہا تھا۔ سب دھندے بخیر و خوبی چل رہے تھے۔

الکپون کے گروہ کا نظام کسی فرد واحد پر نہیں چل رہا تھا۔ گروہ درحقیقت بہت سے بااختیار لوگوں کا مجموعہ تھا۔ ان لوگوں کو اپنا اپنا شعبہ چلانا ہوتا تھا۔ شعبوں کے انچارج خود اپنی جگہ بڑی چیز تھے۔ چھوٹے موٹے شعبوں کے انچارج بھی مالی طور پر اتنے مضبوط تھے کہ ان میں سے کوئی کسی ہوٹل یا بلڈنگ کا مالک تھا۔ کسی کی کوئی اور جائداد تھی۔ بعض لوگ گروہ کے دھندوں سے ہونے والی آمدنی میں حصے دار تھے۔

صرف نچلے درجے کے کارکن طے شدہ معاوضوں یا تنخواہوں پر ملازم تھے لیکن وہ بھی ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مار کر اپنی آمدنی میں اضافہ کر لیتے تھے۔ غرضیکہ گروہ ہر ایک کے لئے آمدنی اور خوشحالی کا ذریعہ تھا۔

ان دنوں ملک میں مجموعی طور پر صورت حال اچھی تھی۔ امن وامان قائم تھا۔ معیشت مضبوط تھی، اسٹاک ایکسچینج میں بروکرز کے بیٹھنے کے لئے ایک سیٹ تقریباً ساڑھے تین لاکھ ڈالر میں فروخت ہو رہی تھی جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔

الکپون اسٹاک مارکیٹ کو بھی ایک بہت بڑا جوا خانہ قرار دیتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ ”لوگ مجھ جیسے شریف شہریوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ جوئے خانے چلاتے ہیں لیکن اس جوئے خانے پر کوئی اعتراض نہیں کرتے جو حکومت کی سرپرستی میں چلتا ہے۔ اس میں بھی تو لوگ بازی لگاتے ہیں۔ داؤ کھیلتے ہیں اور راتوں رات کروڑ پتی سے کنگال اور کنگال سے کروڑ پتی ہو جاتے ہیں۔ ہماری سوسائٹی واقعی تضادات کا مجموعہ ہے۔“

حالات کی سطح ہموار اور پرسکون دیکھ کر الکپون مطمئن نہیں تھا۔ اسے احساس تھا کہ گروہ کے حق میں حالات زیادہ سے زیادہ چار پانچ سال تک سازگار رہیں گے۔ ان کا سب سے بڑا ذریعہ آمدن شراب کے ٹیکس کی چوری ہی تھا۔ ظاہر ہے یہ سلسلہ ہمیشہ تو جاری نہیں رہ سکتا تھا۔ الکپون کو اندازہ تھا کہ رفتہ رفتہ حکومت اس شعبے کی خرابیاں دور کر لے گی اور نظام کچھ ایسا بن جائے گا کہ ٹیکس کی چوری ممکن نہیں رہے گی۔ اس کے بعد سارا ٹیکس حکومت کے خزانے میں ہی جائے گا اور گروہوں کی آمدنی کا ذریعہ ان کے صرف دوسرے ناجائز دھندے ہی رہ جائیں گے۔

چنانچہ الکپون اس فکر میں رہنے لگا تھا کہ گروہ کو کچھ جائز کاروبار بھی شروع کرنے چاہئیں یا ان میں شریک ہونا چاہئے تاکہ دولت کی آمد کا سلسلہ جاری رہے۔ ویسے تو گروہوں نے پہلے بھی کچھ جائز کاموں میں زبردستی ٹانگ اڑا کر اپنے لئے آمدنی کے ذرائع پیدا کر رکھے تھے۔

مثلاً یہ لوگ بہت سی بڑی صنعتوں اور دوسرے شعبوں میں کارکنوں کی یونین بنوا دیتے تھے یا پھر بنی بنائی یونین میں طاقت کے ذریعے گھس جاتے تھے اور اس پر قبضہ کر لیتے تھے۔ اس کے بعد وہ چندوں کے نام پر بھی سرمایہ اکٹھا کرتے اور صنعتوں وغیرہ کے مالکان کو ہڑتال کی دھمکیاں دے کر ان سے بھی رقمیں بٹورتے۔ یوں گویا یونین بازی بھی بدمعاشوں کے گروہوں کے لئے ایک منفعت بخش دھندہ تھا۔

یونین بازی کا نسخہ الکپون کو بھی معلوم تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ ”مزدوروں کو بس ایک شعلہ بیان مقرر کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کا لیڈر بن جاتا ہے، اس کی تقریروں سے کچھ ایسا لگتا ہے جیسے وہ مزدوروں کے حقوق کے لئے جان قربان کر دے گا۔ مزدور آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں، وہ اگر ان کی تنخواہ تھوڑی سی بڑھوا دیتا ہے تو وہ اسی پر خوش ہو جاتے ہیں اور یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کرتے کہ خود مزدور لیڈر کتنے فوائد حاصل کر رہا ہے۔“

اس کے علاوہ بھی چھوٹے پیمانے پر گروہوں نے کمائی کے عجیب عجیب طریقے دریافت کر رکھے تھے۔ وہ گیراج والوں سے کچھ کمیشن لیتے تھے اور ان کے آس پاس کے علاقوں میں گاڑیاں پنکچر کر دیتے تھے۔ ان میں کوئی چھوٹی موٹی خرابی یا توڑ پھوڑ کر دیتے تھے تاکہ وہ قریبی گیراجوں سے اپنی گاڑیاں ٹھیک کرائیں۔ وہ ایسے ہتھکنڈے بھی اختیار کرتے تھے کہ لوگ اپنی گاڑیاں کچھ مخصوص جگہوں پر کھڑی کرنے پر مجبور ہو جائیں اور اس کے لئے ماہانہ فیس ادا کریں۔

یہ لوگ بڑے بڑے کاروباری اداروں، ہوٹلوں، کمپنیوں وغیرہ سے ہی نہیں بلکہ ایسے ڈاکٹروں، انجینئروں اور دوسرے پیشہ ور لوگوں سے بھی بھتے لیتے تھے جو زیادہ مشہور تھے اور بہت کماتے تھے۔ یہ چکر الکپون کے لئے نئے نہیں تھے۔ اس نے اپنے لڑکپن کے زمانے میں نیویارک میں گروہوں کو یہ سب کچھ کرتے دیکھا تھا اور وہ خود بھی ان گروہوں میں شامل رہا تھا۔ اب اس کے اپنے گروہ کے لوگ بھی ان سب میدانوں میں اپنا جال پھیلائے ہوئے تھے اور ان سے ہونے والی آمدنی الکپون کو پہنچ رہی تھی۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ 1929ء میں کم از کم 91 ربڑی کمپنیاں اور کاروباری ادارے بدمعاشوں کے گروہوں کو بھتہ ادا کر رہے تھے اور اس میں سے 70 رفیصد حصہ الکپون کو جاتا تھا۔

ماہرین نے یہ جائزہ بھی پیش کیا تھا کہ گروہوں کی بھتہ خوری کی وجہ سے چیزوں کی قیمتوں میں 1929ء میں 13 رکروڑ کا اضافہ ہوا جو صارفین کو منتقل ہو گیا۔ دو سال بعد یہ اضافہ 20 رکروڑ پر جا پہنچا تھا۔

جن کارخانوں میں بدمعاشوں کی پشت پناہی سے چلنے والی یونین ہوتی تھی، اس کی مصنوعات کی قیمتیں یا خدمات کا معاوضہ بڑھنے لگتا تھا۔ اس کی ایک دلچسپ مثال مورس بیکر اور ماسٹر کلینرز کا قصہ ہے۔

یہ دونوں ڈرائی کلیننگ کی کمپنیاں تھیں اور ان کے پاس یکساں معیار کے بڑے بڑے پلانٹ تھے لیکن ماسٹر کلینرز کے ڈرائی کلیننگ کے ریٹس زیادہ تھے کیونکہ ان کے ہاں روبن نامی ایک پلانٹ آپریٹر موجود تھا جو مزدور لیڈر تھا اور درحقیقت بدمعاشوں کا نمائندہ تھا۔

مورس بیکر نے ریٹس کم رکھے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود وہ اچھا منافع کما رہا تھا اور اس کے پاس کام بھی زیادہ آتا تھا۔ ایک روز مزدور لیڈر اور پلانٹ آپریٹر روبن اپنی حریف کمپنی کے مالک مورس بیکر سے ملنے پہنچا۔

”اوہ..... اچھا تو تم ہو روبن.....؟“ مورس نے خوش خلقی سے کہا۔ ”میں نے تمہارا بڑا تذکرہ سنا ہے۔“

”ابھی تم میرا تذکرہ زیادہ نہیں سن رہے ہو، آئندہ زیادہ سنو گے۔“ روبن نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں، تمہیں بھی اپنی کمپنی کے ڈرائی کلیننگ کے ریٹس بڑھانے ہوں گے۔ ماسٹر کلینرز کے برابر لانے ہوں گے۔“

”ہر کمپنی کے مالک کو اپنی مصنوعات یا خدمات کے ریٹس مقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔ مجھے یہ حق آئین نے دیا ہے اور میں اسے استعمال کر رہا ہوں۔“ مورس نے اب بھی خوش مزاجی سے جواب دیا۔ وہ بنیادی طور پر ایک خوش مزاج آدمی تھا۔

”آئین کو بھول جاؤ اور مجھے یاد رکھو۔“ روبن نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”بعض چیزیں آئین سے زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ تمہیں اپنی کمپنی کے ریٹس بڑھانے ہوں گے۔“

یہ کہہ کر روبن چلا گیا۔

تین دن بعد مورس بیکر کے پلانٹ میں بم کا دھماکا ہوا۔ کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا لیکن خاصی قیمتی مشینری تباہ ہو گئی، یہ گویا ایک وارننگ تھی۔

اس کے بعد بھی مورس بیکر نے اپنے دفتر کے ایک عہدے دار سے کہا۔ ”میں جن ریٹس پر کام کر رہا ہوں، میں ان پر قائم رہوں گا۔“

اس کے اپنے ہی دفتر کے عہدے دار اور ملازم نے رازدارانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور بولا۔ ”اگر تم ان ریٹس پر قائم رہے تو پھر شاید تم دنیا ہی میں نہ رہو۔“

اسی روز اس کی اپنی ہی کمپنی کی لیبر یونین کا جنرل سیکرٹری اس سے پانچ ہزار ڈالر چندہ مانگنے آ گیا۔ اس نے چندہ دے دیا۔ اس کے باوجود اس کے ورکرز نے اچانک ہڑتال کر دی۔ اس کی فیکٹری خالی ہو گئی۔

اس نے جب ورکرز کی ہڑتال کی وجہ جاننا چاہی تو اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ کرولے سے ملے۔ کرولے، ماسٹر کلینرز کی لیبر یونین کا صدر تھا۔ مورس بیکر جا کر اپنی حریف کمپنی کی لیبر یونین کے صدر سے ملا۔

کرولے نے اس کے ساتھ بات چیت کرنے سے پہلے پانچ ہزار ڈالر چندے کا مطالبہ کر دیا۔ مورس پہلے اپنی یونین کے جنرل سیکرٹری کو چندہ دے چکا تھا۔ اس نے معذرت کی کہ وہ فوری طور پر مزید اتنی رقم کا بندوبست نہیں کر سکتا۔

”تم کتنی رقم کا بندوبست کر سکتے ہو؟“ کرولے نے ایک عجیب شان بے نیازی سے پوچھا۔

”میں کھینچ تان کر کے فی الحال تین ہزار ڈالر کا انتظام کر سکتا ہوں۔“ مورس نے بادل ناخواستہ کہا۔

”ٹھیک ہے..... باقی رقم قسطوں میں دے دینا۔“ کرولے نے گویا اس پر احسان عظیم کرتے ہوئے کہا۔

مورس بیکر اس بار رقم دینے کے بجائے ایک شریف اور معزز شہری کی طرح شکایت لے کر اسٹیٹ اٹارنی کے دفتر چلا گیا۔ اسٹیٹ اٹارنی کے دفتر والوں نے اسے اتنے چکر لگوائے کہ وہ رو دیا تاہم وہ اپنے اس مؤقف پر قائم رہا کہ اس کی شکایت پر قانونی کارروائی ہونی چاہئے۔

آخرکار اسٹیٹ اٹارنی نے گویا بادل ناخواستہ اسے اس کیس کی سماعت کے لئے بلایا۔ وہ جب اسٹیٹ اٹارنی کے دفتر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں ان لوگوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا جن کے خلاف اس نے درخواست دی تھی۔

”آپ نے ان لوگوں کو کیوں نہیں بلوایا جن کے بارے میں، میں نے شکایت کی تھی؟“ مورس نے نرمی سے دریافت کیا۔

”گواہوں یا دوسرے فریق کو بلانا ہمارا کام نہیں ہے۔“ اسٹیٹ اٹارنی نے درشت لہجے میں جواب دیا۔ ”تمہیں جس سے شکایت ہے، اسے خود ہی ساتھ لے کر ہمارے پاس آؤ۔“

”میں بھلا یہ کام کیسے کر سکتا ہوں؟“ مورس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہمیں کیا معلوم.....!“ اسٹیٹ اٹارنی کا لہجہ بدستور درشت رہا۔ پھر اس نے گویا مورس پر رحم کھاتے ہوئے ذرا نرمی سے کہا۔ ”اگر تمہیں ان لوگوں کو یہاں لانے میں مشکل درپیش ہے تو اس کے لئے تمہیں پولیس کی مدد حاصل کرنی چاہئے۔“

اس روز قانونی اور عدالتی نظام سے مورس بیکر کا دل بھر گیا۔ اس نے اسٹیٹ اٹارنی کو خدا حافظ کہا اور وہاں سے نکل آیا۔

وہ دوسرے روز الکپون کے پاس پہنچا اور اس نے اسے ڈرائی کلیننگ کے بزنس میں اپنا پارٹنر بننے کی دعوت دی۔ اس نے الکپون کو بتایا کہ وہ اپنے بزنس کو پھیلانا چاہتا ہے اور اس کاروبار میں موجودہ ریٹس برقرار رکھتے ہوئے بھی اچھی خاصی دولت کمائی جا سکتی ہے، اس کے پاس اس لائن کا بے پناہ تجربہ تھا۔

الکپون فوراً مان گیا۔ وہ تو پہلے ہی بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اسے جائز اور قانونی کاروبار میں بھی قدم رکھنا چاہئے۔ اس کی مراد بیٹھے بٹھائے پوری ہو گئی تھی۔ اسے اس کے لئے کچھ بھی نہیں کرنا پڑا تھا۔ اسے بزنس کرنے کے لئے کہیں جانا نہیں پڑا تھا۔ بزنس خود چل کر اس کے پاس آ گیا۔

الکپون کو مورس بیکر اچھا لگا۔ وہ ایک سیدھا، دیانتدار اور اصول پسند بزنس مین تھا۔ اسے الکپون جیسے آدمی کی ذات کی چھتری تلے پناہ میسر آئی تو اسے گویا کوئی فکر ہی نہیں رہی۔

جب ان کی پارٹنرشپ کامیابی سے چل پڑی تو وہ مسکراتے ہوئے اور گویا محظوظ ہوتے ہوئے لوگوں کو بتایا کرتا۔ ”بھتہ خور، جعلی یونین باز دہشت گرد اور لوگوں کے کارخانوں میں بموں سے دھماکے کرنے والے اور آگ لگانے والے اب بھی موجود ہیں لیکن انہیں چونکہ پہلے دن سے ہی پتہ چل چکا ہے کہ مسٹر الکپون میرے پارٹنر ہیں اس لئے اب وہ اس طرح مجھ سے دور رہتے ہیں جس طرح میں اور آپ بجلی کی ننگی تار سے دور رہتے ہیں۔“

پھر وہ ہلکا سا ایک قہقہہ لگاتا اور معنی خیز لہجے میں کہتا۔ ”مسٹر الکپون کو تو آپ جانتے ہی ہوں گے.....“

ماسٹر کلینرز کی یونین کے عہدیدار جنہوں نے مورس بیکر کو کچھ عرصہ پہلے چوہے کی طرح دبوچ لیا تھا۔ اب ایک بار ذرا ہمت کر کے الکپون کے دفتر پہنچے۔ انہوں نے بڑی عاجزی اور انکساری سے اس موضوع پر بات شروع کی کہ الکپون اور اس کا پارٹنر مورس بیکر بھی اپنے ڈرائی کلیننگ کے ریٹس بڑھا لیں تاکہ ماسٹر کلینرز کا بزنس کم نہ ہو۔

الکپون نے ان کی بات سننے کے بعد کہا۔ ”میرے پاس بزنس چلانے والے بہت قابل لوگ موجود ہیں اور میں خود بھی بزنس میں کچھ ایسا نااہل نہیں ہوں کہ تم جیسے لوگ مجھے مشورے دینے آ جائیں، اگر آئندہ میرے پاس آئے تو میں تمہیں کھڑکی سے باہر پھنکوا دوں گا۔“

اس کے بعد کسی کو اس سے بزنس کے بارے میں بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی، شاید اسی لئے مورس بیکر اپنے شناساؤں میں بیٹھ کر کہا کرتا تھا۔ ”اب مجھے اسٹیٹ اٹارنی کی ضرورت ہے اور نہ ہی پولیس کی..... مجھے اب اپنی یا کسی اور کمپنی کی لیبر یونین کے لیڈروں کی منت خوشامد کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے تحفظ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ اختیار کیا ہے۔“

یہ ایک مثال تو ایسی تھی کہ بزنس خود چل کر الکپون کے پاس آیا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اس نے خود کسی جائز اور قانونی کاروبار میں گھسنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کئی افراد کے کاروبار پر مسلط بھی ہوا تاہم اس کی وجہ سے کسی کاروبار کے مالک کو نقصان نہیں، فائدہ ہی ہوا۔

یونین بازی میں بھی الکپون کی ٹانگ پھنسی ہوئی تھی۔ یونینوں میں اپنے آدمی ہونے کی وجہ سے الکپون کو اپنے کاروباروں میں بھی بہت فائدہ ہوتا تھا۔ جن کاروباروں یا صنعتوں میں اس کی شراکت تھی، وہاں کبھی ہڑتال نہیں ہوتی تھی اور دوسری جگہوں پر وہ ہڑتال رکوانے کی طاقت رکھتا تھا۔

ایک بار ایک بڑی سڑک پر واقع 25 رنہایت بلند و بالا عمارتوں کے لفٹ آپریٹرز کی یونین نے ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ ان عمارتوں کے مالکان نے الکپون سے رجوع کیا اور ایک لاکھ ڈالر کا نذرانہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔ الکپون نے ہڑتال رکوا دی۔

ناجائز دھندوں کے سلسلے میں بہرحال الکپون کی کچھ حدود اور اخلاقیات تھیں مثلاً اس نے منشیات کے دھندے میں کبھی ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ شراب کا استعمال تو چونکہ مغربی معاشرے میں عام تھا اس لئے اسے تو وہ منشیات میں شمار نہیں کرتا تھا۔ الکپون تو کیا شراب کو تو عام شہری بھی منشیات میں شمار نہیں کرتے تھے۔

الکپون نے جیب کتروں سے بھی کبھی کوئی تعلق نہیں رکھا۔ جیب تراشی کو وہ ایک گھٹیا کام سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی کو اغوا کر کے تاوان وصول کرنا بھی اس کی نظر میں بہت ہی بری حرکت تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ جسے اغوا کیا جاتا ہے، اس کی فیملی بڑے عذاب سے گزرتی ہے اور یہ بڑا ظلم ہے کہ آپ خواہ مخواہ کسی کی فیملی کو سزا دیں۔

ان دھندوں کو چھوڑ کر وہ کسی بھی منافع بخش دھندے کی طرف سے بے نیازی نہیں برتتا تھا۔ تاہم ان میں بھی اس کی اخلاقیات برقرار رہتی تھیں۔ مثلاً وہ اپنے ساتھ ٹھیک طرح چلنے والوں کو کبھی ڈبل کراس نہیں کرتا تھا۔

مورس بیکر بہت بعد میں جب الکپون سے الگ بھی ہو گیا اور ماسٹر کلینرز والوں سے اس کی دشمنی بھی قصۂ پارینہ ہو گئی، تب بھی وہ کہا کرتا تھا۔ ”میں نے اپنی زندگی میں کاروباری معاملات میں الکپون جیسا دیانتدار آدمی نہیں دیکھا۔“

یہ تو شکاگو کی باتیں تھیں۔ فلوریڈا میں بھی لوگ الکپون کی دیانتداری، وعدے کی پابندی، فراخدلی اور دیگر اعلیٰ انسانی خصوصیات کے قائل رہے۔ مثلاً اس نے اپنا مکان خریدنے اور اس میں منتقل ہونے سے پہلے ایک مکان چھ ماہ کے لئے کرائے پر لیا تھا۔ وہ مکان اس نے ایک پراپرٹی ڈیلر کے توسط سے لیا تھا اور کرائے نامے میں اس کا نام کچھ اس طرح درج ہوا تھا کہ کسی کو گمان بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ یہ ”مشہور زمانہ“ شخصیت الکپون ہے۔

چنانچہ مالک مکان کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا کرایہ دار کون ہے۔ وہ ان دنوں اپنی فیملی کے ساتھ ایک طویل تفریحی سفر پر نکلا ہوا تھا۔ راستے میں ایک بار انہوں نے بحری جہاز کے ریڈیو پر خبر سنی کہ ان کے مکان میں کرائے دار کے طور پر آنے والے کا نام الکپون ہے، وہی الکپون جس کا نام سن کر لوگ خوف زدہ ہو جاتے تھے۔

وہ لوگ جب واپس آئے۔ اس وقت تک کرائے نامے کی مدت ختم ہو چکی تھی لیکن انہیں امید نہیں تھی کہ مکان خالی ہوا ہوگا بلکہ انہوں نے تو اپنے طور پر مکان کی طرف سے صبر کر لیا تھا۔ انہیں ذرا بھی توقع نہیں تھی کہ اب وہ کبھی دوبارہ اس مکان کا قبضہ حاصل کر سکیں گے۔

واپسی پر وہ یہ سن کر حیران رہ گئے کہ مکان تو کرائے نامے کی مدت سے ایک ہفتے پہلے ہی خالی ہو چکا تھا۔ تب انہوں نے سوچا کہ اس کی حالت یقیناً تباہ ہو چکی ہوگی۔ انہوں نے مکان فرنشڈ حالت میں دیا تھا۔ اس میں نہ صرف فرنیچر، بلکہ ضرورت کی دوسری چیزیں، حتیٰ کہ کراکری تک موجود تھی۔

انہیں یقین تھا کہ اب وہ سب چیزیں تباہ ہو چکی ہوں گی۔ گھر میں ان کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوں گے۔ ہر طرف گندگی ہوگی اور کاٹھ کباڑ بکھرا پڑا ہوگا۔ دیواروں پر گولیوں کے نشانات ہوں گے۔ ممکن ہے کچھ جگہوں پر خون کے دھبے بھی ہوں۔ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ چکے ہوں گے۔ مکان اس میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہا ہوگا جہاں سے فوجیں رخصت ہو چکی ہوں۔ وہ لوگ مکان میں چاندی کے کچھ برتن بھی چھوڑ کر گئے تھے، ان کے ملنے کی تو اب انہیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔

جب وہ پراپرٹی ڈیلر سے چابی لے کر مکان پر پہنچے تو حیرت سے ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ مکان پہلے سے بہتر حالت میں تھا۔ اندر بھی یہی صورتحال تھی۔ کسی چیز پر ایک لکیر، ایک خراش تک نہیں تھی، گھر کی حالت اب زیادہ اچھی نظر آ رہی تھی، سامان میں کچھ اضافہ ہو چکا تھا۔ ان کا کرایہ دار جو ان کے خیال میں دنیا کے خطرناک ترین بدمعاشوں کا سردار تھا، اپنی بہت سی چیزیں وہاں چھوڑ کر جا چکا تھا، جو مالک مکان کی چیزوں سے زیادہ اچھی تھیں، ان میں قیمتی کراکری بھی شامل تھی۔

الکپون کے ہاں چونکہ ضیافتیں وغیرہ چلتی رہتی تھیں اس لئے اسے زیادہ سامان کی ضرورت پڑتی تھی۔ چنانچہ اس نے بہت سی اضافی چیزیں خریدی تھیں، جو وہ ساتھ لے کر نہیں گیا تھا۔ مکان میں ہی چھوڑ گیا تھا۔ یوں مالک مکان کا سامان تقریباً دگنا ہو گیا تھا۔ اسے اور اس کی بیوی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

صرف ایک چیز انہیں ذرا کھٹکی، جو اس صورت حال میں عجیب لگ رہی تھی۔ وہ یہ کہ ان کا کرائے دار صرف ٹیلیفون کا ایک بل غیر ادا شدہ چھوڑ گیا تھا جو تقریباً چار سو ڈالر کا تھا۔

انہیں اس سلسلے میں زیادہ دیر حیران ہونے کا موقع نہیں ملا۔ جلد ہی الکپون کی بیوی مے آن پہنچی۔ اس نے معذرت کی کہ وہ فون کا بل ادا کرنا بھول گئی تھی۔ بل کی ادائیگی کے لئے اس نے پانچ سو ڈالر کا نوٹ پیش کیا۔

مالک مکان کی بیوی ادھر ادھر ہاتھ مارنے کے بعد شرمندگی سے بولی۔ ”ہمارے پاس بقایا دینے کے لئے سو ڈالر نہیں ہیں۔“

”چھوڑیں سوڈا رکو......!“ سے بے پروائی سے ہاتھ ہلا کر بولی۔ ”ہو سکتا ہے ہم سے کوئی چھوٹی موٹی ٹوٹ پھوٹ ہوگئی ہو، اس میں حساب برابر کر لیجئے گا۔“

☆......☆......☆

نیویارک میں موجود فرینک ییل، الکپون کا ابتدائی زمانے کا باس تھا

مگر بعد میں دوست ساتھی اور شریک کار بن گیا تھا۔ دونوں بوقت ضرورت ایک دوسرے کے کام بھی آتے تھے۔ ییل اپنی جگہ ایک گروہ کا سرغنہ اور خطرناک قاتل تھا۔

الکپون نے جب امریکا میں موجود اطالویوں کی اصل مافیائی فیملی ”یونین“ کا سربراہ لمبارڈو کو بنوایا تب سے ییل کے دل میں الکپون کے بارے میں کچھ میل آ گیا تھا کیونکہ وہ لمبارڈو کو پسند نہیں کرتا تھا اور یہ دیکھ دیکھ کر بھی وہ کڑھتا تھا کہ مافیا کا سربراہ ہونے کی وجہ سے لمبارڈو کو کتنے فوائد حاصل تھے اور اس کی دولت میں کتنی تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے خیال میں الکپون نے اسے مافیا کا سربراہ بنوانے کے سلسلے میں اس کی پشت پناہی کر کے کچھ اچھا نہیں کیا تھا۔

ییل نیویارک میں گویا الکپون کا نمائندہ تھا۔ الکپون کی غیر قانونی شراب نیویارک بھی آتی تھی۔ اس کے ٹرک لانگ آئی لینڈ پہنچتے تھے اس کے بعد یہ ییل کی ذمے داری تھی کہ وہ اپنے گروہ کی مدد سے پورے نیویارک میں ان کی محفوظ نقل و حرکت کو ممکن بنائے۔ نیویارک سے ہونے والی آمدنی میں ییل شریک تھا۔

یہ انتظامات کافی عرصے سے بحسن و خوبی چل رہے تھے لیکن پھر دھیرے دھیرے یہ ہونے لگا کہ الکپون کے ٹرک راستے میں لوٹ لئے جاتے۔ کافی دنوں تک الکپون نے صبر کیا لیکن پھر نقصان نمایاں حد تک بڑھنے لگا، حتیٰ کہ الکپون کو محسوس ہونے لگا کہ اسے شراب نیویارک بھیجنے اور اتنا دردِ سر مول لینے میں کوئی فائدہ ہی نہیں۔ تشویش کی بات یہ تھی کہ ٹرک بروکلین کے علاقے میں زیادہ اغوا ہوتے تھے اور لوٹ لئے جاتے تھے جہاں خود ییل کے اپنے گروہ کی حکمرانی تھی جسے بلیک ہینڈ گینگ میں شمار کیا جاتا تھا۔

الکپون کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں ییل اسے ڈبل کراس تو نہیں کر رہا؟ نیویارک میں اس کا ایک نہایت سمجھ دار اور قابل اعتماد ساتھی ڈی اماتو موجود تھا۔ اس نے ڈی اماتو سے اپنے شبہات کا تذکرہ کیا اور اسے اس معاملے کی تحقیقات کی ہدایت کی۔

ڈی اماتو نے خاموشی اور راز داری سے اس معاملے کی تحقیقات کی اور آخر الکپون کو رپورٹ دی کہ اس کا شبہ درست تھا۔ ییل خود ٹرک ہائی جیک کرا رہا تھا۔ ڈی اماتو یہ رپورٹ ایک پبلک فون کے ذریعے دے رہا تھا جو سڑک کے کنارے لگا ہوا تھا۔ جب وہ فون بند کر چکا تو اسے شبہ ہوا کہ کوئی اس کی باتیں سن رہا تھا...... شاید ییل کا کوئی آدمی......!

وہ لوگ اپنی دانست میں احتیاطاً کوئی اہم اور راز کی بات کرتے وقت پبلک فون استعمال کرتے تھے۔ ڈی اماتو کو نہیں معلوم تھا کہ یہ احتیاط مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔ اسے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اسے گھات لگا کر ییل کو ٹھکانے لگا دینا چاہئے ورنہ ییل اسے نہیں چھوڑے گا۔

ایک رات وہ ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھ گیا جہاں سے اسے ییل کے گزرنے کی امید تھی۔ ییل تو وہاں سے گزرا لیکن ڈی اماتو اسے ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے سات فائر کئے مگر ییل کی ابھی زندگی باقی تھی۔ ایک بھی گولی اسے نہ لگ سکی۔ ڈی اماتو کو خود جان بچا کر بھاگنا پڑا۔

اس کے چھ دن بعد ڈی اماتو ایک رات کسی کے انتظار میں فٹ پاتھ پر کھڑا تھا۔ ایک گاڑی اس کے قریب سے گزری اور تین فائر ہوئے۔ فائر پستول سے کئے گئے تھے۔ ڈی اماتو کے دو گولیاں لگیں۔ ایک گردن میں اور دوسری سینے میں پیوست ہوگئی اور وہ وہیں گر کر مر گیا۔

اس کے بعد بھی الکپون کے شراب کے ٹرک لوٹے جانے کا سلسلہ جاری رہا۔ الکپون کا غصہ بتدریج بڑھتا رہا۔ ایک تو اسے اس بات کا دکھ تھا کہ اس کا لنگوٹیا ساتھی ییل اسے دھوکا دے رہا تھا، اس سے غداری کر رہا تھا۔ دوسرے، اسے ڈی اماتو کی موت کا بھی صدمہ تھا، وہ اس کا پرانا آدمی تھا اور ضرورت پڑنے پر اس کے لئے جاسوس کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ اس کے قتل پر الکپون کو دکھ ہونے کے ساتھ ساتھ شدید غصہ بھی آیا تھا۔

تاہم ان دنوں الکپون بہت مصروف تھا اور کچھ پریشانیوں میں بھی پھنسا ہوا تھا اس لئے فوری طور پر اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا تھا لیکن یہ چیز اس کے ذہن میں بہرحال اٹکی ہوئی تھی۔ وہ جب فلوریڈا منتقل ہوا تو اس کے پاس خوب وقت تھا، اب اس نے اس معاملے کی طرف توجہ دی۔

جون کے اواخر میں اس نے ایک ایک کر کے اپنے خاص اور قریبی آدمیوں کو صلاح مشورے کے لئے فلوریڈا بلایا۔ اکٹھے اس لئے نہیں بلایا کہ اگر کسی کی توجہ ان لوگوں کی طرف ہو تو اسے کسی گڑبڑ کا احساس نہ ہو۔ ان میں اس کا بزنس منیجر گوزک، پیشہ ور قاتل اسکیل اور ایلسل بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ الکپون کا خاص الخاص قاتل میک گرن بھی آیا۔

دو دن بعد یہ لوگ شکاگو جانے والی ٹرین میں سوار ہوئے لیکن تینوں قاتل راستے میں ناکس ول کے مقام پر اتر گئے۔ وہاں ان میں سے ایک نے فرضی نام سے ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی خریدی جس میں وہ تینوں سڑک کے راستے نیویارک کی طرف روانہ ہوئے۔

بروکلین پہنچ کر میک گرن اپنے دونوں ساتھیوں کی رہنمائی کرنے لگا کیونکہ وہ اسی علاقے میں پیدا ہوا تھا اور پلا بڑھا تھا۔

یکم جولائی کو ییل اپنے گھر سے نکلا اور اپنی نسواری رنگ کی لنکن میں بیٹھ کر اپنے کاموں کے لئے روانہ ہوا۔ اس کا ڈرائیور جیمس گاڑی چلا رہا تھا۔ جیمس کی حیثیت محض ڈرائیور کی نہیں تھی، وہ کسی حد تک ییل کا ساتھی بھی تھا۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا پیتا بھی تھا۔

چار بجے وہ دونوں ییل کے اپنے کیفے ”سن رائز“ میں بیٹھ کر پینے پلانے کا شغل کر رہے تھے کہ اچانک ییل کے گھر سے فون آیا۔ اس کی دوسری بیوی لوسی کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ وہ اپنی پہلی بیوی ماریا اور دو بیٹیوں کو چھوڑ چکا تھا۔

شاید اسے بیوی کے بارے میں کچھ زیادہ ہی تشویشناک خبر ملی تھی کیونکہ وہ بہت ہی تیزی سے روانہ ہو گیا۔ جیمس نے کہا کہ گاڑی وہ چلائے گا لیکن ییل نے اسے بھی ساتھ نہ لیا اور خود ہی لنکن لے کر تیز رفتاری سے روانہ ہو گیا۔

چند لمحوں بعد اس نے محسوس کیا کہ سیاہ رنگ کی ایک کار اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس نے گھر جاتے جاتے اپنا راستہ بدل لیا اور تصدیق کرنے کی کوشش کی کہ کیا واقعی اس کا تعاقب ہو رہا تھا مگر اسی دوران سیاہ کار اس کی گاڑی کے قریب آ گئی اور پھر فائرنگ کی خوفناک آوازیں آنے لگیں۔

بیک وقت پستول، شاٹ گن اور مشین گن استعمال کی جا رہی تھی۔ ییل کی کار بری طرح لہرائی اور پھر اونچے فٹ پاتھ سے جا ٹکرائی۔ اس وقت تک ییل کے سر میں بھی گولیاں لگ چکی تھیں۔ اس کے باوجود سیاہ کار سے ایک آدمی اتر کر آڑی ترچھی حالت میں کھڑی ہوئی لنکن کے قریب آیا اور اس نے پستول سے مزید فائر کر کے ییل کا بچا کھچا بھیجا بھی باہر نکال دیا۔

قاتل چند لمحوں میں وہاں سے فرار ہو گئے۔ وہ اس مقام کے قریب پہنچے جہاں سے اسٹیٹن آئی لینڈ کے لئے فیری چلتی تھی، وہاں انہوں نے اپنی گاڑی ایک گلی میں چھوڑ دی۔ قریب ہی ایک دوسری کار ان کی منتظر تھی۔ وہ اس میں بیٹھے اور نیو جرسی جانے والے ایک پل کی طرف روانہ ہو گئے جو نیا تعمیر ہوا تھا۔

سیاہ کار بعد میں پولیس کو لاوارث حالت میں کھڑی مل گئی۔ اس میں وہ تینوں ہتھیار بھی موجود تھے جو ییل کو قتل کرنے کے لئے استعمال کئے گئے تھے۔ پولیس نے ان ہتھیاروں کے ذریعے باریک بینی سے تفتیش کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ الکپون کی ذات کی طرف کچھ اشارے ملے لیکن محض اشاروں سے کیا ہوتا تھا؟

ییل کے دوستوں نے اس کی تکفین اور تدفین کے نہایت شاندار انتظامات کئے۔ جنازے کے جلوس کے آگے جس بڑی سی سیاہ میت گاڑی میں اس کا تابوت جا رہا تھا۔ اس پر جلی حروف میں لکھا تھا۔ ”ہم تمہارا انتقام لیں گے دوست۔“

میامی کے اٹارنی نے پوچھ گچھ کے لئے الکپون کو بلایا۔ اس نے سادگی سے کہا کہ وہ بھلا ییل کے قتل کے سلسلے میں کیا بتا سکتا ہے؟ وہ تو ییل کے قتل کے وقت فلوریڈا میں تھا۔ اس کے علاوہ وہ اب ڈرائی کلیننگ کا بزنس کر رہا تھا اور موریس بیکر جیسا شریف آدمی اس کا پارٹنر تھا۔

یہ پوچھ گچھ محض ایک رسمی اور کاغذی کارروائی ثابت ہوئی۔

جولائی کے آخر میں الکپون شکاگو واپس آیا تو میٹرو پول ہوٹل میں واقع اس کے ہیڈ کوارٹر پر چھاپہ پڑ گیا۔ اس کے آدمیوں کے پاس جو اسلحہ تھا، اس کے بارے میں تحقیقات شروع ہوگئی تھی کہ کن کن ہتھیاروں کے لائسنس موجود تھے اور ان میں سے کتنے اصلی تھے۔ اگر اصلی تھے تو کس بنیاد پر حاصل کئے گئے تھے۔

اس ساری تحقیقات کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ الکپون کو اپنا ہیڈ کوارٹر تبدیل کرنا پڑ گیا۔ اب اس نے لیکسنگٹن ہوٹل میں پناہ لی۔ یہ بھی ایک نہایت معیاری ہوٹل تھا اور ایک بار امریکی صدر نے بھی اس میں قیام کیا تھا لیکن اب یہ زوال پذیر تھا۔

اس کے منیجر کو پتہ بھی نہیں چل سکا کہ اس کے ہوٹل میں الکپون مستقل کرائے دار کے طور پر آ چکا تھا۔ اسے اخبار نویسوں نے اس بات سے آگاہ کیا تو وہ حیران رہ گیا اور بے یقینی سے تقریباً چلا اٹھا۔ ”الکپون......؟ میرے ہوٹل میں......؟“

وہ اپنی جگہ حیران ہوتا رہا اور اس کے ہوٹل میں الکپون کے کمروں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ تیسرا اور چوتھا پورا فلور اس کے استعمال میں آنے لگا۔ ان کے علاوہ دوسرے فلورز پر بھی اس کے کمرے تھے۔ مجموعی طور پر یہاں بھی اس کے پاس پچاس کمرے ہو گئے۔ ان میں سے کئی میں الکپون کی پسندیدہ عورتیں بھی قیام پذیر ہو چکی تھیں۔

انہی میں ایک نوخیز یونانی لڑکی بھی تھی۔ وہ دیومالائی کہانیوں کی کوئی حسینہ معلوم ہوتی تھی۔ اپنے غیر معمولی حسن کی بدولت وہ الکپون کی منظورِ نظر تھی۔

ایک بار اس نے ایک تکلیف کی شکایت کی۔ الکپون نے اسے اپنے خاص ڈاکٹر کے پاس بھیج دیا۔ اس نے کئی ٹیسٹ وغیرہ کرانے کے بعد انکشاف کیا کہ لڑکی کو ایک خوفناک بیماری لاحق تھی۔

لڑکی کا پریشان ہونا تو اپنی جگہ تھا لیکن الکپون کے بھی پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ بھی دوڑا دوڑا اپنے ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ اس نے تصدیق کر دی کہ یہ بیماری الکپون کو بھی لگ چکی تھی۔

اس کا خاصا علاج ہوا اور ٹیسٹوں وغیرہ سے پتہ چلا کہ وہ صحت یاب ہو گیا تھا۔

اس کے نئے ہیڈ کوارٹر میں ابتداء میں جو خاص خاص لوگ اس سے ملنے آئے، ان میں لوئیش بھی شامل تھا۔ یہ شخص بنیادی طور پر وکیل تھا لیکن سخت محنت کے ساتھ ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا اب ایک بڑے سرکاری عہدے پر پہنچ چکا تھا۔ وہ ”شکاگو کرائم کمیشن“ کا سربراہ تھا۔

وہ سفید بالوں والا ایک مستعد اور دراز قد شخص تھا۔ اس کی عمر 76 سال تھی مگر وہ بہت سے نوجوانوں سے زیادہ فعال تھا۔ اس کا کہنا تھا۔ ”امریکی لوگ گینگسٹر نہیں ہیں۔ اطالویوں اور دوسرے تارکین وطن نے امریکا میں گروہ بازی کو رواج دیا ہے اور یہودیوں نے اپنے سرمائے سے ان کی مدد کی ہے۔“

اس کا یہ بھی کہنا تھا۔ ”یہودی وہ لوگ ہیں جو بدمعاشی میں بھی ”سرمایہ کاری“ کرتے ہیں۔“

وہ مسولینی کی اس معاملے میں زبردست حمایت کرتا تھا کہ وہ اپنے ملک اٹلی میں مافیا سے سختی سے نمٹ رہا تھا۔

لوئیش کو ایک بہت بڑی مہم درپیش تھی۔ وہ نومبر میں ہونے والے انتخابات کو دہشت گردی اور خونریزی سے بچانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بدمعاشوں میں ایک ہی ایسا طاقت ور آدمی موجود تھا جس کے پاس دماغ بھی تھا۔ لوئیش کو اندیشہ تھا کہ وہ شخص صدارتی انتخابات پر اثر انداز ہو گا۔

اس شخص کا نام الکپون تھا۔

لوئیش کو یہ بھی معلوم تھا کہ الکپون کا پسندیدہ امیدوار تھامسن پرائمری مرحلے میں ہار چکا تھا اور اب یہ امکان کم ہی تھا کہ الکپون کسی بھی امیدوار کی حمایت یا مخالفت کرتا، اس کے باوجود خطرہ بہرحال موجود تھا کہ مافیا اور دوسرے بدمعاش انتخابات میں دخل اندازی کریں۔ لوئیش انتخابات کو اسی خطرے سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میئر کی حیثیت سے تھامسن جب اپنے آخری دن گزار رہا تھا تو اس نے الکپون کی طرف سے آنکھیں پھیر لی تھیں اور اسے شہر بدر کرا دیا تھا، اس کے باوجود الکپون نے صدارتی انتخابات کے پرائمری مرحلے میں تھامسن کی مدد کی تھی کیونکہ وہ اس وقت بھی اگر تھوڑا بہت خوش گمان رہ سکتا تھا تو تھامسن ہی کی طرف سے رہ سکتا تھا۔

بہرحال لوئیش مستقبل کے اندیشوں اور خطرات کا سدباب کرنے کے لئے الکپون کے پاس جا پہنچا۔ وہ اسے تھوڑی سی ”اصلاح“ کی دعوت بھی دینا چاہتا تھا۔ اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ اپنی دولت، طاقت اور ذہانت کو ملک کی بہتری کے لئے استعمال کرنے کی غرض سے ایک ”اچھا امریکی“ کیوں نہیں بن جاتا۔

اپنے دل میں یہ ”عظیم مقصد“ لے کر وہ الکپون سے ملاقات کا وقت طے کر کے اس کے ہیڈ کوارٹر جا پہنچا۔ اس نے بعد میں اس ملاقات کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا۔ ”جب میں وہاں پہنچا تو پچیس تیس آدمی ہوٹل کے سامنے اور آس پاس پہرہ دے رہے تھے، وہ یقیناً خالص امریکی نہیں تھے۔ ان سب کی رنگت میں ایک ہلکا سا لولا پن تھا اور ان کے چہرے پتھرائے ہوئے سے دکھائی دے رہے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ انہیں انگریزی بولنی بھی نہیں آتی تھی۔ وہ سب مسلح تھے اور جب میں الکپون کے کمرے میں پہنچا تو وہاں بھی کم از کم چھ مسلح آدمی موجود تھے اور ان کی انگلیاں بار بار بے چینی سے اپنے پستولوں کو چھونے لگتی تھیں۔ میں اپنے آپ کو بے پروا ظاہر کرنے کے لئے الکپون کے کمرے میں دیوار پر لگی ہوئی تصویریں دیکھنے لگا۔ وہاں دو امریکی صدور کی تصاویر کے ساتھ میئر تھامسن کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی۔“

ادھر ادھر کی باتوں اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد لوئیش نے اصل موضوع پر بات شروع کی اور پوچھا۔ ”مجرم بھی تمہارے دشمن ہیں اور قانون بھی...... کیا تمہیں امید ہے کہ دونوں سے محاذ آرائی برقرار رکھتے ہوئے تم زندگی گزار لو گے؟“

”قانون کے بارے میں تو مجھے کچھ زیادہ خطرہ نہیں۔“ الکپون نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے جواب دیا۔ ”قانون تو شاید میرا ابھی کچھ نہ بگاڑ سکے البتہ اگر میں اپنے دشمنوں کی طرف سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل ہوا تو وہ ضرور مجھے ڈھیر کر دیں گے لیکن میں ان کی طرف سے غافل ہوں گا ہی نہیں۔“

مزید چند منٹ اسی طرح کی باتیں ہلکے پھلکے انداز میں ہوتی رہیں پھر لوئیش بولا۔ ”میں دراصل ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔ مجھے...... یا یوں سمجھو کہ اس ملک کو اور یہاں کے قانون کو ایک معاملے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے، میں چاہتا ہوں تم صدارتی انتخابات میں اپنے اطالوی غنڈوں کو انتخابات سے دور رکھو۔“

لوئیش کے لہجے میں التجا پنہاں تھی۔ گو کہ بظاہر وہ حکومت کا ایک مضبوط نمائندہ بن کر حتی الامکان تحکمانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔ الکپون کے لئے اس التجا آمیز ہدایت پر عمل کرنا قطعی مشکل نہیں تھا۔ درحقیقت وہ تو ایسا ہی سوچے بیٹھا تھا۔

وہ مصلحت کے تحت جس امیدوار کی حمایت کر رہا تھا، وہ پرائمری میں ہی ہار چکا تھا۔ اب الکپون کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ کوئی ڈیموکریٹ کامیاب ہوتا ہے یا ری پبلکن...... لیکن یہ بات اس کے لئے طمانیت کا باعث تھی کہ حکومت کا ایک طاقت ور نمائندہ اس کے پاس اس قسم کی درخواست لے کر آیا تھا، اس کا مطلب تھا کہ حکومتی سطح پر اس کی طاقت کو محسوس اور تسلیم کر لیا گیا تھا، یہ ایک الگ بحث تھی کہ یہ طاقت منفی تھی یا مثبت......!

”ٹھیک ہے۔“ الکپون نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔ ”میرے آدمی الیکشن میں مداخلت نہیں کریں گے۔ میں ان دوسرے گروہوں کو بھی کوئی حرکت کرنے سے روک دوں گا جو میرا کہنا مانتے ہیں لیکن آئرش گروہوں کو روکنے کے لئے تمہیں پولیس کی مدد لینی ہوگی۔“

”ٹھیک ہے۔“ لوئیش طمانیت سے بولا۔ ”آئرش غنڈے ہمارے لئے مسئلہ نہیں ہیں، انہیں ہم پولیس کے ذریعے قابو میں کر لیں گے۔“

اس نے واپس آ کر ہینیٹ کمیٹی کو حلفیہ طور پر اس ملاقات کی رپورٹ دی۔ الیکشن سے پہلے بڑی تعداد میں خصوصی بکتر بند گاڑیاں تیار کی گئیں اور ان آئرش بدمعاشوں کی پکڑ دھکڑ کی گئی جن کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ الیکشن میں گڑبڑ کریں گے۔ یوں بہرحال الیکشن پرامن فضا میں ہو گئے۔ کوئی گڑبڑ، جھگڑا یا خونریزی نہیں ہوئی۔

لوئیش نے اطمینان کی گہری سانس لے کر فخر سے اعلان کیا۔ ”تیس برس میں یہ پہلے صاف ستھرے اور شفاف انتخابات ہیں جن میں کوئی گڑبڑ، کوئی بے ایمانی نہیں ہوئی۔ کسی امیدوار نے دھاندلی کی شکایت نہیں کی۔“

ان انتخابات سے پہلے بروکلین کے بلیک ہینڈ گینگ والوں نے ییل کی موت کا انتقام لینے کی اپنی سی کوشش کی جس کا عہد انہوں نے ییل کے جنازے پر کیا تھا۔ اس معاملے میں انہیں جوزف ایلو کی مدد بھی حاصل تھی جو اپنی طاقت کو نئے سرے سے منظم کر چکا تھا اور جسے الکپون سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

الکپون واپس میامی جا چکا تھا۔ الکپون خواہ میامی میں ہوتا یا شکاگو میں...... ان لوگوں کے لئے اس کا کچھ بگاڑنا بہت مشکل تھا۔ وہ گویا اب ایک آہنی حصار میں رہتا تھا۔ یہ لوگ اپنی تمام تر طاقت کے باوجود اس تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ الکپون نے یہ بھی سچ کہا تھا کہ وہ کبھی غافل نہیں ہوتا تھا۔

چنانچہ بروکلین والوں نے فیصلہ کیا کہ ٹونی لمبارڈو ہی کو نشانہ بنا کر اپنے انتقام کی آگ کچھ ٹھنڈی کی جائے۔ لمبارڈو، الکپون کے تعاون سے مافیا کا سربراہ بنا تھا لیکن اس اہم ”عہدے“ پر ہوتے ہوئے بھی وہ کچھ زیادہ حفاظتی انتظامات کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی کسی سے براہ راست اس قسم کی دشمنی نہیں ہے کہ کوئی اسے قتل کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے شاید یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ کسی اور کے حصے کے انتقام کا نشانہ بھی بن سکتا ہے۔

وہ نوعمری میں سسلی سے امریکا آیا تھا۔ اس وقت اس کی جیب میں صرف بارہ ڈالر تھے۔ امریکا آنے کے لئے ویسے بھی ان دنوں یہ ایک لازمی شرط تھی کہ تارک وطن کی جیب میں کم از کم بارہ ڈالر ضرور ہوں۔ اب لمبارڈو 36 سال کا تھا اور کروڑ پتی تھا۔

اس روز وہ ”یونین“ یعنی مافیا کے ہیڈ کوارٹر میں معمول کے کام نمٹا کر ساڑھے چار بجے کے قریب باہر آیا۔ وہ 7 ستمبر جمعہ کا دن تھا، اس کے دو باڈی گارڈز فیرو اور لارڈو اس کے ساتھ تھے۔

وہ تینوں سڑک کے موڑ تک پہنچے اور وہاں سے سڑک عبور کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ان کی توجہ ایک چیز کی طرف چلی گئی۔ دوسرے بہت سے لوگ بھی اسی طرف متوجہ تھے اور اشتیاق سے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔ دراصل ایک بڑے اسٹور نے اپنے ہاں سیل شروع کرنے کے لئے گاہکوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے سچ مچ کا ایک چھوٹا سا جہاز اپنے دروازے کے سامنے کھڑا کرنے کے لئے منگوایا تھا۔ مزدور اس وقت اسے صحیح جگہ پر سیٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

لمبارڈو اور اس کے دونوں باڈی گارڈز کی توجہ بھی اس طرف مبذول ہوگئی اور وہ چند لمحوں کے لئے اپنے گرد و پیش سے غافل ہو گئے۔ وہ ان دو آدمیوں کو نہ دیکھ سکے جو ذرا مشکوک سے انداز میں ایک مشہور ریسٹورنٹ کے سامنے برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔

اچانک ان میں سے ایک کی نظر لمبارڈو پر پڑی اور وہ اپنے ساتھی کو خبردار کرنے کے لئے گویا بے اختیار چلا اٹھا۔ ”وہ آ گیا......!“

پھر ان دونوں نے پستول نکالے اور تیزی سے لمبارڈو اور اس کے باڈی گارڈز کی طرف لپکے۔

(جاری ہے)

ترجمہ : محمود احمد مودی | قسط : 18

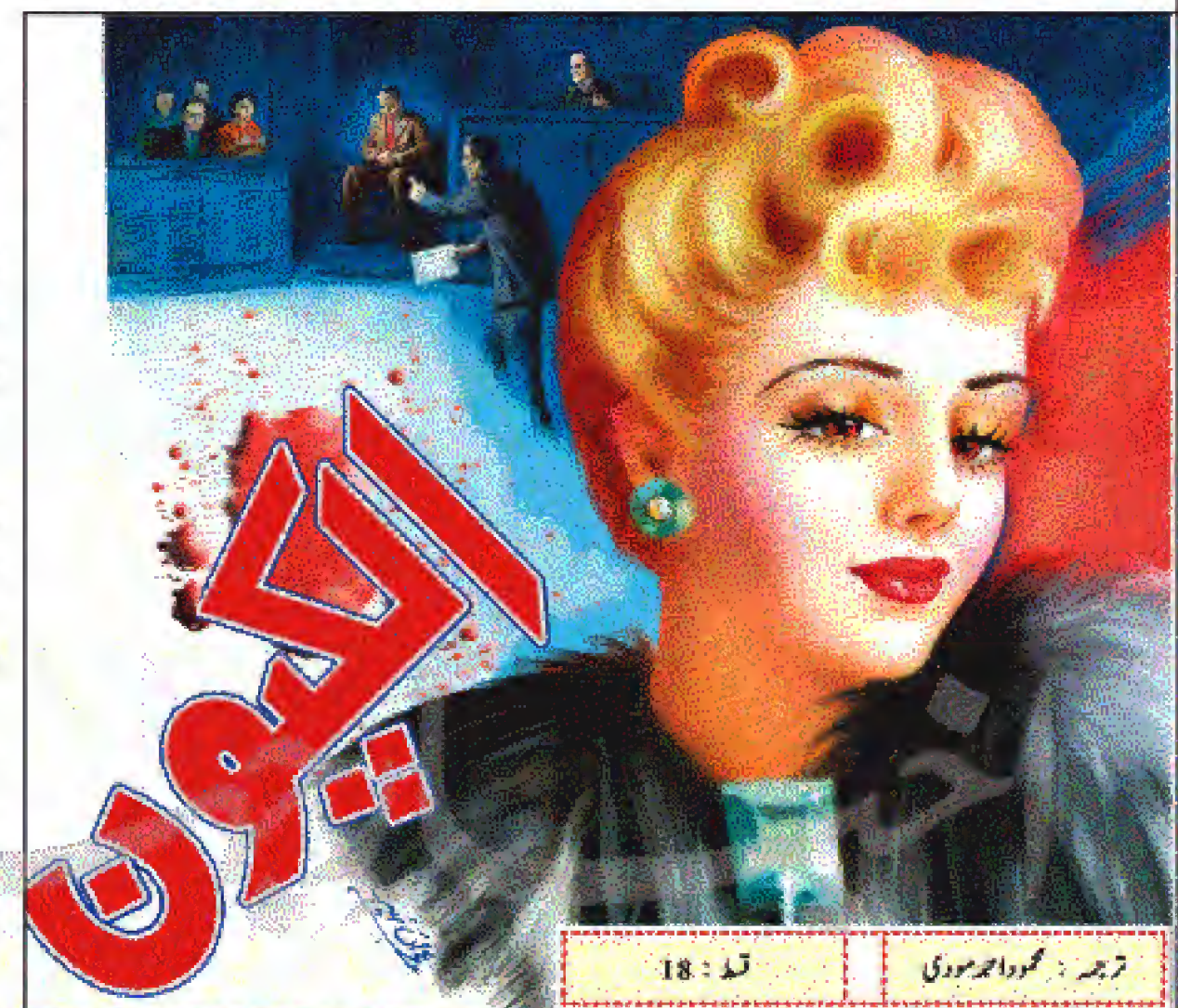

جرائم کے بادشاہ کی انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز سچی کہانی

ماضی کا ایک کردار جو کسی نہ کسی روپ میں جنم لیتا رہتا ہے

لمبارڈو اور اس کے دونوں باڈی گارڈز بروقت حملہ آوروں کو نہیں دیکھ سکے۔ وہ دوسری طرف متوجہ تھے۔ فائر ہوئے اور سب سے پہلے گولیاں باڈی گارڈ فیروکی ریڑھ کی ہڈی میں لگیں۔ وہ وہیں گرا اور کچھ دیر بعد مر گیا۔

دو گولیاں لمبارڈو کے سر کے پچھلے حصے میں لگیں۔ وہ موقع پر ہی مر گیا۔ لارڈو کو کوئی گولی نہیں لگی لیکن اس کے ساتھ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ وہ قاتلوں کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑا تو پولیس نے اسی کو مشکوک سمجھ کر پکڑ لیا اور قاتل اس دوران فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

لمبارڈو کی تدفین بھی مافیا کی روایات کے مطابق شاندار طریقے سے عمل میں آئی۔ الکپون نے بھی اس میں شرکت کی۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ کسی کے جنازے پر غم کے اظہار کا اس کا یہ مخصوص طریقہ تھا۔ اس نے قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی جو من بھر وزنی تھی۔ تدفین کے بعد وہ میامی واپس چلا گیا۔

لمبارڈو کے بعد اس کے باڈی گارڈ لارڈو کا بھائی "یونین" یعنی مافیا کا سربراہ بنا۔ وہ پٹسی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اسے بھی زیادہ عرصے اس "عہدے" پر فائز رہنا نصیب نہیں ہوا۔ درحقیقت اسے "یونین" کا صدر بننے کے بعد زیادہ عرصے دنیا میں ہی رہنا نصیب نہیں ہوا۔

وہ اور اس کی بیوی ایلینا اس روز بازار سے واپس آئے تو انہیں دو آدمی دروازے پر کھڑے ملے۔ پٹسی اور ایلینا ایک تین منزلہ عمارت کے سب سے اوپر والے کشادہ اور آراستہ و پیراستہ اپارٹمنٹ میں رہتے تھے، وہ بلڈنگ پٹسی کی اپنی ملکیت تھی۔

اپارٹمنٹ کے دروازے پر جو دو افراد منتظر انداز میں کھڑے تھے، انہیں ایلینا اس سے پہلے بھی کئی بار گھر میں آتے جاتے اور اپنے شوہر سے ملاقات کرتے دیکھ چکی تھی لیکن وہ ان کے نام نہیں جانتی تھی۔ وہ پٹسی کے ساتھ اندر آ گئے اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔

ایلینا نے ان کے لئے کھانا لگایا اور خود کچن میں کام میں مصروف ہو گئی۔ آوازوں سے اسے اندازہ ہوا کہ مہمان کچھ دیر بعد چلے گئے تھے لیکن اس کے پانچ منٹ بعد ہی دستک ہوئی اور شاید کچھ اور مہمان آ گئے کیونکہ اس نے اپنے شوہر کی جو آوازیں سنیں، ان سے اندازہ ہوا کہ وہ کسی کو گرمجوشی سے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔

ڈرائنگ روم کا ایک دروازہ چونکہ باہر کی طرف بھی تھا، اس لئے جب اس کا شوہر ڈرائنگ روم میں ہوتا تھا تو اس کے شوہر کے ملاقاتی باہر سے باہر آتے جاتے رہتے تھے اور ایلینا ان کی شکل بھی نہیں دیکھ پاتی تھی۔ اس کے شوہر کو اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ آواز دے کر منگوا لیتا تھا۔

ایلینا کچن میں اپنے کام میں مصروف رہی۔ ملازمہ اس وقت فرش پر پونچھا لگا رہی تھی۔ ایلینا ایک گھنٹے تک ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں سنتی رہی پھر اچانک اسے فائروں کے دھماکے سنائی دیئے۔ وہ ڈرائنگ روم کی طرف دوڑی اور اندرونی دروازہ کھول کر جب وہ وہاں پہنچی تو اس نے تین آدمیوں کو سامنے کھڑے پایا۔ ان کی پشت اس کی طرف تھی۔ وہ ان کے درمیان سے گزر کر اپنے شوہر تک پہنچی جو آتش دان کے سامنے مڑی تڑی حالت میں پڑا تھا۔

اس کے سر سے بے تحاشا خون بہہ رہا تھا۔ ایلینا نے اس کے سر کے نیچے ایک کشن رکھا۔ اس دوران وہ تینوں قاتل اطمینان سے رخصت ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنا پستول وہیں پھینک دیا۔ دوسرے نے جاتے وقت اپنا پستول نیچے سیڑھیوں میں پھینک دیا۔ انہوں نے اٹھارہ گولیاں چلائی تھیں جن میں سے گیارہ پٹسی کو لگی تھیں۔

الکپون سے تعلق رکھنے والا وہ پندرہواں آدمی تھا جو قتل ہوا تھا۔ جو گروہ الکپون کے حامیوں کو قتل کر رہے تھے، جواباً ان کے آدمی بھی قتل ہوئے تھے اور یہ سلسلہ جاری تھا۔ کسی کا بھی قاتل پکڑا نہیں جاتا تھا۔ پٹسی کے قاتل کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔

انہی دنوں الکپون نمونیے میں مبتلا ہو کر بستر پر لیٹا ہوا تھا تاہم بیماری کی حالت میں بھی اس کا ذہن منصوبہ بندی میں الجھا ہوا تھا۔

اس کی اس منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا کہ اس نے شکاگو میں اپنے جانی دشمنوں کے سات آدمی اکٹھے مروا دیئے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ان سات آدمیوں کو پولیس والوں نے قتل کیا۔

انہوں نے رات کے پچھلے پہر چھاپہ مار کر ایک جگہ سے ان آدمیوں کو نکالا اور تلاشی کے لئے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے گولیوں سے اڑا دیا۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اصلی پولیس والے نہیں تھے۔ پولیس کی جعلی وردیوں میں وہ الکپون کے آدمی تھے۔ اس واقعے نے شکاگو کو ہلا کر رکھ دیا۔ اخباری رپورٹر جب اس واقعے کی رپورٹنگ کرنے جائے وقوع پر پہنچے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی انہیں بڑی مشکل سے یقین آیا کہ جو خبر ان تک پہنچی تھی، وہ درست تھی۔

پولیس نے حسب معمول اس ہولناک واقعے کی تفتیش کے سلسلے میں بڑی مستعدی دکھائی اور خوب بھاگ دوڑ کی لیکن کوئی قابل ذکر نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ کاؤنٹی کے سرکاری وکیل کے دفتر میں الکپون کو بھی طلب کیا گیا۔ وہ اپنے مخصوص طمطراق سے وہاں پہنچا۔

نہایت شاندار چمکتی ہوئی گاڑی، بہترین لباس، مخصوص ساخت کا سفید نفیس ہیٹ وغیرہ الکپون کی پہچان تھا۔ وہ تین باڈی گارڈز کے ساتھ سرکاری وکیل کے دفتر پہنچا۔ ایک باڈی گارڈ گاڑی کے قریب کھڑا رہا۔ دوسرا گیٹ پر تعینات رہا۔ تیسرا الکپون کے ساتھ دفتر کے دروازے تک گیا۔

سرکاری وکیل نے ہیلی کے قتل کے قدرے پرانے واقعے کی مزید تفتیش کے بہانے الکپون کو بلوایا تھا تاہم اس نے اس سے تازہ ترین واقعے کے بارے میں بھی سوالات کئے۔ حسب معمول الکپون کے پاس ہر سوال کا جواب موجود تھا۔ وہ کسی بھی پہلو سے گرفت میں نہ آیا تو وکیل نے اس سے اس کی آمدنی اور ٹیکس کے بارے میں بھی سوالات کئے۔

اس وقت تک الکپون کو بھی علم نہیں تھا کہ ٹیکس کا محکمہ اس کے پیچھے لگ چکا تھا اور اس کے خلاف ٹیکس چوری اور آمدنی کے ناجائز ذرائع کے سلسلے میں شواہد اکٹھے کر رہا تھا۔ اس سے حکومت کا ایک مقصد تو واقعی بہت بڑے پیمانے پر ٹیکس چوری پکڑ کے سرکاری خزانے کے لئے بھاری رقوم کا حصول تھا۔ دوسرے قانون نافذ کرنے والے ادارے کسی طرح الکپون کو قابو میں نہیں کر پا رہے تھے تو اب یہ سوچا گیا تھا کہ اسے آمدنی کے ناجائز ذرائع اور ٹیکس چوری کے بہانے گھیرا جائے۔

تاہم اس موضوع پر بھی کم از کم کاؤنٹی کے سرکاری وکیل کی پوچھ گچھ میں تو الکپون چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکل گیا۔ اس کے پاس بہترین مالیاتی مشیر اور اکاؤنٹینٹ وغیرہ موجود تھے۔ اس نے ہر چیز کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ وہ ہر سوال، ہر اعتراض کا جواب دے سکتا تھا۔ مالیاتی وکیلوں نے اسے اچھی طرح سمجھایا ہوا تھا کہ کس قانون سے کس طرح فائدہ اٹھانا ہے۔

کاؤنٹی کا سرکاری وکیل اسے حراست میں لینے کا تو کیا، زیادہ دیر روکنے کا بھی کوئی جواز تلاش نہیں کر سکا حالانکہ اس دوران ایک اخبار ایک گروہ کے سرغنہ کا یہ بیان بھی چھاپ چکا تھا کہ اس خوفناک انداز میں خونریزی صرف الکپون کا گروہ ہی کر سکتا ہے۔

پولیس نے اس دوران اپنی سرگرمی اور مستعدی کے اظہار کے لئے تفریحات کے تقریباً تمام اڈے بند کر دیئے تھے۔

اس صورت حال پر، تفریحات کے عادی ایک شخص نے شام کے وقت جمائی لیتے ہوئے کہا تھا۔ "اب اس شہر میں اور قبرستان میں کیا فرق رہ گیا ہے؟"

اخبارات نے خونریزی کے اس واقعے کے بارے میں خاصی سخت سرخیاں لگائیں۔ ایک اخبار نے طویل تحقیقات کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہونے پر لکھا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ مافیا اور انڈرورلڈ ہی ملک کا طاقتور ترین طبقہ ہو گی۔"

دوسرے بڑے اخبار نے لکھا۔ "آثار بتا رہے ہیں کہ رفتہ رفتہ امریکا کے دوسرے بڑے شہر بھی شکاگو کی طرح ہو جائیں گے۔"

ایک اور بڑے اخبار نے ذرا مختلف الفاظ میں یہی بات دہرائی۔ "اب کسی بھی شہر میں وہی کچھ ہونے کی توقع رکھی جا سکتی ہے جو شکاگو میں ہوا۔"

اس واقعے کی بازگشت دھیرے دھیرے معدوم ہوتی گئی۔ اس دوران الکپون کے دو تین بدمعاش پکڑے بھی گئے۔ حتیٰ کہ دس ماہ بعد وہ مشین گنیں بھی برآمد ہو گئیں جو اس واردات میں استعمال کی گئی تھیں اور وہ گاڑی بھی ادھ جلی حالت میں مل گئی جس میں بیٹھ کر قاتل آئے اور گئے تھے لیکن ان سب چیزوں کے ذریعے بھی پولیس کا الکپون تک پہنچنا یا اسے اس واقعے کا ذمے دار ثابت کرنا ممکن نہیں ہو سکا۔

اس دوران ٹیکس کا محکمہ بہرحال صرف الکپون کے ہی نہیں بلکہ تمام بڑے بڑے گینگسٹرز کے پیچھے لگا رہا جو ناجائز دھندوں سے دولت کما رہے تھے مگر ٹیکس ادا نہیں کر رہے تھے۔ ایک ناقابل یقین سی بات یہ تھی کہ الکپون ٹیکس کا گوشوارہ جمع نہیں کراتا تھا کیونکہ اس کے اپنے نام پر کچھ نہیں تھا۔ اس کی دولت پر اگر تھوڑا بہت ٹیکس جاتا بھی تھا تو وہ دوسرے ناموں سے جاتا تھا۔

ٹیکس کے محکمے نے پہلے اس کے بھائی رالف پر ہاتھ ڈالا۔ اس کے وکیل نے اسے مشورہ دیا کہ وہ کم از کم 60 ہزار ڈالر سالانہ آمدنی کا اقرار کرے اور اس پر ٹیکس ادا کر دے۔ گو کہ یہ اس کی اصل آمدنی کا دسواں حصہ بھی نہیں تھا اور اس پر کل ٹیکس تقریباً پانچ ہزار طے کیا گیا جس میں اگلا پچھلا سب حساب شامل تھا لیکن محکمے نے اسے بھی قبول کر لیا۔ اس کے باوجود رالف ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لینے لگا اور خود کو قلاش ظاہر کرنے لگا۔ جب محکمے نے اسے جیل میں ڈالنے کی تیاریاں مکمل کر لیں تب اس نے یہ معمولی رقم ادا کی اور وقتی طور پر اس کی جان بچ گئی۔ اس دوران محکمہ الکپون کے بارے میں شواہد جمع کرنے میں لگا رہا۔

ادھر شکاگو میں پٹسی کے قتل کے بعد جوزف گنتا "یونین" یعنی مافیا کا صدر بنا تھا۔ وہ صرف 26 برس کا تھا اور ایک خطرناک بدمعاش تھا۔ اسے ڈانس کا بہت شوق تھا۔ اس کے علاوہ اس میں کچھ خامیاں بھی تھیں۔ اسے شیخی بگھارنے اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کا کچھ زیادہ ہی شوق تھا۔ ان عادات کو اس کی کمزوری کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

اس نے اسکیل اور انسلمی نامی دو بدمعاشوں کو اپنے بے حد قریب کر لیا جو درحقیقت الکپون کے پروردہ تھے۔ الکپون نے ان کی پشت پناہی کی تھی اور ان سے ایسے اہم کام لئے تھے کہ ان کی خود اعتمادی میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ دونوں کافی حد تک گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے تھے۔

اسکیل کو تو ایک بار ایک نائٹ کلب میں بیٹھے دیکھ کر اسے پہچاننے والا ایک ویٹر اس کے قریب چلا گیا تو اس نے اسکیل کو اپنے ایک شناسا کی طرف جھک کر یہ کہتے ہوئے سنا۔ "تمہیں معلوم ہونا چاہئے اب شکاگو کا طاقتور ترین آدمی میں ہوں۔"

الکپون اب میامی میں زیادہ رہتا تھا اور شکاگو کے معاملات سے وہ کافی حد تک لاتعلق سا دکھائی دیتا تھا۔ زیادہ تر لوگوں کی نفسیات کچھ اسی قسم کی ہوتی ہے کہ جب گھر یا دفتر کا سربراہ کہیں گیا ہوا ہو تو اس کی غیر موجودگی میں باقی لوگ بے پروا سے ہو جاتے ہیں اور بعض کو اپنے بارے میں کوئی زعم بھی ہونے لگتا ہے۔

الکپون کا معاملہ بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں گروہ کا انتظام تو ٹھیک چل رہا تھا اور تمام دھندے بھی معمول کے مطابق جاری تھے لیکن اسکیل اور انسلمی جیسے لوگوں کے دلوں میں خوش فہمیاں گھر کرنے لگی تھیں اور کچھ سرکشی کے جذبات بھی سر اٹھانے لگے تھے۔ انہیں احساس نہیں تھا کہ یہ ان کی بے وقوفی تھی۔

انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ الکپون خواہ شکاگو میں موجود نہیں تھا لیکن شہر پر اس کی گرفت ڈھیلی نہیں پڑی تھی۔ جاسوسی کا اس کا اپنا ایک نظام تھا جو ابھی تک صحیح کام کر رہا تھا۔ وہ دونوں الکپون کے انتہائی قریبی آدمی ہونے کے باوجود اس کے طور طریقوں کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پائے تھے۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ شکاگو کے ہوٹلوں اور کلبوں میں کام کرنے والے کتنے ویٹر، کتنے ٹیکسی ڈرائیور اور گلیوں میں پھرنے والے کتنے آوارہ گرد درحقیقت الکپون کے جاسوس اور مخبر تھے۔

الکپون کو فوراً اطلاع مل گئی کہ اسکیل نے اپنے آپ کو شکاگو کا طاقت ور ترین آدمی کہنا شروع کر دیا ہے۔ یہ بات بھی الکپون کے لئے کچھ ایسی تشویش کا باعث نہیں تھی۔ وہ سنی ان سنی کر سکتا تھا لیکن پھر اسے ایک تشویش ناک خبر ملی کہ اسکیل کو جوزف ایلو کے ساتھ سر جوڑ کر سرگوشیوں میں باتیں کرتے دیکھا گیا ہے۔ انداز بالکل ایسا تھا جیسے وہ دونوں کسی سازش کا تانا بانا تیار کرنے میں مصروف ہوں۔

جوزف ایلو ایک سرپھرا انسان تھا اور الکپون کا جانی دشمن تھا۔ اس کا وہ اعلان ابھی تک برقرار تھا کہ وہ الکپون کو قتل کرنے والے کو پچاس ہزار ڈالر انعام دے گا۔ حقیقت یہ تھی کہ اسکیل نے اس کی یہ پیشکش قبول کر لی تھی اور اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ الکپون کو قتل کر دے گا۔

اس وقت تک جوزف گنتا نے اسکیل کو "یونین" کا نائب صدر بنا دیا تھا۔ اس وجہ سے اسکیل اور بھی زیادہ زعم میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب وہ انسلمی اور گنتا یہ سوچنے لگے تھے کہ اگر الکپون راستے سے ہٹ جائے تو وہ تینوں مل کر شکاگو کی جرائم کی دنیا پر حکمرانی کرنے لگیں گے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ الکپون کی بنائی ہوئی "ایمپائر" پر بھی قبضہ کر لیں گے۔

اس سازش کا پتہ درحقیقت الکپون کے باڈی گارڈ فرینک ریو نے چلایا۔ اس نے جا کر جب یہ بات الکپون کو بتائی تو الکپون کو اس پر یقین نہ آیا۔ ویسے تو وہ دنیا کو بہت سمجھتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ دنیا میں کچھ بھی ممکن ہے۔ یہ نظریہ رکھنے کے باوجود بعض اوقات انسان کو کچھ باتوں پر یقین نہیں آتا۔

اسکیل اور انسلمی کو الکپون نے نہ صرف "کام" کے آدمی بنایا تھا بلکہ ایک طرح سے ان دونوں کی زندگیاں بھی الکپون ہی کی رہین منت تھیں۔ ایک موقع ایسا بھی آیا تھا جب وہ ان دونوں کی زندگیوں کا سودا کر کے بہت بڑا فائدہ اٹھا سکتا تھا اور اس وقت تو الکپون کے لئے ان دونوں کی زندگی کی کچھ خاص اہمیت بھی نہیں تھی۔ اس کے باوجود الکپون نے اس سودے بازی کے لئے ہامی نہیں بھری تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہی اسکیل اور انسلمی اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

جب فرینک ریو کسی طرح بھی الکپون کو اپنی اس اہم ترین اطلاع پر یقین کرنے کے لئے آمادہ نہ کر سکا تو اسے ذرا غصہ بھی آیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ایسی اہم اور سنسنی خیز اطلاع لے کر آیا ہے کہ الکپون اچھل پڑے گا اور اس کی اس خدمت کو بہت سراہے گا۔ تاہم وہ الکپون کا صحیح معنوں میں وفادار آدمی تھا۔

وہ اپنے غصے کو پی گیا اور اس نے الکپون کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے ایک ڈرامہ رچانے کی تجویز پیش کی۔ یہ تجویز الکپون نے قبول کر لی۔

ان دونوں نے اسکیل اور انسلمی کے سامنے کسی مسئلے پر بات بڑھ جانے کا ڈرامہ رچایا۔ ان کے درمیان کسی معاملے پر اختلاف ہوا پھر تلخ کلامی ہوئی۔ بات یہاں تک بڑھی کہ فرینک ریو نے اٹھ کر الکپون کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا اور اس کمرے سے اٹھ کر چلا گیا۔ الکپون کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

یہ سب ڈرامہ تھا لیکن اتنی عمدگی سے پیش کیا گیا تھا کہ اسکیل اور انسلمی کو اس پر یقین آ گیا۔ وہ دوسرے ہی دن جا کر فرینک ریو سے ملے اور اسے اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے اسے سمجھایا کہ ان کے ساتھ مل کر اسے کیا کیا فوائد حاصل ہوں گے اور وہ کتنا طاقت ور آدمی بن جائے گا۔ انہوں نے اسے بتا دیا کہ جوزف ایلو اور جوزف گنتا بھی ان کے ساتھ تھے اور ان کی سرپرستی کر رہے تھے۔

فرینک ریو نے جا کر یہ سب کچھ الکپون کو بتایا تو اسے یقین کرنا ہی پڑا۔ اس کا دل جتنا مجروح ہوا، اتنا ہی شدید اسے غصہ بھی آیا۔ فیصلہ ہوا کہ جوزف گنتا، اسکیل اور انسلمی تینوں کو قرار واقعی سزا ملنی چاہئے۔

سزا دینے کا طریقہ الکپون کے قریبی ساتھی نٹی نے تجویز کیا۔ دوسرے دو قریبی ساتھی مائز اور جو بھی اس وقت وہیں موجود تھے۔ طے پایا کہ انڈرورلڈ کے خاص خاص لوگوں کے اعزاز میں ایک ضیافت دی جائے جس میں اسکیل، انسلمی اور گنتا کو مہمانان خصوصی کے طور پر مدعو کیا جائے۔ نٹی کے خیال میں دعوت کی خوب صورتی اور رنگا رنگی کے درمیان سزا کی اذیت اور سنگینی کو ملفوف کر دینا ایک دلچسپ عمل تھا۔

پروگرام کے مطابق 7 مئی کی شب کے لئے تمام خاص خاص لوگوں کو دعوت دے دی گئی۔ ضیافت "دی پلانٹیشن" میں رکھی گئی تھی۔ یہ ہائی وے پر واقع ایک بڑا ریسٹورنٹ اور کیسینو تھا۔ ضیافت اس کے پچھلے حصے میں تھی، جو بالکل الگ تھلگ سا تھا۔

مہمان وہاں پہنچے تو حسب روایت سب کی تلاشی لی گئی پھر انہیں اندر جانے دیا گیا۔ اسکیل، انسلمی اور گنتا بھی بڑے خوش خوش وہاں پہنچے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

بعد میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ ان تینوں نے نہایت پرتکلف کھانوں کے ساتھ شراب کا تو بے دریغ استعمال کیا ہی تھا لیکن اس کے ساتھ شاید انہیں تھوڑی مقدار میں کوئی خواب آور دوا بھی دی گئی تھی کیونکہ جب انہیں پچھلی طرف ایک خاص کمرے میں لے جایا گیا تو وہ اپنے حواس میں نہیں تھے۔

جب انہیں مار پڑنی شروع ہوئی تب شاید ان کے حواس بیدار ہوئے ہوں لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس وقت ان کے ہاتھ پاؤں باندھے جا چکے تھے۔ الکپون نے خود اپنے ہاتھ سے انہیں مارنا شروع کیا۔ اس مقصد کے لئے وہ بیس بال کا بیٹ استعمال کر رہا تھا جس کے کنارے آری کے ذریعے کچھ کنارے دار اور زیادہ تکلیف دہ بنا دیئے گئے تھے۔

الکپون نے مار مار کر ان کے جسم کی ہر ہڈی توڑ ڈالی۔ اسکیل اور انسلمی کو اس نے زیادہ اور گنتا کو کم مارا۔ مائز برابر والے کمرے میں موجود تھا۔ اس نے بعد میں کسی کو بتایا۔ "الکپون اس رات اتنے غصے میں تھا کہ مجھے اندیشہ محسوس ہو رہا تھا کہیں خود اسے دل کا دورہ نہ پڑ جائے۔"

جب وہ تینوں کچلے ہوئے گوشت اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا ملغوبہ بن کر رہ گئے تو ان میں بس سانس ہی باقی رہ گئی تھی تب انہیں یکے بعد دیگرے گولی مار دی گئی۔ ایک ایک نہیں بلکہ کئی کئی گولیاں ان کے جسموں میں اتاری گئیں۔ کئی گولیاں تو غالباً ان کے جسموں میں اس وقت پیوست ہوئیں جب ان کی جان نکل چکی تھی۔ ان کا پوسٹ مارٹم کرنے والے لوگوں میں شامل ایک پیتھالوجسٹ نے اپنے بیان میں کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے ایسے انسانوں کی لاشیں نہیں دیکھی تھیں جنہیں اس بری طرح مارا گیا ہو۔"

دوسرے روز ڈیڑھ بجے کے قریب ان کی لاشیں وہاں سے بہت دور ایک سڑک کے کنارے ان کی کاروں میں کاٹھ کباڑ کی گٹھڑیوں کی طرح پڑی پائی گئیں۔

الکپون اسی رات اٹلانٹک سٹی کے پریذیڈنٹ ہوٹل میں ہونے والی ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے روانہ ہو گیا تھا۔ یہ میٹنگ بظاہر معزز اور کاروباری لوگوں کا اجتماع معلوم ہو رہی تھی لیکن اس میں شرکت کرنے والے درحقیقت مختلف شہروں کی انڈرورلڈ کے خاص خاص لوگ اور طاقت ور گروہوں کے سرغنہ تھے۔ نیویارک، بوسٹن، نیوجرسی، نیو آرلینز اور فلوریڈا سے لوگ آئے ہوئے تھے۔

وہ سب رنگ، نسل اور قومیت کا امتیاز رکھے بغیر اکٹھے ہوئے تھے اور ان کا مقصد کچھ مشترکہ مسائل پر غور کرنا تھا۔ وہ سب اپنی جگہ جرائم کی دنیا کے چھوٹے بڑے بادشاہ تھے لیکن انہیں شکاگو کی صورت حال پر تشویش تھی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ محض شکاگو میں ہونے والی قتل و غارت اور جرائم کے سیلاب کی وجہ سے حکومت پورے ملک میں ہی جرائم پیشہ اور مافیائی قسم کے گروہوں کے خلاف کوئی خصوصی مہم یا آپریشن کلین اپ وغیرہ نہ شروع کر دے اور یوں ایک شہر کی وجہ سے سارے ہی شہروں کے جرائم پیشہ مارے جائیں، جو زیادہ طوفان برپا کئے بغیر اور زیادہ نمایاں ہوئے بغیر کافی حد تک آرام سکون سے اپنی "روزی روٹی" کما رہے تھے۔

ان لوگوں کی یہ میٹنگ یا کانفرنس تین دن جاری رہی اور آخر کار ایک تفصیلی معاہدہ طے پا گیا۔ اسے مفصل ضابطۂ اخلاق بھی کہا جا سکتا تھا اور معاہدۂ امن بھی۔ سب نے اس معاہدے پر دستخط کئے۔ اس قسم کا ایک معاہدہ جان ٹوریو کے زمانے میں 1923ء میں بھی طے پایا تھا۔ اس وقت الکپون کی حیثیت جان ٹوریو کے ماتحت اور ملازم کی ہوتی تھی۔ اگر وہ

زندہ ہوتا تو شاید یہ دیکھ کر خوش ہوتا کہ اتنے کم عرصے میں اس کے "ہونہار" شاگرد نے کتنی "ترقی" کی تھی۔

طے پانے والے معاہدے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ لوگ عوام کے دلوں میں اپنے لئے بڑھتی ہوئی نفرت کو کچھ کم کرنے کی کوشش کریں۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ اپنی تمام تر برائیوں کے ساتھ بہرحال انہیں اسی معاشرے میں رہنا تھا اور اگر لوگوں میں ان کے خلاف نفرت بڑھتی رہی تو ایک روز اس نفرت کا سیلاب انہیں بہا کر لے جائے۔

الکپون کا ذہن شاید اس سے بھی کچھ آگے کی سوچ رہا تھا۔ اس کانفرنس کے اختتام کے تین دن بعد وہ اٹلانٹک سٹی سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کار میں روانہ ہوا۔ ان کا ارادہ نارتھ فلاڈلفیا اسٹیشن سے ایک ٹرین پکڑنے کا تھا جو نیویارک سے شکاگو جاتی تھی۔ وہ راستے میں اس میں سوار ہونا چاہتے تھے لیکن ٹرین وہاں نہیں پہنچ سکی۔ راستے میں اس کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔

انہوں نے سامان اسٹیشن کے لاکر میں رکھا اور وقت گزاری کے لئے قریبی شہر چلے آئے۔ وہ عام سے شہریوں کی طرح پیدل ایک سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ الکپون نہیں چاہتا تھا کہ اسے کوئی پہچانے۔ مزید وقت گزاری کے لئے انہوں نے مقامی سینما ہال میں فلم دیکھنے کا فیصلہ کیا۔

وہ جب سینما ہاؤس میں داخل ہو رہے تھے تو دروازے کے قریب سادہ لباس میں پولیس کے دو سراغ رساں کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک الکپون کو پہچانتا تھا۔ اس کا نام شوئی تھا، وہ شکاگو میں تعینات رہ چکا تھا۔

وہ حیرت سے تقریباً چلا اٹھا۔ "ارے یہ تو الکپون ہے! یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

پھر اس نے اور اس کے ساتھی نے آگے بڑھ کر الکپون اور فرینک ریو کو روک لیا۔ شوئی نے تصدیق چاہی۔ "تم الکپون ہو نا......؟"

"تم کون ہو؟" الکپون نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے سخت لہجے میں پوچھا۔ پھر اسے یاد آ گیا۔ "ارے...... اتم تو شوئی ہو۔"

اس دوران شوئی اور اس کے ساتھی نے اپنے بیج بھی نکال کر ان کے سامنے لہرا دیئے۔ فرینک ریو جارحانہ انداز میں آگے آیا مگر الکپون نے اسے روک دیا اور نیچی آواز میں اسے مطلع کیا۔ "ارے بھئی یہ بیل ہیں۔"

بیل کی اصطلاح وہ لوگ پولیس والوں کے لئے استعمال کرتے تھے۔ الکپون نے ریو کو دماغ ٹھنڈا رکھنے کا اشارہ کیا پھر اپنے کوٹ کی جیب سے ایک پستول نکال کر کسی مطالبے کے بغیر خود ہی پولیس آفیسر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس یہ ہے۔ ویسے یہ لائسنس یافتہ ہے۔"

پھر اس نے ریو کو بھی اشارہ کیا کہ وہ اپنا ریوالور پولیس آفیسرز کی خدمت میں پیش کر دے۔ ریو نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ لائسنس یافتہ ہتھیار کو چھپا کر ادھر ادھر گھومنا جرم تھا تاہم کوئی سنگین جرم نہیں تھا۔

بہرحال الکپون اور ریو کو اس "جرم" میں حراست میں لے لیا گیا۔ الکپون کے ساتھ اس وقت دو اور باڈی گارڈز بھی تھے لیکن وہ اس موقع پر لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں شامل ہو کر غائب ہو گئے۔

الکپون اور ریو کو پولیس اسٹیشن لے جایا گیا اور باقاعدہ گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی تصویریں اور فنگر پرنٹس لے لئے گئے۔ رات ہی کو ایک مجسٹریٹ کو نیند سے اٹھا کر انہیں سٹی ہال میں اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسی دوران حیرت انگیز طور پر شہر کے دو مشہور وکیل الکپون اور ریو کی وکالت کرنے کے لئے بھی وہاں پہنچ گئے۔

ان کے آنے سے پہلے مجسٹریٹ دونوں ملزموں کی 35/ہزار ڈالر کی ضمانت منظور کر چکا تھا مگر الکپون کی جیب میں اس وقت صرف پچاس ڈالر اور ریو کی جیب میں بارہ ڈالر تھے۔

وکیل ضمانت کی رقم کے بارے میں سن کر چراغ پا ہو گئے۔ ایک وکیل نے مجسٹریٹ سے کہا۔ "میں نے آپ کو بغیر لائسنس آتشیں ہتھیار جیبوں میں چھپا کر پھرنے والوں کی ضمانت تین چار سو ڈالر میں لیتے دیکھا ہے پھر ہمارے ان موکلوں پر کیوں یہ خصوصی نظر کرم ہوئی ہے کہ ان کی ضمانت 35/ہزار ڈالرز میں لی گئی ہے؟"

"اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ان لوگوں کی ضمانت کم از کم ایک لاکھ ڈالر میں لیتا۔" مجسٹریٹ نے جواب دیا۔

اسی دوران پبلک سیفٹی کے محکمے کا ڈائریکٹر رچرڈ میجر شوفیلڈ بھی آ کر الکپون سے ملا۔ اس نے کافی دیر تک الکپون سے بات کی اور بعد میں کچھ دوسرے آفیسرز سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو الکپون کافی معقول آدمی معلوم ہوا ہے، وہ اب نہ صرف دوسرے گینگسٹرز کے ساتھ بلکہ قانون کے ساتھ بھی محاذ آرائی نہیں چاہتا اور صلح صفائی سے رہنا چاہتا ہے۔"

میجر شوفیلڈ اس سے کافی متاثر نظر آ رہا تھا۔ ریو نے کچھ گرما گرمی دکھانے کی کوشش کی تو الکپون نے اسے بھی ٹھنڈا کر دیا۔ اس نے میجر شوفیلڈ، کچھ دوسرے ذمے دار افسروں اور چند اخبار نویسوں کے سامنے باتیں کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی، متانت اور قدرے ندامت سے کہا۔ "میں نے شکاگو میں چار پانچ سال پہلے ناجائز دھندوں میں ہاتھ ڈالا تھا۔"

وہ اپنے ابتدائی زمانے کا ذکر گول کر گیا۔ اس نے صرف اسی وقت سے بات شروع کی جب اس کا نام سامنے آنے لگا تھا اور وہ کچھ "ترقی" کرنے لگا تھا۔

وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "گزشتہ دو سالوں سے میں اس دنیا سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن کامیاب نہیں ہو پا رہا۔ دراصل جرائم اور ناجائز دھندوں کی دنیا ایک دلدل کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار آپ اس میں اتر گئے تو بس پھر زیادہ سے زیادہ گہرائی میں ہی اترتے جاتے ہیں۔ آپ اس دنیا کو چھوڑنا چاہتے ہیں مگر یہ دنیا آپ کو نہیں چھوڑتی۔ آپ کو کچھ جونکیں چمٹ جاتی ہیں جو آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ وہ ہمیشہ آپ کا خون چوستی رہتی ہیں۔ کبھی وہ آپ سے رقمیں مانگتی ہیں۔ کبھی کچھ کاموں کی فرمائش کرتی ہیں۔ آپ انکار کریں تو وہ آپ کی زندگی اور آپ کے تمام معاملات خراب کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ آپ کہیں بھی چلے جائیں، وہ آپ کی جان نہیں چھوڑتیں۔"

پھر اس نے جذبات سے بوجھل لہجے میں کہا۔ "میں محبت کرنے والی ایک بیوی کا شوہر ہوں اور مجھے بھی اس سے بہت محبت ہے۔ میرا گیارہ سال کا ایک بیٹا ہے جو مجھے بے حد عزیز ہے۔ پام آئی لینڈ میں میرا نہایت خوب صورت گھر ہے۔ میں اگر سب چکروں سے جان چھڑا کر وہاں جا کر امن، سکون اور عافیت سے رہ سکوں تو اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب ترین آدمی سمجھوں گا۔ میں "جیو اور جینے دو" کے اصول کے تحت زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں انڈر ورلڈ کی قتل و غارت اور خونریزی سے تنگ آ چکا ہوں، تھک چکا ہوں۔ امن، سکون اور بھائی چارے کی خواہش دل میں لے کر ہی میں اٹلانٹک سٹی گیا تھا۔ وہاں انڈر ورلڈ کے سب خاص خاص لوگ جمع ہوئے تھے اور میں نے ان سب سے وعدہ لیا ہے کہ آئندہ وہ سب قتل و غارت چھوڑ کر امن، سکون سے رہیں گے۔ تین روز تک ہمارے درمیان مذاکرات ہوتے رہے اور آخر کار ہم سب ایک معاہدے پر متفق ہو گئے اور ہم نے اس پر باقاعدہ سائن کئے ہیں۔ ہم نے عہد کیا ہے کہ ماضی کو بھول کر ایک بہتر مستقبل کی بنیاد رکھیں گے۔"

ڈائریکٹر پبلک سیفٹی ڈپارٹمنٹ، میجر شوفیلڈ نے اس سے انڈر ورلڈ کی زندگی کے بارے میں سوالات کئے تو وہ بولا۔ "ویسے تو میں نے جہاں بھی زندگی گزاری ہے اور جیسی بھی گزاری ہے، مجھے اس کے بارے میں کوئی شکایت نہیں۔ وہ میرا اپنا انتخاب تھا اور میں اس سے مطمئن ہوں لیکن سچی بات ہے کہ وہ زندگی کوئی زندگی نہیں۔ میں نے جس طرح وہ زندگی گزاری ہے، وہ میں ہی جانتا ہوں۔ اس زندگی میں ہر لمحے موت کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور موت واقعی ہر قدم پر آپ کے تعاقب میں رہتی ہے۔ آپ اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتے۔ آپ کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کب کون آپ کو دھوکا دے جائے، جس کو آپ سے ذرا سی بھی شکایت پیدا ہو جائے، وہی آپ سے غداری کر سکتا ہے اور بعض لوگ تو کسی شکایت کے بغیر ہی غداری کر جاتے ہیں۔ میں باڈی گارڈ کے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتا۔ فرینک ریو پچھلے دو سال سے سائے کی طرح میرے ساتھ ہے۔"

"موت کے اس مسلسل خوف کے باوجود تم اتنے صحت مند، توانا اور مضبوط کیسے رہے؟ تمہارے اعصاب کیسے سلامت رہے؟" میجر شوفیلڈ نے دریافت کیا۔

"یہ شاید قدرت کی طرف سے تحفہ ہے یا پھر شاید بات یہ ہے کہ آپ جس طرح کی بھی زندگی اپناتے ہیں، اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔" الکپون نے دانشورانہ انداز میں جواب دیا۔ "ابھی چند دن پہلے ہی میرے تین بہترین دوستوں اسکیلی، ایلسل اور گنتا کو کسی نے نہایت سفاکی سے قتل کر دیا۔ اس قسم کے واقعات مجھ جیسے انسان کو بھی ہلا کر رکھ دیتے ہیں لیکن بہرحال زندگی کا سفر تو چلتا رہتا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"آج کل تم کیا کر رہے ہو؟" شوفیلڈ نے پوچھا۔

"میں اب ریٹائر ہو چکا ہوں۔" الکپون نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میرے پاس جو دولت ہے، اب میں اسی سے زندگی بسر کروں گا لیکن مجھے معلوم ہے جونکیں میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ موت سے زیادہ میں ان جونکوں سے ڈرتا ہوں۔"

محققین کا کہنا ہے کہ الکپون کی یہ گرفتاری اس کا اپنا تخلیق کردہ ڈرامہ تھا۔ جو کچھ بھی ہوا یہ سب اس کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ اس نے جو بھی باتیں کیں، وہ سب اس نے پہلے سے سوچ رکھی تھیں۔ پولیس کے سراغ رساں اور دوسرے سرکاری عہدے دار اس کے اس ڈرامے میں شریک تھے۔

اسے احساس تھا کہ عوام میں اس کے خلاف نفرت بڑھ رہی تھی۔ یہ اس نفرت کو کم کرنے اور اپنا امیج بہتر بنانے کی اس کی ایک زبردست کوشش تھی، وہ بلا کا شاطر اور فطین تھا۔ کسی بھی قسم کی صورتحال کی مناسبت سے کوئی بھی بڑا فیصلہ کر کے فوری طور پر قدم اٹھانے کے معاملے میں اس کا جواب نہیں تھا۔

تاہم کچھ دوسرے محققین کا خیال ہے کہ اس کی گرفتاری حقیقی تھی کیونکہ اس کے ساتھ نرم سلوک ہرگز نہیں کیا گیا۔ اسے ایک سال کی سزا سنائی گئی۔ امکان تھا کہ اسے کم از کم دس ماہ تو جیل میں گزارنے ہی پڑیں گے۔ اسے ہومز برگ جیل میں بھیجا گیا جو انتہائی سخت جیل مشہور تھی۔ اس کی عمارت بہت پرانی اور سیاہ پتھروں کی بنی ہوئی تھی اسے دیکھ کر خوف آتا تھا۔

جیل بھیجے جانے سے پہلے ان کی شناختی پریڈ بھی کرائی گئی۔ ان کے چہروں پر نہایت تیز روشنی مرتکز کر کے زاویے بدل بدل کر ان کے چہرے کچھ گواہوں کو دکھائے گئے۔ وہ جیل پہنچے تو ان کے بال کاٹ کر بالکل چھوٹے کر دیئے گئے۔ نفیس اور قیمتی لباس پہننے والے الکپون کو قیدیوں والی گھٹیا اور بے ہنگم سی وردی دے دی گئی۔

اس کے ساتھ بالکل عام قیدیوں جیسا سخت اور درشت رویہ رکھا گیا۔ کوئی معمولی سی رعایت بھی نہیں برتی گئی۔ اسی لئے بعض محققین نے یہ رائے دی ہے کہ اس پر قانون نے واقعی اپنی مرضی سے ہاتھ ڈالا اور موقع پا کر اسے سزا دینے کی کوشش کی تھی۔ الکپون نے سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں زبردست قوت برداشت بھی موجود تھی۔

الکپون کی زندگی کے بارے میں حقائق جمع کرنے والے دو صحافیوں اور سوانح نگاروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ الکپون کی گرفتاری اس دور کے صدر ہوور کی ذاتی ناپسندیدگی کا نتیجہ تھی۔

ہوور امریکی تاریخ کے ایک دلچسپ صدر تھے۔ انہیں ہلکی پھلکی ورزش اور صحت بخش دوائیں کھانے کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے جوگنگ کے لئے اپنی کابینہ کے ارکان کو بھی علی الصباح ایوان صدر کے لان پر جمع ہونے کا عادی بنا رکھا تھا۔ وہ سب صدر صاحب کی وجہ سے علی الصباح آ کر وائٹ ہاؤس کے لان پر دوڑ لگانے پر مجبور تھے۔

کبھی کبھی کابینہ کے اجلاس کے دوران ملک و قوم کے اہم اور پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے صدر صاحب اچانک کسی سیکرٹری کے چہرے کی طرف دیکھ کر تشویش سے کہتے تھے۔ "فلانے! تمہارا چہرہ تو روز بروز زرد ہوتا جا رہا ہے۔" پھر وہ اپنی دراز سے کوئی شیشی نکال کر کبھی کبھی گولیوں سمیت اس کی طرف لڑھکاتے ہوئے کہتے تھے۔ "تم یہ گولیاں باقاعدگی سے کھایا کرو۔"

اس کے بعد قوم کا اہم اور زیر بحث مسئلہ بیچ میں ہی رہ جاتا تھا اور چہرے کی زردی کے اسباب پر تبادلۂ خیال یا مباحثہ شروع ہو جاتا تھا۔ صدر صاحب کی اس عادت کی وجہ سے پریس والے ان کی کابینہ کا ذکر "میڈیسن کابینہ" کے نام سے کرتے تھے۔

صدر ہوور کو ایک بار اپنی کابینہ کے ایک رکن سے یہ پوچھتے ہوئے سنا گیا۔ "وہ...... الکپون ابھی تک پکڑا گیا یا نہیں؟"

ایک بار صدر ہوور کو کسی سے یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا۔ "میں الکپون کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

صدر ہوور شاید الکپون کو صرف اس لئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلنے کے لئے بے تاب نہیں تھے کہ وہ ایک بڑا گینگسٹر تھا اور اس کا وجود معاشرے کی اخلاقیات یا ملکی قوانین کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ اس کی وجہ صدر صاحب کا ذاتی عناد بیان کی جاتی تھی۔

اس کے پس منظر کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا تھا کہ ایک بار صدر صاحب کسی ہوٹل میں قیام کے لئے پہنچے اور انہوں نے اپنے عملے کے ساتھ ہوٹل کی لابی میں قدم رکھا تو ہلکا سا شور ابھرا۔ "صدر صاحب آ رہے ہیں۔"

یہ سن کر لابی اور ملحقہ ڈائننگ روم سے صرف دو چار افراد نے گردنیں گھما کر صدر کی طرف دیکھا اور بے نیازی سے دوبارہ اپنی گفتگو یا کھانے پینے میں منہمک ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے ایک بار پھر شور ابھرا۔ "الکپون آ رہا ہے۔"

الکپون پہلے ہی سے اس ہوٹل میں مقیم تھا اور اس وقت وہ سیڑھیوں سے اتر کر لابی میں آ رہا تھا۔ صدر صاحب اس وقت حیران رہ گئے جب الکپون کی آمد کے بارے میں آواز بلند ہوتے ہی لابی اور ڈائننگ روم میں موجود تمام افراد کی گردنیں گھوم گئیں اور ان کی توجہ نہایت پُر اشتیاق انداز میں الکپون کی طرف مبذول ہو گئی۔ کچھ لوگ تو کونے کھدروں سے نکل کر جلدی سے اس طرح گرتے پڑتے آگے آئے جیسے کوئی عجوبہ لابی میں آیا ہو اور اگر انہیں ایک لمحے کی تاخیر ہو گئی تو وہ اس کے دیدار سے محروم رہ جائیں گے۔

صدر صاحب کو یہی گمان گزرا کہ شاید وہ کوئی اسٹار یا سپر اسٹار قسم کی چیز تھا جس سے وہ ناواقف تھے۔ انہوں نے کسی سے پوچھا کہ یہ الکپون کون تھا؟ انہیں غالباً یہی بتایا گیا کہ وہ ایک بدنام زمانہ گینگسٹر تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ الکپون کے کچھ کارنامے بھی صدر صاحب کے گوش گزار کئے گئے ہوں۔

بہرحال صدر صاحب کو بہت غصہ آیا کہ ایک گینگسٹر اور جرائم پیشہ شخص کو دیکھنے کے لئے لوگوں نے اتنے اشتیاق کا مظاہرہ کیا اور صدر صاحب کو محض بے نیازی سے دو چار افراد نے دیکھا اور انہوں نے بھی دوسرے ہی لمحے منہ پھیر لیا۔ صدر صاحب کے خیال میں یہ الکپون کی "مقبولیت" اور خود ان کی اپنی عدم مقبولیت کی دلیل تھی۔

سنا ہے اس دن سے صدر صاحب کے دل میں گرہ پڑ گئی اور انہوں نے اپنے رفقاء کو کسی بھی طرح الکپون کو قانون کی گرفت میں لانے کا حکم دیا تھا اور الکپون کی گرفتاری اسی حکم کا شاخسانہ تھی۔

اسی دوران بڑے اخبارات نے بھی الکپون کے بارے میں کچھ اس انداز سے لکھا کہ صدر صاحب کی ناپسندیدگی کو کچھ اور ہوا ملی۔ "نیویارک ٹائمز" نے لکھا۔ "جتنی شہرت الکپون کو ملی ہے، اتنی شہرت اتنے کم عرصے میں اس سے پہلے کسی امریکی کو نہیں ملی۔"

شکاگو کے اخبار "ڈیلی ٹائمز" نے متاسفانہ اور شکایتی سے انداز میں لکھا۔ "امریکا کی شناخت اور اس کا ٹریڈ مارک اب الکپون بنتا جا رہا ہے، جاوا کے جنگلوں سے لے کر یپ لینڈ کے میدانوں تک لوگ اس کا نام جانتے ہیں۔"

حقیقت یہی تھی کہ لوگ الکپون کو دنیا بھر میں ہنری فورڈ سے زیادہ جانتے تھے شاید ان انکشافات نے ہوور کا غصہ کچھ اور بڑھا دیا ہو۔ بات خواہ کچھ بھی رہی ہو، بہرحال الکپون جیل پہنچ گیا اور لگتا یہی تھا کہ اسے سزا پوری کرنی ہی پڑے گی۔

اس نے کسی بھی وکیل کے لئے پچاس ہزار ڈالر فیس کا اعلان کیا جو اسے جیل سے نکلوا سکے پھر اس نے یہ رقم بڑھا کر ایک لاکھ ڈالر کر دی۔ یہ بات حیرت انگیز تھی کہ کسی وکیل نے اس کی یہ پیشکش قبول نہیں کی۔ کوئی اس کے کیس کا جائزہ لینے بھی نہیں آیا۔

الکپون نے رپورٹرز کے سامنے خاصی بے چینی کا اظہار بھی کیا کہ وہ ہر حال میں جیل سے نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا کچھ بس نہیں چل رہا تاہم اسے یہ احساس بھی تھا کہ وہ اگر کچھ عرصہ جیل میں گزار لے گا تو وہ غم و غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا جو بعض حلقوں میں اس کے خلاف پایا جاتا تھا۔

1829ء میں پتھروں سے بنی ہوئی اس قلعہ نما عمارت میں روز و شب گزارنا الکپون جیسے آدمی کے لئے آسان معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن وہ صبر و ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کی بیوی کو مہینے میں صرف دو بار اس سے ملاقات کی اجازت تھی تاہم رفتہ رفتہ حالات الکپون کے حق میں بہت بہتر ہو گئے۔

اسے جیل کے ایک ایسے وارڈ میں منتقل کر دیا گیا جسے دوسرے قیدی جنت سے تشبیہ دیتے تھے۔ اس جنت کو مزید آرام دہ بنانے کے لئے الکپون کو اس میں اپنی مرضی سے اوسط درجے کا سامان رکھنے اور فرش پر قالین بھی بچھانے کی اجازت دے دی گئی۔ حتیٰ کہ دیواروں پر چھوٹی موٹی پینٹنگز بھی آویزاں کر دی گئیں۔ یوں اس خوفناک جیل کا ماحول الکپون کے لئے خوشگوار ہو گیا۔

اس نے دو مرتبہ معافی کے لئے اپیل کی لیکن دونوں مرتبہ اس کی اپیل مسترد ہو گئی۔ اس پر اس کے مزاج میں قدرے تلخی آ گئی۔ ایک بار اس نے ایک صحافی سے بات کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو یہ عالم ہو گیا ہے کہ اگر سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کسی کے پاؤں میں موچ آ جائے، کسی کو ٹھنڈ کی وجہ سے فلو ہو جائے، کسی کے گھر میں کتا یا بلی مر جائے۔ ان سب باتوں کا الزام الکپون پر لگا دیا جاتا ہے۔"

24/اکتوبر 1929ء کو اسٹاک مارکیٹ کریش کر گئی۔ الکپون نے اپنے وکیل کو بلوایا اور طنزیہ انداز میں کہا۔ "خدا کے لئے جلدی سے پریس کو میری طرف سے بیان دو کہ میرا اسٹاک مارکیٹ کے کریش ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مارکیٹ میں نے کریش نہیں کرائی ہے۔"

اسی دوران اس کے بھائی رالف کو ٹیکس چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے اپنے اکاؤنٹس میں موجود جن بھاری رقوم کو خفیہ رکھا تھا اور جن پر کوئی ٹیکس ادا نہیں کیا تھا، ان کے بارے میں اس نے معصومیت سے کہا کہ وہ رقمیں تو لوگوں نے شرطیں لگانے کے لئے اسے دی ہوئی تھیں، وہ جواریوں کی امانتیں تھیں، اس کی اپنی ملکیت نہیں تھیں۔

بہرحال دوسرے روز 35/ہزار ڈالر میں اس کی ضمانت ہو گئی۔

الکپون نے معافی کے لئے چھ اپیلیں کیں۔ سب کی سب مسترد ہو گئیں۔ تب وہ آرام سے بیٹھ گیا، اسے گویا قرار سا آ گیا اور اس نے اس حقیقت کو قبول کر لیا کہ اسے کم از کم دس ماہ تو جیل میں گزارنے ہی ہیں۔

پریس سے اب بھی اس کا رابطہ رہتا تھا اور اس کے بارے میں اس قسم کی چھوٹی موٹی سرخیاں لگتی رہتی تھیں۔

"الکپون جیل میں زیادہ سکون محسوس کر رہا ہے۔"

"عیش و آرام سے رہنے کے باعث اس کا وزن بڑھ گیا ہے۔"

کرسمس پر اس نے جیل کے غریب قیدیوں کے گھروں پر ہزاروں ڈالر کے تحائف بھجوائے اور قیدیوں کی تیار کی ہوئی چیزیں مہنگے داموں خرید لیں۔

(جاری ہے)

الکپون جیل میں تھا مگر باہر اس کے اور اس کے خاص خاص ساتھیوں کے ٹیکس کے معاملات کے بارے میں چھان بین جاری تھی۔ ٹیکس کا محکمہ خاموشی سے ان کے پیچھے لگا ہوا تھا اور اس ضمن میں اسے دوسرے محکموں کا تعاون بھی حاصل تھا۔ ٹیکس کے محکمے کے ذریعے الکپون کو زیادہ عرصے کے لئے قابو میں کرنے کی تدبیر درحقیقت حکومت نے ہی سوچی تھی لیکن ویسے بھی امریکا میں ٹیکس چوری ابتداء ہی سے ایک سنگین جرم رہا ہے۔ اس الزام میں وہاں بڑے سے بڑے اور خطرناک ترین آدمی پر بھی ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حکومت نے بھی یہی پتہ کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کوشش میں بہرحال محکمے کو ٹیکس کی مد میں بہت بڑی بڑی رقوم بھی حاصل ہونے کی توقع تھی جس سے ظاہر ہے ملکی خزانے میں اضافہ ہوتا اور معیشت کو سہارا ملتا۔

محکمہ خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا اور آخر اس نے الکپون کے دو اہم ترین ساتھیوں پر ہاتھ ڈال دیا جن کی خدمات سے محرومی کا متحمل ہونا الکپون کے لئے بہت ہی مشکل تھا۔ اس کے یہ دو ساتھی گوزک اور نٹی تھے۔ گوزک اس کے مالی اور کاروباری امور کا نگران تھا جبکہ نٹی انتظامی معاملات کو دیکھتا تھا۔

انتظامی معاملات میں ایسے مسائل بھی شامل تھے جنہیں حل کرنے کے لئے طاقت کی ضرورت پڑتی تھی۔ اپنے گروہ کے لوگوں کو سیدھا رکھنے کے لئے، دوسرے گروہوں کے لوگوں کو ان کی کسی غلط حرکت کا مزا چکھانے یا کسی بات کا انتقام لینے کے لئے نٹی ہی آگے آتا تھا۔ یہ دونوں ہی آدمی الکپون کے گروہ کے نہایت اہم ستون تھے۔

جان لورینو کی طرح نٹی بھی ایک ایسا آدمی تھا جو دیکھنے میں جسیم یا خوفناک نہیں تھا۔ اس کے باوجود اگر وہ نظر بھر کر کسی کی طرف دیکھتا تھا تو اس کے جسم میں سردی لہر دوڑ جاتی تھی۔ وہ اپنے مختصر وجود کے ساتھ بھی نہ جانے کیوں بے پناہ خطرناک دکھائی دیتا تھا۔

اس نے ایک حجام کی حیثیت سے عملی زندگی شروع کی تھی پھر الکپون کے گروہ میں شامل ہونے کے بعد یہ پیشہ چھوڑ دیا تھا۔ جس وقت وہ حجام تھا، اس وقت بھی سائیڈ بزنس کے طور پر چوری کا مال خریدتا اور بیچتا رہتا تھا۔

الکپون کے گروہ میں آنے کے بعد اس نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور اس کا خاص آدمی بن گیا۔ وہ بڑے سلیقے سے بال بناتا تھا اور انہیں جما کر رکھتا تھا۔ سر کے درمیان مانگ نکالتا تھا۔ اس کی آنکھیں بتاتی تھیں کہ وہ ایک خطرناک آدمی تھا۔ الکپون اس پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ الکپون کی غیر موجودگی میں گویا وہی قائم مقام باس ہوتا تھا۔ خصوصاً جب سے الکپون میامی گیا تھا، تمام معاملات میں وہی مختار کل ہوگیا تھا۔

ہر شخص ہر معاملے میں اجازت لینے اسی کے پاس آتا تھا اور وہ بڑے رعب سے سر ہلاتے ہوئے کہتا تھا۔ ”ہاں..... ٹھیک ہے..... تم جاؤ..... میں اس معاملے کو دیکھ لوں گا۔“

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ الکپون نظر آنے کی کوشش کرتا تھا مگر الکپون اور اس کی شخصیت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ایک بار تو اس نے الکپون کے سامنے بھی اسی کا سا انداز اختیار کرنے کی کوشش کر ڈالی تھی۔

وہ الکپون اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ لفٹ میں اوپر آرہا تھا کہ الکپون نے کوئی بات کی۔ نٹی فوراً اپنی مخصوص شان بے نیازی سے بولا۔ ”تم اس معاملے سے دور رہو..... میں خود ہی اسے دیکھ لوں گا۔“

اس کی یہ بات سن کر الکپون نے تو کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا لیکن باقی لوگ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

الکپون کے جیل جانے کے بعد ہر کام اسی کی اجازت اور منظوری سے ہونے لگا تھا۔ جب تک وہ اشارہ نہ دیتا، کچھ نہیں ہوتا تھا۔

نٹی اور گوزک دونوں اپنی جگہ اچھے خاصے باحیثیت آدمی تھے۔ ان کی دولت اور اثاثے بھی کچھ کم نہیں تھے لیکن ٹیکسوں کی ادائیگی کے معاملے میں یہ دونوں بھی دوسرے گروہ بازوں کی طرح بے پروا تھے۔ یہ لوگ سرکاری محکموں کو خاطر میں ہی نہیں لاتے تھے۔

یہ دونوں بے پروا ہی رہے اور محکمہ چپکے چپکے ان کے خلاف ثبوت جمع کرتا رہا۔ جب محکمے کے پاس کافی دستاویزی ثبوت جمع ہوگئے تو اس نے ان دونوں کو گرفتار کرلیا۔ نہ صرف وہ دونوں حیران رہ گئے بلکہ جب یہ خبر جیل میں الکپون تک پہنچی تو اس پر بھی گویا بجلی گر پڑی۔ وہ اپنے ان ساتھیوں سے محروم ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ خاص طور پر اس وقت، جبکہ وہ خود جیل میں تھا۔

ان کی گرفتاری الکپون کے اپنے لئے بھی خطرے کی گھنٹی تھی کیونکہ ان کے مالی معاملات بہرحال الکپون کے مالی معاملات سے بھی جڑے ہوئے تھے۔ اس کی رہائی کا دن بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ اچھے رڈیے کی وجہ سے اس کی سزا دو ماہ کم ہوگئی تھی۔ 17 مارچ 1930ء کی رات ٹھیک 12 بجکر ایک منٹ پر اسے جیل کے آہنی دروازے سے باہر چلے جانا تھا۔

لیکن جب اس کی رہائی کا وقت قریب آیا تو اس سلسلے میں بہت سے خدشات اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ طے تھا کہ اس کی رہائی کے موقع پر اس کے اپنے گروہ کے بہت سے لوگ، اخباری نمائندے اور عام افراد بھی موجود ہوں گے۔ اس بات کا بہت زیادہ امکان تھا کہ اس کے کچھ دشمن بھی انہی لوگوں میں گھل مل کر کھڑے ہوجائیں گے اور ذرا سا موقع ملتے ہی اسے گولیوں سے چھلنی کردیں گے۔

جیل کا ڈاکٹر اور سرجن جس کا نام ہربرٹ تھا، الکپون کا اچھا دوست بن گیا تھا۔ اسے اس کے بارے میں بہت تشویش تھی۔ اس کا کہنا تھا۔ ”رات کو بارہ بج کر ایک منٹ پر جب الکپون جیل کے آہنی گیٹ سے نکلے گا تو اسے کچھ پتہ نہیں ہوگا کہ باہر کون کون اس کا منتظر ہوگا۔ جیل کے باہر کچھ دور تک تو روشنی ہوگی لیکن اس سے آگے اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا۔ کوئی بھی اندھیرے میں چھپ کر الکپون کا انتظار کرسکتا ہے اور نہایت آسانی سے اسے نشانہ بنا سکتا ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہئے اور یہ ہمارا فرض بھی بنتا ہے کہ الکپون بحفاظت اپنے گھر پہنچ جائے۔“

الکپون نے جتنا عرصہ جیل میں گزارا تھا، اس دوران ڈاکٹر ہربرٹ اس کا زبردست مداح بن چکا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ ”میں نے الکپون کے بارے میں جو کچھ سن رکھا تھا، اس کے بعد جب مجھے پتہ چلا کہ وہ اس جیل میں آگیا ہے تو میں پریشان ہوگیا تھا کہ نہ جانے اب کیا ہوگا لیکن جب مجھے اس کے قریب رہنے کا موقع ملا تو میں حیران رہ گیا۔ مجھے جیل میں ڈاکٹر اور سرجن کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے ہوئے سات سال ہوچکے ہیں۔ ان سات سالوں کے دوران میں نے الکپون جیسا شائستہ، خوش مزاج، مہرباں صفت اور دوسروں کا خیال رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا۔ وہ کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتا۔ کبھی کوئی رعایت نہیں مانگتا۔ ایک قیدی کی حیثیت سے جو کام بھی اس کے ذمے لگایا گیا، وہ اس نے محنت اور توجہ سے انجام دیا۔ آج کل وہ جیل کے فائل کلرک کے فرائض انجام دے رہا ہے اور بڑے عمدہ طریقے سے انجام دے رہا ہے۔“

کسی نے ڈاکٹر ہربرٹ سے پوچھا۔ ”کیا اس نے جیل میں کبھی کسی انداز میں اپنی طاقت کا اظہار کرنے کی کوشش نہیں کی؟“

”ہرگز نہیں۔“ ڈاکٹر ہربرٹ نے جوش و خروش سے جواب دیا۔ ”اس جیسا شریف اور امن پسند قیدی تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ میں تو اسے ایک مثالی قیدی قرار دوں گا۔ اگر سب قیدی اس جیسے ہوجائیں تو جیل کا ماحول باہر کی دنیا سے کہیں اچھا ہوجائے۔“

یہ ڈاکٹر ہربرٹ ہی کی کوششیں تھیں کہ الکپون کو کچھ ایسی حکمت عملی کے ساتھ رہا کیا گیا کہ کسی کو صحیح طور پر پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ کب اور کس طرح رہا ہوا۔ درحقیقت وہ جس جیل میں تھا، وہاں سے رہا ہی نہیں ہوا۔ رہائی کے وقت سے چوبیس گھنٹے پہلے اسے طبی بنیادوں پر ایک اور جیل میں منتقل کردیا گیا۔

اس کی رہائی کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ وہ جس جیل میں تھا، اس کے گیٹ پر پچاسوں آدمی کھڑے اس کا انتظار ہی کرتے رہے لیکن جیل کا دروازہ ہی نہیں کھلا اور کوئی باہر نہیں آیا۔

علی الصباح آخرکار جب لوگوں نے جیل کے محافظوں سے معلوم کیا کہ الکپون کہاں ہے تو انہیں بتایا گیا کہ وہ تو دوسری جیل سے رہا بھی ہوچکا ہے، اس وقت تک الکپون نہ جانے کہاں غائب ہوچکا تھا۔ اس کے اپنے آدمیوں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ بہت سے لوگ ایسے افراد کو رشوتیں دے کر اس کے بارے میں معلومات کرنے کی کوشش کررہے تھے جن کے بارے میں امید تھی کہ وہ الکپون کا اتا پتا بتا سکیں گے۔

الکپون کے ایک کمسن بھانجے نے تو اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اخباری رپورٹر اس امید پر بھانجے تک پہنچے کہ الکپون کہیں بہن کے گھر نہ آیا ہو۔ بھانجے نے بھی یہی تاثر دیا جیسے وہ الکپون کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔

رپورٹروں نے اسے خوب آئس کریم اور مٹھائیاں کھلائیں۔ وہ سب کچھ چٹ کرتا رہا اور الکپون کے بارے میں ٹال مٹول کرتا رہا۔ جب وہ جی بھر کے اپنی من پسند چیزیں کھا چکا اور خوب اپنی آؤ بھگت کرا چکا تو اس نے معصومیت سے کہہ دیا۔ ”مجھے کیا پتہ انکل کہاں ہیں..... میں نے تو ایک سال سے ان کی شکل نہیں دیکھی۔“

کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ الکپون کہاں ہے۔ آخرکار اخبار نویس سنی سنائی باتوں اور افواہوں سے کام چلانے لگے لیکن درحقیقت وہ اپنی خبروں میں خود اپنا مذاق بھی اڑا رہے تھے۔ کوئی لکھ رہا تھا۔ ”الکپون ٹرین میں بیٹھ کر میامی روانہ ہوگیا ہے۔“

کوئی انکشاف کررہا تھا۔ ”وہ جہاز میں بیٹھ کر سیسرو آرہا ہے۔“

کسی نے لکھا۔ ”وہ سائیکل پر بیٹھ کر آرہا ہے۔“

ایسی تمام خبروں کے آخر میں رپورٹر یہ اعتراف کرلیتے تھے کہ درحقیقت انہیں کوشش بسیار کے باوجود الکپون کے بارے میں کوئی صحیح بات معلوم نہیں ہوسکی۔ کچھ بعید نہیں کہ وہ فٹ پاتھ پر آپ کے پیچھے ہی چلا آرہا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جسے آپ عام آدمی سمجھ کر بات کررہے ہوں، وہ بھیس بدلے ہوئے الکپون ہی ہو۔ یوں اس کی ذات کئی دن تک افسانہ ہی بنی رہی۔

کسی کو پتہ نہیں چل سکا کہ الکپون دراصل اپنے پرانے ہوٹل ”ہاتھورن“ میں جا کر قیام پذیر ہوگیا تھا جس کا نام اب ”ویسٹرن“ ہوگیا تھا۔ الکپون نے اسے بیچ دیا تھا اور اب وہ اس کی ملکیت نہیں تھا۔ الکپون چشمہ لگا کر اور ہیٹ کا چھجا ذرا جھکا کر وہاں پہنچا تھا۔ کوئی اسے پہچان نہیں سکا تھا اور وہ فرضی نام سے وہاں ٹھہرا تھا۔

چند دن ”غائب“ رہنے کے بعد اس نے منظر عام پر آنے کا فیصلہ کیا تو اسے پتہ چلا کہ پولیس چیف نے اسے دیکھتے ہی گرفتار کرنے کا فیصلہ کررکھا ہے۔ یہ سن کر اس نے اپنے وکیل کو طلب کیا اور اس کے ساتھ خود اسٹیٹ اٹارنی کے دفتر جا پہنچا۔

”آخر پولیس مجھے کس الزام میں گرفتار کرسکتی ہے؟“ اس نے جارحانہ لہجے میں سوال کیا۔ ”میں تو پہلے ہی نہ جانے کس ناکردہ جرم کی سزا بھگت چکا ہوں۔“

پولیس چیف ان دنوں اسٹیک تھا۔ وہ وہیں موجود تھا۔ وہ اطمینان سے بولا۔ ”ہم تمہیں اس لئے گرفتار کرلیں گے کہ تم اچھے شہری نہیں ہو۔ تمہاری موجودگی سے امن عامہ کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔“

الکپون کو معلوم تھا کہ اس الزام کا پھندا کسی بھی شہری کی گردن میں فٹ آجاتا تھا اور پولیس کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اس الزام کے تحت کسی بھی آدمی کو گرفتار کرلے۔ یہ دوسری بات تھی کہ پولیس اگر اس الزام کو ثابت نہیں کرپاتی تھی تو وہ شخص دوسرے ہی دن بری ہوجاتا تھا لیکن الکپون کو اپنے بارے میں یقین نہیں تھا کہ وہ اس الزام کے پھندے سے نکل پائے گا۔

”آخر تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے کہاں بھیجنا چاہتے ہو؟“ الکپون نے قدرے نرمی سے دریافت کیا۔

”میں چاہتا ہوں تم روس چلے جاؤ۔“ اسٹیک اطمینان سے بولا۔

آخرکار الکپون نے میامی جانے کا فیصلہ کیا۔ الکپون جب جیل میں تھا تو اس کے میامی والے مکان پر بھی چھاپہ پڑ چکا تھا اور وہاں سے غیر قانونی شراب کے علاوہ دوسری کئی ممنوعہ چیزیں برآمد کی گئی تھیں لیکن الکپون پر اس ضمن میں اس لئے کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکا تھا کہ وہ کافی عرصے سے جیل میں تھا۔

اپنے پام آئی لینڈ والے شاندار اور پرتعیش مکان میں پہنچ کر الکپون نے چند روز آرام کیا۔ اس کے بعد عیش اور تفریح میں وقت گزارنا شروع کردیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اب وہ صحیح معنوں میں زندگی سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ کبھی وہ اپنی موٹر بوٹ میں مچھلی کے شکار پر نکل جاتا اور کبھی فلم اسٹارز یا ڈائریکٹرز کی دعوت پر ان کی کسی فلم کا خصوصی شو دیکھنے چلا جاتا جو صرف اس کے اعزاز میں چلایا جاتا۔

اپنی ایسی ہی تفریحات کے دوران اس نے ایک مرتبہ جنسی اور ڈور سے اتنی بڑی مچھلی پکڑی جتنی اس وقت تک کسی شوقیہ شکاری نے نہیں پکڑی تھی۔ وہ مچھلی 8 فٹ لمبی اور 70 پونڈ وزنی تھی۔

اس قسم کی تفریحات کے دوران اس کے ساتھ اس کے اپنے آدمیوں کے علاوہ کئی معززین شہر اور اہم شخصیات ہوتیں۔ اس نے اب کوشش شروع کردی تھی کہ قانون سے نہ الجھے، وہ باہر نکلتا تو اس کے باڈی گارڈ کے پاس بھی پستول تک نہ ہوتا، اس کے باوجود پولیس نے مختلف حیلوں بہانوں سے اسے تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔

ایسا لگتا تھا جیسے اندر ہی اندر اس کے خلاف کھچڑی پک رہی ہو۔ کبھی شہریوں کی کوئی چھوٹی موٹی تنظیم یا فلاحی ادارہ کسی محکمے میں درخواست دے دیتا کہ اس کی موجودگی کی وجہ سے شہر کی نیک نامی یا کاروباری صورت حال متاثر ہورہی ہے۔ کبھی کوئی سرکاری آفیسر کسی میٹنگ میں تجویز پیش کردیتا کہ کیوں نہ اسے میامی سے نکال کر اس کے گھر پتالاگا دیا جائے۔

خاص طور پر الکپون جب میامی کی حدود میں نکلتا تو پولیس اسے روک لیتی اور اس طرح تلاشی لیتی یا کسی پولیس اسٹیشن پر لے جاتی جیسے وہ کوئی معمولی درجے کا مجرم ہو۔ کبھی کبھی ایسے موقعوں پر اس کے معزز مہمان بھی اس کے ہمراہ ہوتے۔ خلاف عادت الکپون یہ سب کچھ نہایت تحمل سے برداشت کئے جارہا تھا۔

حتیٰ کہ ایک بار پھر غیر قانونی شراب کا بہانہ بنا کر اس کے پام آئی لینڈ والے مکان پر چھاپہ بھی مارا گیا۔ الکپون اس وقت خود وہاں نہیں تھا۔ صرف اس کا منیجر مکان میں موجود تھا اور پانچ دوست سوئمنگ پول میں نہا رہے تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا۔

پولیس کی ان کارروائیوں کا کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ انہیں اکثر الکپون اور اس کے آدمیوں کو رسمی پوچھ گچھ کے بعد چھوڑنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھار انہیں معمولی جرمانہ عائد کرنے کا کوئی بہانہ مل جاتا تھا۔ گھر پر چھاپہ مار کر پولیس نے اس کے منیجر اور پانچ دوستوں کو پکڑا تو انہیں بھی پانچ سو ڈالر جرمانہ وصول کرنے کے بعد چھوڑ دیا۔

اگر انہیں کبھی پولیس کی تحویل میں زیادہ دیر ہوجاتی تھی تو الکپون کے وکیل دندناتے ہوئے پہنچ جاتے تھے اور پولیس کو آنکھیں دکھاتے تھے۔ ایسے موقعوں پر پولیس تحمل کا مظاہرہ کرتی تھی۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پولیس پر کوئی دباؤ تھا جس کی وجہ سے وہ کچھ کارکردگی دکھانے کی کوشش کرتی تھی۔

ایک بار الکپون اور اس کے پانچ ساتھیوں کو تھیٹر دیکھنے کے دوران بھی حراست میں لے لیا گیا۔ اس کے ساتھیوں میں اس کا وکیل بھی شامل تھا۔ وہ رات انہیں حوالات میں گزارنا پڑی کیونکہ اس وقت کسی جج کو ان کی ضمانت لینے کے لئے جگایا نہیں جاسکا۔ بہرحال، دن چڑھے وہ عدالت میں چند منٹ کی قانونی بحث و تمحیص کے بعد رہا ہوگئے۔

ان کارروائیوں سے تنگ آکر آخرکار الکپون نے پولیس چیف، پبلک سیفٹی کے محکمے کے ڈائریکٹر اور کمشنر وغیرہ پر مقدمہ کردیا کہ یہ لوگ سازش کے تحت بار بار بلاوجہ اسے حراست میں لیتے ہیں اور ہراساں کرتے ہیں۔

یہ مقدمہ کئی دن چلا لیکن جس طرح الکپون کو بار بار حراست میں لینے کا پولیس کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا تھا، اسی طرح الکپون کو بھی ان لوگوں پر مقدمہ کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔

اس دوران الکپون نے شہریوں کے درمیان اپنی ساکھ بہتر بنانے اور معزز بننے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اس کے سوئمنگ پول کی بڑی شہرت تھی۔ ایک بار ایک اسکول کے لڑکے، لڑکیوں نے درخواست کی کہ کیا وہ آکر اس کے پول میں تیراکی کرسکتے ہیں؟

اس نے بخوشی اجازت دے دی لیکن شرط رکھی کہ وہ اپنے والدین سے تحریری اجازت لے کر آئیں۔ تقریباً 80 لڑکے، لڑکیاں اس کے سوئمنگ پول میں نہانے اور تیراکی کرنے آپہنچے۔ الکپون ذرا بھی نہ گھبرایا۔ اس نے اپنے اسٹاف سے کہہ کر ان لڑکے، لڑکیوں کی خوب خاطر مدارات کا بندوبست کرایا۔ سوئمنگ پول کے کنارے آتش بازی کا مظاہرہ بھی کیا گیا۔ اچھا خاصا جشن کا سا سماں ہوگیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تمام طالب علموں کو جاتے وقت تحائف بھی دیئے گئے۔

اس کا یہ حسن سلوک دیکھ کر دوسرے کئی گروپ بھی کوئی نہ کوئی درخواست لے کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے سب کے ساتھ حتی الامکان بہترین سلوک کرنے کی کوشش کی جس سے بعض حلقوں میں اس کی تعریفیں ہونے لگیں اور اس کے اخلاق کے گن گائے جانے لگے۔

اس پر ایک اخبار نے لکھا۔ ”الکپون بڑا چالاک ہے، وہ ایک خاص حکمت عملی کے تحت یہ سب کچھ کررہا ہے، وہ چاہتا ہے کہ اگر اس پر برا وقت پڑے تو شہر کے شرفاء اور معززین اس کی حمایت کریں اور گواہی دیں کہ وہ بہت اچھا شہری ہے۔ معاشرے کا مفید رکن ہے اور اس کا یہاں رہنا شہر کے حق میں بہت اچھا ہے شاید الکپون یہ گواہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوہی جائے۔“

اس دوران کچھ شہریوں نے عدالت میں رٹ دائر کردی کہ الکپون کو شہر سے نکال کر اس کے مکان پر تالا لگا دیا جائے۔ عدالت نے اس رٹ کی سماعت شروع کردی۔ الکپون روزانہ اطمینان سے نہایت عمدہ، قیمتی اور نفیس سوٹ زیب تن کر پیشی پر حاضر ہونے لگا۔ اس کی ٹائی پر ہمیشہ کی طرح ہیرے کی ٹائی پن لگی ہوتی۔

ایک اخبار نے ایک مرتبہ لکھا۔ ”اس کی ٹائی پن میں جو ہیرا لگا ہوتا ہے، وہ مشین گن کی گولی کے برابر ہوتا ہے۔“

کبھی اس کی ٹائی پن میں بڑا سا سچا موتی بھی لگا ہوتا۔

وہ شان و شوکت سے عدالت میں آتا رہا۔ اس مقدمے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ آخر میں جج صاحب نے یہی فیصلہ دیا۔ ”میں شہریوں کے بعض اعتراضات سے متفق ہوں لیکن ایک شخص کو اس کے اپنے گھر سے بے دخل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔“

اُدھر شکاگو میں اپریل 1930ء میں کرائم کمیشن نے ایک فہرست جاری کی تھی جس میں ان لوگوں کے نام تھے جنہیں کمیشن کی رائے میں جیل میں ہونا چاہئے تھا۔ کرائم کمیشن نے انہیں ”عوام کے دشمن“ کا خطاب دیا تھا۔ ظاہر ہے اس فہرست میں سب سے اوپر الکپون کا نام تھا۔ اس کے بعد اس کے بھائیوں، خاص خاص آدمیوں اور دوسرے گروہوں کے سرغنہ افراد کے نام تھے۔

اس فہرست میں کئی اور لوگوں کے نام بھی شامل ہو سکتے تھے لیکن شاید اس لئے شامل نہیں ہوئے تھے کہ کرائم کمیشن ان کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکا تھا۔ جیک لنگ کو بھی شاید انہی لوگوں میں شمار کیا جا سکتا تھا گو کہ وہ کسی گروہ کا سرغنہ تو کیا، کارکن بھی نہیں تھا۔

جیک لنگ 1891ء میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد بیس سال

کی عمر میں وہ "ٹریبیون" اخبار میں بارہ ڈالر فی ہفتہ تنخواہ پر پروف ریڈر کے طور پر بھرتی ہو گیا۔ مزید تعلیم اور تجربے کے بعد وہ جلد ہی زیر تربیت رپورٹر کے طور پر کام کرنے لگا۔

ایک طویل عرصے تک کام کرنے کے باوجود وہ کبھی باقاعدہ رپورٹر نہیں بن سکا کیونکہ اس میں لکھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ وہ خوب بھاگ دوڑ کر لیتا تھا، تمام حقائق کھود کر نکال لاتا تھا لیکن اس کی خبر یا رپورٹ براہ راست نہیں چھپ سکتی تھی۔ کسی نہ کسی کو اسے از سر نو لکھنا پڑتا تھا۔

اس کے باوجود اسے کام کا آدمی سمجھا جاتا تھا کیونکہ وہ نہ جانے کس طرح اور کہاں کہاں سے نہایت سنسنی خیز حقائق ڈھونڈ نکال لاتا تھا۔ 1930ء میں اس کی عمر 38 سال سے کچھ اوپر اور تنخواہ 65 ڈالر فی ہفتہ ہو چکی تھی، وہ اب ایک کرائم رپورٹر کا اسسٹنٹ تھا۔ زیادہ تر کرائم رپورٹرز بھاگ دوڑ کے لئے ایک اسسٹنٹ رکھ لیتے ہیں۔ جیک لنگ بھی اسی قسم کا اسسٹنٹ تھا، اسے خود خبریں بنانا اور لکھنا اب بھی نہیں آیا تھا۔

لیکن وہ عام اور معمولی اسسٹنٹ نہیں تھا۔ اس کی خصوصیات الگ ہی تھیں۔ وہ صرف پولیس اسٹیشنز کے چکر نہیں لگاتا تھا جیسا کہ عام طور پر کرائم رپورٹرز یا ان کے اسسٹنٹ کیا کرتے تھے بلکہ وہ پورے شہر کی خاک چھانتا تھا۔ ہر جگہ سے خاص خبریں ڈھونڈ کر لاتا تھا اور اسسٹنٹ ہونے کے باوجود اس کے تعلقات ہر شعبۂ زندگی کے چھوٹے بڑے لوگوں سے تھے۔ خبریں حاصل کرنے کے لئے وہ گھریلو ملازموں تک سے دوستی رکھتا تھا اور دوسری طرف اس کی دوستی الی نوائے کے گورنر تک سے تھی۔

اسٹیٹ اٹارنی اور پولیس چیف بھی اس کے دوستوں میں شامل تھے۔ پولیس چیف تو سب کے سامنے کہا کرتا تھا۔ "جیک لنگ میرے لئے بیٹوں کی طرح ہے۔"

نہایت اعلیٰ پیمانے کی تقریبات میں اسے بلایا جاتا تھا۔ اس کا رہن سہن اور اخراجات بھی شاہانہ تھے۔ وہ ریس کا رسیا تھا۔ تنخواہ تو اس کی 65 ڈالر فی ہفتہ تھی لیکن ریس میں وہ ایک ایک دن میں ہزار ہزار ڈالر بھی ہار جاتا تھا۔

وہ لیموزین میں سفر کرتا تھا جسے ڈرائیور چلاتا تھا اور یہ گاڑی یا ڈرائیور اسے دفتر کی طرف سے نہیں ملا تھا۔ یہ بندوبست اس نے اپنی جیب سے کیا ہوا تھا۔ گھر اس کا ذاتی تھا اور خاصا شاندار تھا۔ اس میں اس کی بیوی، دو بچوں کے ساتھ رہتی تھی لیکن لنگ نے ایک شاندار ہوٹل میں ایک سوئٹ بھی لیا ہوا تھا تاہم اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ بیوی سے اس کی ناچاقی تھی یا وہ گھر نہیں جاتا تھا۔

اس کی گھریلو زندگی پرسکون تھی اور بیوی بچوں سے اس کے تعلقات ویسے ہی تھے جیسے کسی بھی اچھے شوہر اور اچھے باپ کے ہو سکتے ہیں۔ ہوٹل میں سوئٹ اس نے اپنی "کاروباری" اور پیشہ ورانہ مصروفیات میں سہولت کے لئے لیا ہوا تھا۔ وہ اپنے اس معیار زندگی کا جواز یہ پیش کرتا تھا کہ وہ خاندانی طور پر ایک کھاتا پیتا آدمی تھا اور باپ سے اسے ورثے میں بہت کچھ ملا تھا۔ وہ اخبار کے لئے کام تنخواہ کے لئے نہیں کرتا تھا بلکہ یہ اس کا شوق تھا۔

جیک لنگ کا اعلیٰ معیار زندگی 1929ء کے اقتصادی بحران کے دوران بھی برقرار رہا تھا۔ بڑے بڑے مجرم بھی اس کے ذاتی دوستوں کی فہرست میں شامل تھے۔ اس کا اخبار اسے اپنے "ہوشیار ترین" رپورٹرز میں شمار کرتا تھا۔ الکپون بھی اسے انٹرویو دینے سے انکار نہیں کرتا تھا۔

تاہم الکپون کی جیل سے رہائی کے موقع پر وہ بھی اندھیرے میں رہا تھا۔ وہ بھی جیل کے گیٹ پر انتظار کرتا رہ گیا تھا اور اسے پتا نہیں چلا تھا کہ الکپون کہاں گیا؟ لیکن وہ واحد رپورٹر تھا جس نے الکپون کے بھائی رالف کو فون کیا اور کافی غصے سے پوچھا تھا۔ "الکپون کہاں ہے؟ میں اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔"

رالف ان دنوں ضمانت پر رہا تھا۔ لنگ ایسا واحد آدمی تھا جس نے غصے میں رالف سے بات کی تھی اور رالف نے اسے تحمل سے جواب دیا۔ "مجھے خود بھی معلوم نہیں کہ الکپون کہاں ہے لنگ......! جیل سے نکلنے کے بارے میں اس نے مجھے کوئی اطلاع نہیں دی اور ابھی تک مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔"

"اس نے تو مجھے شرمندہ کرا دیا۔" لنگ بولا۔ "میرا اخبار تو یہی سمجھتا ہے کہ میں ایسے معاملات میں سب سے زیادہ باخبر آدمی ہوں، جیسے ہی اس کا کچھ پتا چلے، مجھے فوراً اطلاع دینا۔"

"میں ضرور اطلاع دوں گا۔" رالف نے سعادت مندی سے کہا۔

اس کے فون ان دنوں ٹیپ ہو رہے تھے اور فون ٹیپ کرنے والے یہ ریکارڈنگز سن کر حیران تھے کہ یہ کس قسم کا "اسسٹنٹ رپورٹر" ہے جو الکپون کے بارے میں اتنے غصے سے بات کر رہا ہے اور الکپون کا بھائی اسے اتنی نرمی سے جواب دے رہا ہے۔

بعض لوگ اسے شکاگو کا غیر رسمی پولیس چیف بھی کہتے تھے۔ اس کے طاقتور ہونے کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے جو بیلیز لافن کے ساتھ پیش آیا۔ لافن ایک نہایت بارعب بیلیز تھا۔ بعض لوگ اسے بیلیز کے بجائے "باس" بھی کہتے تھے۔ وہ جس محکمے میں بھی چلا جاتا تھا، کوئی اس کے کام سے انکار نہیں کرتا تھا۔

ایک بار اس نے ایک کلب کھولنے کا ارادہ کیا اور اجازت نامہ لینے کے لئے اسٹیٹ اٹارنی کے دفتر بھی چلا گیا۔ باقی تمام ضروری اجازت نامے وہ لے چکا تھا۔ اسٹیٹ اٹارنی اسے کسی وجہ سے اجازت نامہ دینا نہیں چاہتا تھا لیکن بیلیز کے سامنے اسے انکار کرنے کی جرأت بھی نہیں تھی۔ اس نے گول مول سی بات کی۔

بیلیز نے اسے اجازت ہی سمجھا اور پروگرام کے مطابق مقررہ تاریخ پر کلب کا افتتاح کر دیا لیکن دوسرے ہی روز اس کے کلب پر چھاپہ پڑ گیا اور اسے بند کر دیا گیا۔ الزام تھا کہ اس نے اسٹیٹ اٹارنی سے باقاعدہ تحریری اجازت نامہ نہیں لیا تھا۔

اسے پتہ چلا کہ اس سارے چکر کے پیچھے جیک لنگ کا ہاتھ تھا اور آخر کار بیلیز صاحب کو 65 ڈالر فی ہفتہ تنخواہ لینے والے اس اسسٹنٹ رپورٹر کو فون کرنا ہی پڑا۔

"میں نے سنا ہے کہ تمہیں میرے کلب پر چھاپہ پڑنے کی اصل وجہ معلوم ہے؟" بیلیز نے غصے سے کہا۔

"اس کی وجہ بہت سیدھی سی ہے۔" لنگ نے اس کے غصے سے ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ "تم نے اسٹیٹ اٹارنی سے اجازت نامہ نہیں لیا تھا۔"

"میں نے اس سے پوچھا تھا۔ اس نے مجھے منع بھی نہیں کیا تھا۔" بیلیز مزید غصے سے بولا۔

"لیکن تحریری اجازت تو قانونی طور پر ضروری ہے، وہ تو تمہیں لینا ہی پڑے گی۔ اگر بیلیز ہی قانون کی پابندی نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟" جیک لنگ اطمینان سے بولا۔

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ مجھے تحریری اجازت نہیں دے گا۔" بیلیز بولا۔

"تو پھر تمہیں کلب نہیں کھولنا چاہئے۔" لنگ اطمینان سے بولا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گا۔" بیلیز نے غصے سے کہا اور فون پٹخ دیا۔

اس کے کچھ ہی دن بعد جیک لنگ مشی گن ایونیو کے قریب زیر زمین راستے سے ریلوے اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا کہ کسی نے اسے گولی مار دی۔ اس وقت وہ نہایت عمدہ سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اس کے منہ میں سگار دبا ہوا تھا جو اس کے مرنے کے بعد بھی سلگتا رہا۔

قاتل اپنا ریوالور اور ایک دستانہ اس کی لاش کے قریب ہی پھینک گیا تھا۔ ایک دو راہ گیروں کی گواہی سے پتا چلا کہ آخری لمحوں میں ایک آدمی کو جیک لنگ کے نہایت قریب اور دوسرے کو تھوڑے فاصلے پر جاتے دیکھا گیا تھا۔

بہرحال تحقیقات سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ یہ بیلیز لافن کا کام نہیں تھا بلکہ اس کی خواہش کسی اور کے ہاتھوں پوری ہوئی تھی۔ پولیس کے اندازے کے مطابق یہ انڈر ورلڈ کا کام تھا لیکن نہایت باریک بینی تحقیقات کے باوجود پولیس اس بات کا تعین نہیں کر سکی کہ یہ کس گروہ کا کام تھا۔

تحقیقات کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ جیک لنگ نے باپ کی وراثت کے جو قصے مشہور کر رکھے تھے، وہ محض قصے ہی تھے۔ اس کے باپ نے درحقیقت اس کے لئے صرف پانچ سو ڈالر چھوڑے تھے۔ ظاہر ہے اس کے بعد اس کے رہن سہن کے بارے میں یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شاید وہ زیادہ ہی خطرناک کاموں میں ہاتھ ڈالنے لگا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ خطرناک جرائم پیشہ گروہوں کو بھی بلیک میل کرتا ہو یا کسی اور طرح ان کے مالی معاملات میں ملوث ہو گیا ہو۔

بہرحال اس کے اخبار کی ہمدردیاں پھر بھی اس کے ساتھ تھیں۔ "ٹریبیون" نے اس کے قاتل کی گرفتاری میں مدد دینے والے کے لیے پچیس ہزار ڈالر انعام کا اعلان کیا۔ کچھ اور اخبارات نے بھی اس میں رقم شامل کر دی۔ اخبارات نے اس طرح گویا جیک لنگ کے قاتل کو تلاش کرانے کی اپنی سی کوشش کی۔

جیک لنگ کے قتل کے معاملے نے بہت طول کھینچا۔ کئی گروہوں کے سرغنہ تفتیش کی زد میں آئے حتیٰ کہ الکپون پر بھی اس قتل کے سلسلے میں شبہ کیا گیا مگر کوئی حتمی نتیجہ نہیں نکلا۔

اس دوران الکپون کی شہرت کچھ اور بڑھ چکی تھی۔ شکاگو آنے والوں کے لئے یہ گویا بڑی شرم کی بات ہوتی تھی کہ وہ اس شہر میں آئیں اور الکپون کو دیکھے بغیر چلے جائیں۔ اس کی یا اس کی گاڑی کی کم از کم ایک جھلک دیکھنا لازمی سمجھا جاتا تھا۔

بڑے بڑے اداکار اور ہر شعبۂ زندگی کے ممتاز افراد اس سے مراسم رکھنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اس سے تعلق کا اظہار کرنے میں لوگوں کو کم از کم یہ فائدہ ضرور محسوس ہوتا تھا کہ انہیں کوئی تنگ نہیں کرتا تھا۔ الکپون کی شخصیت کا یہ پہلو بھی دلچسپ تھا کہ بعض اخبارات اسے انتہائی شقی القلب، درندہ صفت اور نہ جانے کیا کیا قرار دے چکے تھے مگر سماجی زندگی میں اس کے رقیق القلب ہونے کا یہ عالم تھا کہ بعض اسٹیج ڈراموں میں المیہ مناظر اور کسی کی متاثر کن المیہ اداکاری دیکھ کر زار و قطار رونے لگتا تھا۔

اچھی اداکاری پر اگر وہ کسی اداکار سے متاثر ہو جاتا تھا تو وہ خود بخود اس کے دوستوں میں شمار ہونے لگتا تھا پھر اسے بڑے سے بڑا بدمعاش بھی تنگ نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی اس سے بھتہ نہیں مانگ سکتا تھا اسے گویا مکمل تحفظ حاصل ہو جاتا تھا۔

اس عرصے میں الکپون کے خلاف ٹیکس چوری کی تحقیقات کا کام چپکے چپکے جاری تھا۔ ویسے اب یہ معاملہ کچھ ایسا راز نہیں رہا تھا۔ الکپون کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ٹیکس کے محکمے میں اس کی دولت کے بارے میں زبردست کھچڑی پک رہی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ حکومت نے اس سلسلے میں دس آفیسرز پر مشتمل ایک خاص گروپ تشکیل دیا تھا۔ ان آفیسرز کے بارے میں محکمے کو یقین تھا کہ انہیں خریدا جا سکتا تھا اور نہ ہی خوف زدہ کیا جا سکتا تھا، وہ ہر قیمت پر اور ہر صورت میں اپنے فرائض ادا کرنے والے لوگ تھے۔

ان کے ذمے کبھی خاص خاص گروہوں کے مالی معاملات کو کھنگالنے کا کام لگایا گیا تھا۔ الکپون کے مالی معاملات کے بارے میں خاص طور پر جو آفیسر چھان بین کر رہا تھا، اس کا نام نیس تھا۔ الکپون کو بھی اس کے بارے میں علم ہو چکا تھا اور وہ اس سے سودے بازی کی کوشش بھی کر چکا تھا مگر ناکام رہا تھا۔

الکپون ٹیکس کے مسائل سے بچنے کے لئے اس سے پہلے جن آفیسرز کے ساتھ بنا کر رکھتا تھا، ان کی خدمت میں باقاعدگی سے رقوم بھجواتا تھا، وہ رقوم زیادہ بڑی نہیں ہوتی تھیں۔ رقوم کے ساتھ الکپون کی دہشت بھی شامل ہوتی تھی، اس لئے معاملات ہموار انداز میں چل رہے تھے۔

الکپون نے اس سے دس گنا زیادہ رقم کی پیشکش کر کے نیس کے ساتھ معاملہ کرنے کی کوشش کی مگر اسے مایوسی ہوئی۔ مایوس ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حیران ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکا اس کے لئے تو گویا یہ تصور ہی ناقابل قبول تھا کہ کوئی آدمی ناقابل فروخت بھی ہو سکتا تھا۔

الکپون کے بعد دوسری طرف نیس کے حیران ہونے کی باری تھی۔ اسے معلوم تھا کہ الکپون کو اپنی بات کے جواب میں انکار سننے کی عادت نہیں تھی۔ جب کوئی آدمی اس کی فیاضانہ پیشکش کو ٹھکرا دیتا تھا تو اس کے بعد الکپون کے پاس اسے سبق سکھانے کا ایک ہی طریقہ رہ جاتا تھا اور وہ اس کی زندگی کا آخری سبق ہوتا تھا اس کے بعد الکپون اسے دوسری دنیا کے سفر پر روانہ کر دیتا تھا۔

نیس بھی منتظر رہا کہ شاید دست قاتل اس تک پہنچے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اسی دوران الکپون کی بہن میفلڈا کی شادی ہو گئی۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ کم از کم لڑکے کی حد تک یہ زبردستی کی شادی تھی۔ وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہتا تھا کسی وجہ سے اسے میفلڈا سے شادی کرنا پڑی لیکن میفلڈا کا کہنا تھا کہ وہ دونوں بچپن کے ساتھی تھے اور بچپن ہی سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ شادی کے وقت دولہا کی عمر 21 سال اور دلہن کی 19 سال تھی۔

ظاہر ہے یہ کوئی عام سی شادی نہیں تھی۔ الکپون کی بہن کی شادی تھی۔ چنانچہ خوب دھوم دھام سے ہوئی۔ شادی کا کیک بحری جہاز کی ساخت کا تھا۔ گیارہ فٹ لمبا، چار فٹ اونچا اور تین فٹ چوڑا تھا۔ اس پر "ہنالولو" لکھا ہوا تھا۔ ہنی مون کے لئے دولہا دلہن کو ہنالولو ہی جانا تھا۔ شادی کا کیک ان کے بحری سفر کی علامت تھا۔ الکپون کے بھائی رالف کے کلب میں اس شادی کا جشن تمام رات جاری رہا۔ شادی کے تحفے کے طور پر الکپون نے دولہا کو پچاس ہزار ڈالر دیئے۔

اس دوران ٹیکس کے محکمے نے الکپون کے خلاف کیس چلانے کی تیاریاں مکمل کر لیں اور آخر کار اس کے نام شکاگو کی عدالت سے سمن جاری ہو گئے۔ الکپون نے ذرا بھی گھبراہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اسے گرفتاری کا خطرہ محسوس ہوا تو اس نے ضمانت قبل از گرفتاری کرا لی۔ پچاس ہزار ڈالر کی ضمانت پر وہ عدالت کے ہر بلاوے پر حاضر ہونے لگا۔ ہر پیشی پر وہ معمول کے مطابق نہایت خوش لباس دکھائی دیتا۔

مقدمے کے دوران ایک رات وہ چند جرائم پیشہ افراد کے ساتھ ایک نائٹ کلب میں تاش کھیل رہا تھا۔ اس کے ساتھ کھیلنے والے اسی قسم کے جرائم پیشہ افراد تھے جو بظاہر معزز دکھائی دیتے تھے، ان میں ہیلر نامی ایک عمر رسیدہ شخص بھی تھا۔

ہیلر کو بڑھاپے اور بیماریوں نے اب کافی حد تک ناکارہ کر دیا تھا اور اس کی حالت کچھ قابل رحم نظر آتی تھی لیکن کچھ عرصے پہلے تک وہ جرائم کے میدان میں نہایت متحرک رہا تھا۔ زندگی کی رنگینیوں میں سے وہ اپنا حصہ مستعدی سے وصول کرتا رہا تھا۔

وہ الکپون کے بھی قریبی شناساؤں میں سے تھا گو کہ اس نے کبھی الکپون کے لئے باقاعدہ خدمات انجام نہیں دی تھیں لیکن وہ اس کے بہت سے معاملات سے خاصی آگاہی رکھتا تھا۔ الکپون کا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ اچھا رہا تھا جس کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ وہ اس وقت بیٹھا اس کے ساتھ تاش کھیل رہا تھا۔

جب محفل برخاست ہوئی تو ہیلر اپنی پرانی سی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ وہ شہر کے نواح میں چھوٹے سے ایک فارم پر جھونپڑے سے کچھ بہتر مکان میں رہتا تھا۔ کلب سے اس کے روانہ ہونے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد اس کی کسی شناسا عورت نے اس سے کوئی ٹیلیفون نمبر معلوم کرنے کے لئے اسے فون کیا تو وہ ہیلر کے بجائے کسی اور کی غراتی ہوئی بھاری سی آواز سن کر حیران رہ گئی۔

"کیا ہے.... کون بول رہا ہے؟" اجنبی آواز نے دریافت کیا۔

ہیلر کی شناسا عورت فوری طور پر کچھ بھی نہ بول سکی۔ اس آواز میں کوئی ایسی بات تھی کہ عورت کی اپنی آواز گلے میں اٹک کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے انتظار کے بعد دوسری طرف ریسیور پٹخ دیا گیا۔

اسی رات کسی راہ گیر نے فائر بریگیڈ کو اطلاع دی کہ اس نے شہر کے نواح سے گزرتے وقت ایک جگہ شعلے بلند ہوتے دیکھے ہیں۔ فائر بریگیڈ والے اس کے بتائے ہوئے محل وقوع کے مطابق وہاں پہنچے تو انہوں نے اجڑے ہوئے ایک چھوٹے سے فارم پر ایک مکان کو تقریباً خاکستر حالت میں پایا۔

اس مکان سے ایک لاش برآمد ہوئی۔ لاش جل کر کوئلہ ہو چکی تھی۔ ایک آدھ نشانی سے بڑی مشکل سے طے ہوا کہ وہ ہیلر کی لاش تھی۔ اس کی کار بھی فارم پر کھڑی مل گئی لیکن وہ بھی آگ سے تباہ ہو چکی تھی۔ اس کی پچھلی سیٹ پر ایک ریوالور بھی پڑا تھا جس کی چھ گولیاں آگ کی وجہ سے چل چکی تھیں، وہ ہیلر کا اپنا پستول تھا مگر اس کے کسی کام نہیں آ سکا تھا۔

ہیلر کی موت کی صحیح وجوہ بھی کبھی سامنے نہیں آ سکیں اور نہ ہی اس کا قاتل پکڑا جا سکا۔ پولیس کو یہ تو یقین تھا کہ اس کے مکان میں آگ لگنا کوئی حادثہ نہیں تھا لیکن وہ اس کے ذمے دار تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

الکپون کے بارے میں تحقیقی مواد جمع کرنے والوں کا خیال ہے کہ یہ "کارنامہ" بھی الکپون ہی کا ہو سکتا تھا کیونکہ ہیلر نے آستین کے سانپ کا کردار ادا کرتے ہوئے ٹیکس کے محکمے کو خط لکھا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ وہ لوگ کن مقامات اور کن شعبوں سے الکپون کی آمدنی کے بارے میں دستاویزی ثبوت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ خط مقدمے کی کارروائی کے دوران الکپون کی نظر میں آ گیا تھا۔ اسے یقیناً ہیلر آستین کا سانپ ہی معلوم ہوا ہو گا اور آستین کے سانپوں کے لئے اس کے ہاں سزا بڑی سخت تھی۔

ٹیکس کا مقدمہ طول کھینچ رہا تھا۔ محکمے نے مجموعی طور پر الکپون پر بائیس الزامات عائد کئے تھے جو سب کے سب ٹیکس چوری اور آمدنی چھپانے ہی سے متعلق تھے۔ محکمے نے اس کے خلاف دستاویزی ثبوت جمع کرنے میں بڑی محنت کی تھی اور بہت عرق ریزی سے شہادتیں جمع کی تھیں جن میں ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو کی بہت سی ریکارڈنگز بھی شامل تھیں۔ الکپون نہایت صبر و سکون سے مقدمے کا سامنا کر رہا تھا۔ اس دوران سرکاری افسروں اور گواہوں کو اس کی طرف سے رشوت کی پیشکش اور دھمکائے جانے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

ظاہر ہے یہ سب باتیں نہایت خفیہ انداز میں ہوتی تھیں اور کچھ ایسے طریقے اختیار کئے جاتے تھے کہ الکپون پر ان کوششوں کا الزام نہ آ سکے۔ ایک جج کو پندرہ لاکھ ڈالر تک کی رشوت کی پیش کش کی گئی۔ اس کے عوض اسے اپنے فیصلے میں کوئی ایسا جھول رکھنا تھا کہ الکپون اس کی وجہ سے جیل جانے سے بچ جائے۔

پندرہ لاکھ ڈالر اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی اور اس پیش کش کو ٹھکرانے کے لئے بڑے حوصلے اور مضبوط قوت ارادی کی ضرورت تھی مگر آزمائشوں پر پورا اترنے والے انسان ہر دور میں پائے جاتے ہیں۔ اس دور میں بھی پائے جاتے تھے۔ جج صاحب نے انکار کر دیا۔ مقدمہ چلتا رہا۔

اس دوران الکپون نے اخبارات کو یہ بیان بھی دیا۔ "اگر میں جیل چلا گیا تو چھوٹے چھوٹے گروہ اس شہر میں شرفاء کی زندگی اجیرن کر دیں گے۔"

مقدمے کی سماعت میں وقفہ آتا تھا تو جیوری کے ارکان کو عدالت کے قریب ہی سرکاری خرچ پر ایک ہوٹل میں ٹھہرایا جاتا تھا جہاں سے وہ کسی کو فون نہیں کر سکتے تھے، اپنے ساتھ کوئی رسالہ یا اخبار نہیں لے جا سکتے تھے۔ یہ احتیاط اس لئے کی جاتی تھی کہ الکپون کا گروہ جیوری کے کسی رکن کو کوئی پیغام دینے کے لئے پریس کو استعمال نہ کر رہا ہو۔

ٹیکس کا محکمہ اور اسٹیٹ اٹارنی کے دفتر کے لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے لوگوں کو عدالت میں لا رہے تھے جنہیں الکپون سے کوئی شکایت یا پرخاش رہی تھی اور جن کی گواہی اس کے لئے ذرا بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

اس دوران الکپون کے وکیل صفائی کی طرف سے یہ دلچسپ جملہ بھی سننے میں آیا۔ "ٹیکس چوری انسان کی فطرت میں شامل ہے۔"

ٹیکس کا مقدمہ اپنی جگہ درحقیقت بہت سے مقدموں کا مجموعہ تھا۔ ابھی وہ چل ہی رہا تھا کہ اس میں ایک اور الزام کا اضافہ ہو گیا۔ ایک روز عدالت کے ایک اہلکار نے الکپون کی بیلٹ میں پچھلی طرف پھنسا ہوا اور کوٹ کے نیچے چھپا ہوا ایک پستول برآمد کر لیا۔ عدالت میں...... اور وہ بھی گرینڈ جیوری کے سامنے پستول لے کر آنا بھی ایک سنگین جرم تھا۔

الکپون کے پاس گو کہ اس پستول کا لائسنس موجود تھا لیکن بدقسمتی سے اس کی میعاد ختم ہوئے چند روز گزر چکے تھے اور اس کا ملازم اس کی تجدید کرانا بھول گیا تھا۔ اگر الکپون کا لائسنس کارآمد ہوتا تب بھی کچھ زیادہ فرق نہ پڑتا۔ عدالت میں اور وہ بھی گرینڈ جیوری کی موجودگی میں آتشیں ہتھیار لے کر آنا ایک سنگین جرم تھا۔

الکپون کے مقدموں میں ایک مقدمہ یہ بھی شامل ہو گیا۔ الکپون ان دنوں اندر ہی اندر پریشان تھا لیکن وہ اپنی پریشانی ذرا بھی ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ ہر پیشی پر حسب معمول عمدہ لباس میں تر و تازہ چہرے کے ساتھ ہنستا مسکراتا عدالت میں آتا اور خوش مزاجی سے ہر سوال کا جواب دیتا۔

نو ماہ مقدمہ چلتا رہا۔ یہ امریکی تاریخ کا اس وقت تک کا پہلا مقدمہ تھا جس نے اتنا طول کھینچا۔ آخری پیشی پر جیوری فیصلہ کرنے کے لئے بند کمرے میں گئی تو اسے سوچ بچار میں آٹھ گھنٹے لگ گئے۔

آخر کار جیوری واپس آئی اور تمام ارکان کی آراء کی روشنی میں جج صاحب نے فیصلہ سنایا۔ الکپون کو مجموعی طور پر گیارہ سال قید اور ایک لاکھ ڈالر جرمانے کی سزا ہوئی۔ ڈھائی لاکھ ڈالر اسے ٹیکس کی مد میں ادا کرنے تھے۔ اس کے علاوہ اس طویل مقدمے کے تمام اخراجات بھی اسی کے سر ڈالے گئے۔

(جاری ہے)

الکپون کو گیارہ سال کی جو سزائے قید ہوئی تھی۔ اس میں سے دس سال اسے وفاقی انتظامات کے تحت قائم کی گئی جیل میں اور ایک سال کاؤنٹی کی جیل میں گزارنا تھا۔ جس روز اسے سزا سنائی گئی، اس روز بھی ایک علاقے میں اس کے مخالف گروہ کے ایک آدمی کو گولی ماردی گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ الکپون خواہ جیل میں رہے یا جیل سے باہر...... اس کے تمام

دھندے جس طرح چل رہے تھے، اسی طرح چلتے رہیں گے۔

"چلو آخرکار معاملہ اپنے اختتام کو پہنچ ہی گیا۔" الکپون نے مقدمے کا فیصلہ سننے کے بعد گہری سانس لے کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے.....!" اس کے ایک وکیل نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز گویا گلے میں اٹک رہی تھی۔ "ہم نے اپنی سی کوشش کی۔"

"مجھے تم لوگوں سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" الکپون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ایک مارشل اور چند ڈپٹی مارشل اسے گھیرے میں لینے کے لئے آگے بڑھے۔ اسی دوران ٹیکس کے محکمے کا ایک اہلکار ایک کاغذ ہاتھ میں لہراتا ہوا تیزی سے الکپون کی طرف لپکا اور بولا۔ "مسٹر الکپون! آپ کو اس پر دستخط کرنا ہوں گے تاکہ اس رقم کی ادائیگی ہوسکے۔"

الکپون نے ذرا پیچھے ہٹ کر ایک پاؤں اوپر اٹھایا۔ اس کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ سخت غصہ میں ہے اور اس شخص کو لات رسید کرنے لگا ہے۔ ڈپٹی مارشلز نے جلدی سے اسے قابو میں کیا اور لات چلانے سے باز رکھا۔

وہ نیچے آیا تو اخباری فوٹو گرافر اس کے منتظر تھے۔ الکپون قدرے افسردہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے ان سے مخاطب ہوا۔ "تم لوگ میری بہت سی تصویریں بنالو، اب ایک طویل عرصے تک تم سے ملاقات نہیں ہوگی۔"

پھر وہ پولیس کی گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے بولا۔ "غلطی میری اپنی تھی۔ مجھے شہرت حاصل نہیں کرنی چاہئے تھی۔ انسان زیادہ شہرت حاصل کرتا ہے تو پھر وہ بدنام بھی ہوتا ہے۔ آدمی چاہے کچھ بھی کرتا پھرے لیکن اسے بدنام نہیں ہونا چاہئے۔ بدنامی کی وجہ سے انسان جلد دوسروں کی نظر میں آجاتا ہے۔ دنیا میں لاکھوں لوگ نہ جانے کیا کچھ کرتے پھر رہے ہیں لیکن وہ چونکہ بدنام نہیں ہیں اس لئے حکومتوں کو یا معاشرے کی اصلاح کرنے والوں کو ان کی کوئی فکر نہیں ہے۔ کوئی ان کی طرف دیکھتا تک نہیں لیکن مجھ جیسا آدمی سب کی نظر میں آجاتا ہے۔"

وہ جب جیل پہنچا تو وہاں بھی رپورٹرز اس کے منتظر تھے۔ کسی نے پوچھا۔ "اپنی سزا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"مجھے سزا سنانے کے معاملے میں کمینگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔" اس نے بلا تامل جواب دیا۔ پھر وہ کندھے اچکا کر بولا۔ "لیکن، بہرحال..... اگر مجھے سزا کاٹنی ہی ہے تو میں خوش دلی اور حوصلے سے کاٹوں گا۔"

جب اسے ابتدائی اور عارضی طور پر ایک کوٹھری میں لے جایا گیا تو رپورٹرز اور فوٹو گرافرز وہاں بھی پہنچ گئے لیکن اس نے ایک کونے میں بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے درخواست کی۔ "تم لوگ یہاں میری کوئی تصویر نہ کھینچنا، میری بیوی، بچے اور بہن کو ایسی تصویر دیکھ کر صدمہ ہوگا۔"

اسے اس کی اصل کوٹھری میں لے جایا گیا تو ایک فوٹو گرافر کسی نہ کسی طرح وہاں بھی پہنچ گیا اور تصویر بنانے کی کوشش کرنے لگا تب الکپون ایک بالٹی اٹھا کر اس کی طرف لپکا اور دھاڑا۔ "میں تمہاری کھوپڑی توڑ دوں گا۔"

جیل کے گارڈز نے اسے پکڑا اور بڑی مشکل سے قابو میں کیا۔ الکپون کا غصہ دور دور تک مشہور تھا۔ بعض اوقات تو وہ غصے کا مظاہرہ بھی نہیں کرتا تھا بلکہ کچھ خاص انداز میں کسی کی طرف دیکھتا تھا تو وہ دہشت زدہ ہوجاتا تھا۔

ایک بار ایک خاتون صحافی اس سے تفصیلی انٹرویو لینے اس کے میامی والے مکان پر گئی تھی۔ وہ الکپون کی شخصیت اور کاروبار کے منفی پہلوؤں سے قطع نظر اس سے بہت متاثر ہوئی تھی۔

اس نے اپنے تفصیلی انٹرویو میں ایک جگہ لکھا تھا۔ "اس کی آنکھوں میں شیر کی سی چمک ہے، اگر وہ کسی کی طرف چند سیکنڈ کے لئے ایک ٹک دیکھے اور اس وقت اس کے دل میں غصہ ہو تو سامنے والے کی رگوں میں لہو سرد ہوجاتا ہے۔"

الکپون جیل ضرور پہنچ گیا تھا لیکن اس کے وکیل ابھی تک اس کے لئے قانونی جنگ لڑ رہے تھے اور انہوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ الکپون کی مختلف نوعیتوں کی اپیلیں اعلیٰ عدالتوں میں زیر سماعت تھیں۔

الکپون رفتہ رفتہ جیل میں سیٹ ہوگیا بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ کچھ زیادہ ہی سیٹ ہوگیا۔ اسے جیل کے اسپتال سے ملحق ایک کمرے میں منتقل کردیا گیا تھا۔ وہ کمرہ اسپتال کا حصہ تو نہیں تھا لیکن اس میں ایسے قیدیوں کو رکھا جاتا تھا جن کا علاج ہوچکا ہوتا تھا لیکن وہ اپنی صحت کی مکمل بحالی کا انتظار کر رہے ہوتے تھے۔

الکپون اس کمرے میں مزے سے رہ رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے گروہ کے خاص خاص لوگ بھی اس سے ملنے کے لئے آنے لگے تھے۔ وہ ان سے اپنے دھندوں کی ساری رپورٹ لیتا اور انہیں ضروری ہدایات دیتا۔ باقاعدہ کاغذی کارروائیاں بھی ہوتیں۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ اسے جیل میں سیکرٹری کی سہولت بھی حاصل تھی۔

الکپون جیل میں بیٹھ کر بھی اپنے گروہ کو اسی طرح چلا رہا تھا جس طرح باہر رہ کر چلاتا تھا۔ تمام معاملات پر اس کا کنٹرول تھا۔ جیل میں اس کی "زیر صدارت" گروہ کے خاص خاص لوگوں کے اجلاس بھی ہوتے تھے۔ زیادہ سکون سے اپنا اجلاس منعقد کرنے کے لئے یہ لوگ وہ کوٹھری استعمال کرتے تھے جس میں سزائے موت کے قیدیوں کو بجلی کی کرسی پر بٹھا کر موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ الکپون اسی کرسی پر بیٹھ کر اجلاس کی صدارت کرتا تھا۔

کچھ عرصے بعد ایک متعلقہ جج کو اس صورت حال کے بارے میں فرضی ناموں سے ٹیلی گرام موصول ہونے لگے کہ جیل کے باہر اکثر الکپون کے گرگوں کی گاڑیاں کھڑی نظر آتی ہیں۔ گروہ کا کنٹرول بدستور اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اندر بیٹھا سارا انتظام چلا رہا ہے۔ اسے جیل میں تمام سہولتیں حاصل ہیں۔ وہ ایک ایسے کمرے میں رہ رہا ہے جس میں آٹھ قیدیوں کی گنجائش ہے، اگر اسی کو جیل کہتے ہیں تو پھر امریکا کے تمام شرفاء کو بھی جیل میں ڈال دینا چاہیے۔

جب جج صاحب کو اس طرح کے کافی ٹیلی گرام موصول ہوچکے اور اخباروں میں خبریں بھی چھپنے لگیں تو جج صاحب نے جیل کے وارڈن سے جواب طلب کیا۔ جیل کے وارڈن نے اس سلسلے میں ضابطے کی کارروائی کے مطابق جو تحریری جواب دیا، وہ اپنی جگہ تھا لیکن اس نے اس سلسلے میں ایک پریس کانفرنس کا بھی انتظام کرلیا۔ اس نے اخباری رپورٹرز کو دعوت دی کہ وہ خود آکر دیکھ لیں کہ الکپون جیل میں کس حال میں رہ رہا تھا۔

رپورٹرز جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ الکپون ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بیٹھا تھا، جہاں اسے صحیح معنوں میں انسانوں کی طرح رہنے کی سہولتیں بھی پوری طرح حاصل نہیں تھیں۔ وہ وہاں سوگواری صورت بنائے بیٹھا تھا۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا۔

رپورٹرز سے باتیں کرتے ہوئے اس نے تاسف زدہ سے لہجے میں کہا۔ "جو لوگ کہتے ہیں کہ میں یہاں عیش سے رہ رہا ہوں، میری دعا ہے کہ انہیں بھی کافی عرصے کے لئے اس کوٹھری میں رہنے کا موقع میسر آئے تاکہ وہ بھی یہاں کی آسائشوں سے لطف اندوز ہوسکیں۔"

انہی دنوں نیوجرسی کے ایک دولت مند اور بارسوخ آدمی کا شیر خوار بچہ اغوا ہوگیا۔ اندازہ یہی لگایا جارہا تھا کہ اسے تاوان کے لئے اغوا کیا گیا ہے لیکن اس کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا اور نہ ہی تاوان کا کوئی مطالبہ سامنے آیا تھا۔ غمزدہ خاندان پر جو گزر رہی تھی، اس کے بارے میں روز اخبارات میں خبریں چھپ رہی تھیں اور ریڈیو سے خبریں نشر ہورہی تھیں۔

الکپون نے اپنی طرف سے بھی اعلان کرادیا کہ وہ بچے کی بازیابی کے سلسلے میں کوئی بھی کارآمد اطلاع دینے والے کو دس ہزار ڈالر انعام دے گا۔ اس پیش کش کی وجہ سے ایک بار پھر اس کا ذکر مثبت انداز میں اخبارات میں آنے لگا اور دبے دبے لفظوں میں اسے انسانیت کا ہمدرد قرار دیا جانے لگا۔

الکپون نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ جب مزید چند روز تک بچے کا کچھ پتا نہ چلا تو اس نے اعلان کیا کہ اگر اسے صرف چند دنوں کے لئے کسی قانون کا سہارا لے کر پیرول پر رہا کردیا جائے تو وہ بچے کو بازیاب کراسکتا ہے۔

اس کا کہنا تھا۔ "مجھ جیسے لوگوں کے کچھ خصوصی ذرائع اور وسائل ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ بعض ایسے مسائل سے نمٹ سکتے ہیں جن سے پولیس بھی نہیں نمٹ پاتی۔ مجھے صرف چند دن کے لئے پیرول پر باہر جانے دیا جائے تو میں بچے کو ڈھونڈ نکالوں گا۔ میں ضمانت کے طور پر اپنے بھائی کو جیل میں چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ ظاہر ہے میں اپنے بھائی کو تو قربانی کا بکرا بنا کر کہیں نہیں بھاگ سکتا۔ میں بھاری رقم بھی ضمانت کے طور پر جمع کرانے کے لئے تیار ہوں۔"

جذبۂ ہمدردی اور انسانیت سے لبریز اس کی اس اپیل پر حکام کو غور کرنا پڑا لیکن طویل غور وخوض کے بعد یہی فیصلہ کیا گیا کہ اس پیشکش کو قبول نہ کیا جائے۔ شاید حکام نے یہی سوچا کہ بڑی مشکل سے تو وہ اس شخص کو اندر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اب اسے باہر بھیجنے کا خطرہ مول نہ ہی لیا جائے تو بہتر ہے۔

خبریں سننے میں آئیں کہ اس دوران بچے کے پریشان حال والدین نے پچاس ہزار ڈالر تاوان بھی ادا کردیا لیکن بچہ تب بھی نہیں مل سکا۔ حقیقت یہ تھی کہ بچے کو تاوان کی ادائیگی سے تین دن قبل ہی قتل کیا جاچکا تھا۔

الکپون نے جیل میں رپورٹرز کے سامنے اپنی "حالت زار" کا ڈراما رچا کر وقتی طور پر تو انہیں مطمئن کردیا تھا لیکن ظاہر ہے یہ ڈرامہ ہمیشہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ جیل میں رہنے کا اس کا انداز بہرحال وہی تھا جس کے بارے میں باہر خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔

وہ واقعی اس کمرے میں رہ رہا تھا جس میں آٹھ قیدیوں کی گنجائش تھی۔ اس میں اس کی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ اس کے پاس بنیانوں اور انڈر ویئرز سمیت بیسیوں جوڑے کپڑوں کے تھے۔ پچاسوں جوڑے جرابوں کے تھے۔ بہت سے نرم تکیے اور بستروں کی چادریں تھیں۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔

اس کا بستر آرام دہ تھا۔ جیل کے گارڈز کو وہ اپنے کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے صاف کرنے کا حکم دے دیتا تھا۔ اس کے پاس شیونگ کا سامان، غسل کے بعد پہننے کا گاؤن، ٹینس کے جوتے اور ریکٹ، تصویروں کا ایک البم حتیٰ کہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کی 24 جلدیں بھی موجود تھیں۔

جیل میں کسی قیدی کے پاس یہ چیزیں موجود ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ صرف یہی نہیں وہ جیل میں آزادی سے گھومتا پھرتا تھا۔ ٹینس بھی کھیلتا تھا اور اس دوران ایک قیدی گارڈ کے طور پر اس کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ کسی بڑے افسر کی طرح شاہانہ انداز میں جیل میں گھومتا تھا۔ بعض قیدی دبی زبان میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ باہر وہ جرائم کی دنیا کا بادشاہ تھا، جیل میں آکر جیل کا بادشاہ بن گیا ہے۔

ظاہر ہے یہ سب کام پیسے کے زور پر ممکن ہوتے تھے اور الکپون نے رقوم جیل میں منتقل کرنے کے طریقے ایجاد کرلئے تھے۔ وہ فراخ دل ہمیشہ سے تھا۔ چنانچہ اپنی جیب سے اکثر و بیشتر دوسرے قیدیوں کو بھی چھوٹی موٹی "عیاشیاں" کراتا رہتا تھا۔ کبھی کسی قیدی کو اعلیٰ قسم کا سگار پلادیا۔ کبھی کسی قیدی کو اچھا کھانا کھلادیا اور کبھی کسی قیدی کا کوئی مسئلہ حل کرنے کے لئے اسے نقد رقم دے دی۔

یہ سب باتیں ایف بی آئی کے علم میں آرہی تھیں اور اس کے مختلف شعبوں کے درمیان اس سلسلے میں خط وکتابت ہونے لگی تھی۔ ایف بی آئی دوسرے محکموں سے بھی خط وکتابت کررہی تھی۔ اس کے نزدیک جیل میں کرنسی اسمگل کرنا سب سے سنگین مسئلہ تھا۔

اندر ہی اندر یہ کھچڑی پکتی رہی۔ وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ الکپون کی سزا کے پانچ سال بیت گئے۔ اس وقت تک ایف بی آئی نے الکپون والے مسئلے کا حل تلاش کرلیا تھا۔

کچھ سرکاری محکموں سے تبادلہ خیال کے بعد آخرکار ایک فیصلہ کرہی لیا گیا۔ حکومت کو امید تھی کہ اس منصوبے پر عملدرآمد کرکے وہ الکپون کو صحیح معنوں میں قابو میں کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

دراصل یکم اگست 1933ء کو اس وقت کے صدر روزویلٹ کے اٹارنی جنرل نے صدر کے ایک اے ڈی سی کو خط لکھا۔ "کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ بعض طاقت ور بدمعاش اور خطرناک قسم کے قیدیوں کو قابو میں کرنے کے لئے ایک خصوصی جیل تعمیر کی جائے۔ یہ جیل کسی انتہائی دور افتادہ جزیرے یا پھر الاسکا کے علاقے میں ہونی چاہئے جہاں ان قیدیوں کا بیرونی افراد سے کسی بھی طریقے سے کوئی رابطہ نہ ہوسکے؟"

یہ تجویز حکومت کو پسند آئی اور اس پر مزید چند دن محکمہ جاتی خط وکتابت ہوتی رہی۔ وزارت قانون نے اس مجوزہ جیل کے لئے جگہ بھی تلاش کرلی۔ جگہ کیا، وہ دراصل ایک قدیم اور کچھ تباہ شدہ سی جیل ہی تھی جس کی مرمت کرکے اور اس میں مزید کچھ تعمیرات کرکے اسے مطلوبہ جیل کی شکل دی جاسکتی تھی۔

وہ سان فرانسسکو کے شمال میں خشکی کے ایک جزیرہ نما ٹکڑے پر واقع تھی۔ زمین کے اس ایک میل لمبے اور چوتھائی میل چوڑے ٹکڑے کے تین طرف پانی تھا جس میں تیز لہریں آتی تھیں۔ اس دور افتادہ جزیرہ نما تک پہنچنے کا صرف ایک ہی تنگ سا راستہ تھا جس کی نگرانی آسانی سے کی جاسکتی تھی۔

خشکی کے اس ٹکڑے کو 1775ء میں ہسپانوی جہاز رانوں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا اور اس کا نام "بگلوں کا جزیرہ" رکھ دیا تھا کیونکہ وہاں بہت سے بگلے نظر آرہے تھے تاہم کسی نے اسے آباد کرنے کے لئے اس پر قدم نہیں رکھا۔ اب اسے مختصراً الکا آئی لینڈ کہا جاتا تھا۔

پتھر کی سلوں سے تعمیر شدہ جو عمارت اس پر موجود تھی، کسی زمانے میں وہ قلعے اور فوجی قید خانے کے طور پر استعمال ہوچکی تھی۔ کچھ امریکی فوجی اس میں اب بھی موجود تھے لیکن وہ جلد ہی اسے خالی کرنے والے تھے۔

وزارت انصاف نے وہ عمارت فوج سے لے لی اور اس پر دو لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر خرچ کرکے اسے ایک ایسی باقاعدہ جیل کی شکل دے دی جس سے فرار ناممکن تھا۔ ویسے تو اس جزیرے سے ہی فرار بہت مشکل تھا۔

اس جیل میں کوٹھریوں کی موٹی موٹی دیواریں پتھر کی تھیں اور دروازے، کھڑکیاں اسٹیل کی نہایت موٹی اور بھاری چادروں کی تھیں۔ ان دروازوں میں الیکٹرک لاک تھے جنہیں واچ ٹاورز سے آپریٹ کیا جاتا تھا۔ واچ ٹاورز کی تعداد پانچ تھی۔

اس کا مین گیٹ کھولنے کے لئے دو آفیسرز کی موجودگی ضروری تھی جن میں سے ایک برقی نظام کو کنٹرول کرنے والے پینل پر بیٹھتا تھا۔ اس گیٹ کے عقب میں وہ آلات بھی لگے ہوئے تھے جو دھات کی اشیاء اور ہتھیار وغیرہ کے بارے میں خبردار کرتے تھے۔

19/جولائی 1934ء کو جیل خانہ جات کے محکمے نے اس جیل کا قبضہ لے لیا اور جیمس جونسن کو اس کا وارڈن مقرر کیا۔ جونسن کی شہرت ایک انتہائی ایماندار جیلر کی تھی، وہ کئی جیلوں میں وارڈن کے طور پر خدمات انجام دے چکا تھا اور اس کا ریکارڈ نہایت عمدہ تھا۔ جیل کے محکمے میں آنے سے پہلے وہ ایک بینکار تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ بڑی سے بڑی رقم کی رشوت کی پیش کش بھی اسے دیانت داری اور فرض شناسی کے راستے سے ہٹنے پر مجبور نہیں کرسکتی تھی۔

وہ قیدیوں کی اصلاح کا بھی قائل تھا لیکن الکا آئی لینڈ کی جیل میں اسے قیدیوں کی اصلاح کے لئے نہیں بلکہ سخت ڈسپلن قائم کرنے کے لئے بھیجا جارہا تھا۔

ادھر جب اس جیل میں بھیجنے کے لئے فیڈرل جیل سے 53/قیدیوں کے ساتھ الکپون کو بھی نکالا جانے لگا تو وہ بری طرح اڑ گیا۔ وہ زور زور سے چیخنے دھاڑنے لگا اور کئی گارڈز سے الجھ پڑا۔ وہ چلا رہا تھا۔ "میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

لیکن اسے جانا پڑا۔

اس کی چیخ وپکار بے سود رہی۔ اس کے کپڑے اتار کر تلاشی لی گئی اور اسے دوسرے کپڑے دیئے گئے۔ حکومت اب ذرا سا بھی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ قیدیوں کو لے جانے کے لئے ایک ٹرین خاص طور پر جیل کے احاطے میں لائی گئی تھی۔ اس کی کھڑکیوں میں لوہے کی سلاخیں اور ان کے اوپر خاردار تاریں لگی ہوئی تھیں۔

ٹرین کی بوگیوں کے اندر گارڈز اپنی بندوقیں قیدیوں پر تانے بیٹھے تھے جبکہ قیدیوں کے پاؤں زنجیروں کے ذریعے ان کی سیٹوں کے پایوں سے بندھے ہوئے تھے۔ یہ ٹرین راستے میں کہیں نہیں رکی۔ سیدھی کھاڑی تک پہنچی۔ وہاں سے اسے تیرتے ہوئے بڑے بڑے تختوں سے بنے بہت بڑے پلیٹ فارم نما چیز پر اتار دیا گیا۔

یوں ٹرین الکا آئی لینڈ کے کنارے سے جالگی۔ انتہائی سخت حفاظتی انتظامات میں قیدیوں کو اس طرح اتارا گیا کہ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں تھیں۔ انہیں دو قطاروں میں جیل کی طرف لے جایا گیا۔ اس وقت شام ہورہی تھی جب انہوں نے ڈوبتے سورج کی ملگجی روشنی میں بلندی پر اس جیل کا ہیولا دیکھا تو ان میں سے بعض قیدی اونچی آواز میں رونے لگے۔ بڑی سی اس پتھریلی جیل کا ہیولا واقعی بے حد خوفناک دکھائی دے رہا تھا، وہ جنوں، بھوتوں کا مسکن معلوم ہورہی تھی۔ اوپر سے اس مختصر جزیرے کا سناٹا بھی خوف زدہ کردینے والا تھا۔

سب قیدی جیل پہنچے تو ایک بار پھر کپڑے اتار کر ان کی تلاشی لی گئی۔ انہیں نہانے کا موقع دیا گیا اور پھر جیل کی وردی پہنا کر کوٹھریوں میں بند کردیا گیا۔ وردی پر ان کے نمبر بھی کڑھے ہوئے تھے، الکپون قیدی نمبر 85 تھا۔

حکومت اور جونسن نے مل کر اس بات کو یقینی بنالیا تھا کہ الکپون باہر سے کوئی معمولی سی بھی چیز منگوا سکے گا اور نہ ہی کچھ باہر بھیج سکے گا حتیٰ کہ اسے کوئی خاص خط یا پیغام بھی نہیں ملے گا۔ طے یہ پایا تھا کہ باہر سے آنے والے تمام خطوط سنسر ہوں گے اور دوبارہ ٹائپ کرکے قیدیوں کو دیئے جائیں گے۔

اسی طرح قیدیوں کی طرف سے باہر جانے والے خطوط کو بھی سنسر کیا جائے گا۔ قیدیوں کو دو طرفہ خیر وعافیت کی اطلاع کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوسکے گا کہ باہر کی دنیا میں کیا ہورہا ہے، انہیں گنتی کے چند رسالے اور وہ بھی سات آٹھ ماہ پرانے دیئے جائیں گے۔ قیدیوں کا کوئی ملاقاتی وہاں نہیں آسکتا تھا۔

"میرے تو بہت سے دوست ہیں جو مجھ سے ملنے کے لئے آنا چاہیں گے۔" الکپون نے وارڈن سے کہا۔

"کوئی تم سے ملنے نہیں آئے گا۔ مہینے میں فیملی کے صرف دو افراد ایک مرتبہ ملنے کے لئے آسکتے ہیں۔" وارڈن جونسن نے ٹھنڈی سانس لے کر اسے مطلع کیا۔

قیدیوں کو وہاں کھانے پینے کے معاملے میں کوئی خاص تکلیف نہیں تھی۔ جونسن جیل کے کچھ مخصوص قواعد پر پوری طرح عمل کررہا تھا۔ الکپون یہاں کا "بادشاہ" نہیں بن سکتا تھا۔ دیگر تمام قیدیوں کی طرح وہ بھی چھوٹی سی ایک کوٹھری میں تھا جو پانچ فٹ چوڑی اور نو فٹ لمبی تھی۔

باہر کی دنیا سے الکپون کا رابطہ واقعی ناممکن ہو کر رہ گیا۔ حکومت نے آخر جرائم کی دنیا کے بادشاہ کو قابو میں کر ہی لیا تھا۔ اس جیل کے لئے خاص طور پر نئے قاعدے اور قوانین منظور کئے گئے تھے۔ یہاں اچھے رویے کی بنیاد پر کسی قیدی کے ساتھ کوئی رعایت بھی نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی سزا میں کوئی کمی ہوتی تھی۔ الکپون کو جو رعایتیں ملنا تھیں، وہ مل چکی تھیں،

البتہ بعض غلطیوں پر یہاں قیدیوں کو کچھ سزائیں ملتی تھیں جن میں قید تنہائی بھی شامل تھی۔

ہر قیدی کے لئے کوئی نہ کوئی پُرمشقت کام کرنا بھی لازمی تھا۔ الکپون کے حصے میں لانڈری روم میں کام کرنا آیا۔ ایک بار قیدیوں نے بھوک ہڑتال کرنے اور نافرمانی کی مہم چلانے کی بھی کوشش کی، بعض مصلحتوں کی بنا پر الکپون نے اس مہم میں قیدیوں کا ساتھ نہیں دیا جس پر بعض قیدی اس کے دشمن بھی ہو گئے۔

ایسے ہی ایک قیدی سے ایک بار الکپون کا جھگڑا بھی ہو گیا۔ وہ ایک سابق فوجی تھا اور اپنے آفیسر کو قتل کرنے کے جرم میں عمر قید کی سزا بھگت رہا تھا۔ وہ سخت مشتعل مزاج آدمی تھا۔ ادھر الکپون کا غصہ بھی کچھ کم نہیں تھا۔ وہ تو غنیمت رہا کہ گارڈز نے جلد ہی بیچ بچاؤ کرا دیا ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا۔

بہر حال ان تمام حالات و واقعات نے الکپون کو یہاں دوسرے تمام قیدیوں کی طرح ایک بالکل عام سا قیدی بنا دیا تھا۔ رعب، دہشت اور حکمرانی کا اس کا دور ایک سال میں ہی گویا بھولی بسری سی بات ہو کر رہ گیا تھا۔

انہی دنوں جیل میں ایک بار پھر ہڑتال اور ہنگاموں کی نوبت آنے لگی تھی۔ اس دوران مزید بہت سے قیدیوں کو وہاں منتقل کیا جا چکا تھا۔ انہی میں سے ایک قیدی کا انتقال ہو گیا۔ جیل کے عملے کے بیان کے مطابق وہ نمونیے سے مرا تھا لیکن قیدیوں میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ اس کا السر پھٹ گیا تھا اور ڈاکٹر نے اسے اسپتال منتقل کیا تھا اور نہ ہی صحیح معنوں میں طبی امداد فراہم کی تھی۔

جیل کے عملے اور خاص طور پر ڈاکٹر کے خلاف نعرے لگنے لگے۔ الکپون اس وقت جیل کے دوسرے حصے میں تھا تاہم اس تک بھی اطلاع پہنچائی گئی اور اسے ہنگامے میں شریک ہونے کے لئے بھی کہا گیا۔

وہ خشک لہجے میں بولا۔ ”میں یہاں سے زندہ باہر جانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی موت کو دعوت دینا یا اپنی سزا کو مزید طویل نہیں کرنا چاہتا۔“

اس پر اس کے مخالف قیدی نے ایک بار پھر اس کے خلاف نفرت کا زہر پھیلانا شروع کر دیا تاہم الکپون کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش رہا۔

ایک اور قیدی بھی جیل میں بڑا سخت جان اور بدمعاش مشہور ہو چکا تھا۔ وہ ایک بار الکپون کے پاس ایک منصوبہ لے کر آیا کہ اگر وہ کسی طرح پندرہ ہزار ڈالر کا بندوبست کر دے تو جیل میں مشین گنیں منگوانے کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔ باہر ایک موٹر بوٹ ان کا انتظار کر رہی ہو گی اور وہ مشین گنوں سے فائرنگ کرتے ہوئے اپنا راستہ بنا کر فرار ہو جائیں گے۔

الکپون یہ سارا منصوبہ سن کر یوں دھیرے سے ہنس کر خاموش ہو گیا جیسے وہ منصوبہ اس کی نظر میں بچکانہ لطیفہ ہی تھا۔ منصوبہ لے کر آنے والے قیدی کا نام لوکس تھا۔ الکپون کے ردعمل اور رکھائی کی وجہ سے لوکس بھی الکپون کا دشمن ہو گیا۔

ایک بار الکپون ایک جگہ فرش کی صفائی کر رہا تھا۔ وہاں سے کچھ دور جیل کے حجام کی دکان تھی۔ لوکس وہاں شیو بنوانے آیا تھا، الکپون کی اس طرف پشت تھی۔ اسے لوکس کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ لوکس نے اسے بے خبر دیکھا تو حجام کی دکان سے قینچی اٹھا کر دبے قدموں آیا اور الکپون کی پشت میں قینچی گھونپنے کے لئے وار کیا۔

الکپون کی خوش قسمتی تھی کہ حجام نے چیخ کر اسے خبردار کر دیا۔ الکپون بروقت گھوم گیا اور اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود لکڑی کے دستے والی لمبی جھاڑو اس طرح لوکس کو رسید کی کہ وہ دور جا گرا تاہم الکپون کی کمر میں آدھا انچ چوڑا اور چوتھائی انچ گہرا زخم آ ہی گیا۔

گارڈز نے آ کر جلدی سے صورت حال پر قابو پایا اور الکپون کو جیل کے اسپتال لے جایا گیا۔ الکپون خود اپنے پیروں پر چل کر وہاں گیا۔ اس کی کمر پر دو تین ٹانکے لگائے گئے۔

اسی طرح ایک بار ایک قیدی نے لوہے کا باٹ الکپون پر کھینچ مارا تھا۔ الکپون جھکائی دے کر بچ گیا تھا ورنہ شاید اس کی کھوپڑی ٹوٹ جاتی۔ ایک مرتبہ ایک اور قیدی نے اس پر حملہ کیا۔ الکپون نے گھونسا مار کر اسے زمین چٹا دی۔

وقت وقت کی بات تھی۔ جس کی آنکھوں میں برہمی دیکھ کر بڑے بڑے بدمعاش کانپ جاتے تھے، اب اس پر عام اور معمولی قسم کے قیدی حملے کر رہے تھے تاہم الکپون بڑے صبر و سکون سے اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہا تھا، وہ کسی کے سامنے شکوہ یا فریاد نہیں کرتا تھا۔

جن دنوں الکپون لانڈری روم میں قیدیوں کے کپڑے دھو رہا تھا۔ ایک قیدی نے نہایت فخریہ سے انداز میں اپنی بیوی کے نام خط میں لکھا۔ ”تمہیں معلوم ہے آج کل میرے کپڑے کون دھو رہا ہے......؟ الکپون......!“

قد کاٹھ یا جسامت کے اعتبار سے وہ اب بھی بارعب تھا۔ اس کا وزن کم نہیں ہوا تھا اس لئے کم ہی قیدی اس سے الجھنے کا خیال دل میں لاتے تھے۔ وارڈن کو اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ حتی الامکان ایک اچھے قیدی کی طرح سر جھکا کر اپنا وقت پورا کر رہا تھا جو اس جیل کے ماحول میں کوئی آسان کام نہیں تھا۔

وہ اب ہوشیار رہنے لگا تھا۔ اپنے حصے کی مشقت کرتے وقت چوکنا رہتا، چلتے پھرتے وقت کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھتا رہتا، وہاں کسی کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

بعض قیدیوں کی نفسیاتی کیفیت بھی عجیب ہو چکی تھی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب کس کا دماغ الٹ جائے۔ ایک بار ایک قیدی بیٹھا ایک چاپر سے پرانے ٹائر کاٹ رہا تھا۔ ان ٹائروں کو کاٹ کر نیوی کے کام آنے والے کچھ پیڈ بنائے جاتے تھے۔

پرانے ٹائر کاٹتے کاٹتے اچانک اس قیدی نے چاپر سے اپنے بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ یہ اس سے غلطی سرزد نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا۔ اس کا ثبوت یہ تھا کہ دوسرے ہی لمحے اس نے چاپر دوسرے قیدی کی طرف بڑھاتے ہوئے درخواست کی کہ اب وہ اس کے دائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں بھی اسی طرح کاٹ دے۔ اس کے چہرے سے تکلیف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

اسے اسپتال لے جایا گیا اور جب اس کے زخم بھر گئے تو سزا کے طور پر اسے قید تنہائی میں بھی پھینکا گیا تاہم جیل انتظامیہ کے خیال میں وہ ابھی اتنا پاگل نہیں تھا کہ اسے پاگل خانے بھیجا جاتا چنانچہ وہ وہیں رہا۔

بعض قیدی فرار کی جو کوششیں کرتے تھے، ان سے بھی ان کی ذہنی حالت ابتر ہونے کا اندازہ ہوتا تھا۔ ان کی فرار کی کوششیں اس قدر بچکانہ اور احمقانہ ہوتی تھیں کہ کوئی صحیح الدماغ آدمی ان کا تصور نہیں کر سکتا تھا۔

ایک بار ایک قیدی ایک جگہ خاردار تاریں لگاتے لگاتے اچانک وہ تاریں ایک مسلح گارڈ کی آنکھوں میں گھسانے کی کوشش کرنے لگا شاید اس کا خیال تھا کہ وہ گارڈ کو اندھا کر کے فرار ہونے میں کامیاب ہو جائے گا۔ گارڈ نے اس کی یہ کوشش ناکام بنا دی اور اسے خبردار کیا کہ وہ اپنی اس کوشش سے باز رہے مگر وہ باز نہ آیا۔

گارڈ نے اسے روکنے کے لئے اپنی دانست میں ایک موثر کوشش کی۔ اس نے دو ہوائی فائر کئے مگر قیدی پر جیسے دھن سوار تھی کہ وہ اس کی آنکھوں میں خاردار تاریں گھونپ کر رہے گا۔ وہ بار بار اس پر جھپٹتا رہا۔ آخر کار گارڈ نے تیسرا فائر کیا جس نے قیدی کا کام تمام کر دیا۔

اسی طرح بعض قیدی کچھ ایسے احمقانہ انداز میں خودکشی کی کوشش کرتے تھے جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کا دماغ کم از کم وقتی طور پر الٹ گیا ہے۔ جیل کا ماحول اور ان قیدیوں کی یہ حرکتیں دوسرے قیدیوں کا بھی دماغ خراب کرنے کے لئے کافی تھیں۔ شاید اسی لئے گارڈز کا رویہ بھی قیدیوں کے ساتھ بہت سخت تھا۔ قیدی بہر حال خطرناک تھے۔ ذرا سا موقع ملتے ہی وہ کوئی بھی خطرناک حرکت کر سکتے تھے شاید اسی لئے گارڈز ان کے ساتھ بے رحمی سے پیش آتے تھے۔

ایک بار تو ایک قیدی نے جونسن پر بھی حملہ کر دیا تھا اور اسے زخمی کر دیا تھا۔ ایک گارڈ نے اس کی کھوپڑی پر شدید غصے میں ڈنڈا رسید کیا جس کے بعد وہ قیدی ذہنی طور پر مفلوج ہو گیا، اس کی حالت ذہنی طور پر معذور بچوں جیسی ہو گئی، وہ بولنا بھول گیا۔ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آتی، وہ بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتا رہتا۔ اس کا منہ کھلا رہتا اور ہونٹوں کے گوشوں سے رال بہتی رہتی۔

ایک قیدی جو اس جیل میں صرف سولہ ماہ گزار کر گیا تھا۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ وہاں کی زندگی کیسی تھی تو وہ جھرجھری لے کر بولا۔ ”وہ جیل کسی جہنم سے کم نہیں۔“

مختصراً اس جیل کو ”راک“ کہا جاتا تھا۔ ایک اور قیدی جو راک سے رہا ہو کر آیا تھا۔ اس سے الکپون کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ وہاں کس طرح شب و روز گزار رہا ہے تو قیدی نے جواب دیا۔ ”وہ بالکل خاموش ہو گیا ہے، کسی سے کوئی بات نہیں کرتا، بس اس سے جو کام کہا جاتا ہے، وہ کر دیتا ہے، رات کو بھی وہ خاموش لیٹا چھت کو گھورتا رہتا ہے، پلکیں بھی نہیں جھپکاتا، شاید یاد کرتا رہتا ہے کہ باہر کی زندگی کتنی اچھی تھی۔ اسے تو یہی لگتا ہو گا کہ وہ جنت سے جہنم میں پہنچ گیا ہے۔“

قیدی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ الکپون کے اندر زبردست شکست و ریخت جاری تھی اور پھر ایک روز اس کے اعصاب جواب دے ہی گئے۔ وہ پھٹ پڑا۔ اس نے جونسن سے کہا کہ وہ اسٹیٹ اٹارنی کے آفس سے کسی کو بلائے۔ وہ اپنے جرائم کا اعتراف کرنا چاہتا ہے اور عدالت میں اس نے جو بھی غلط بیانیاں کی ہیں، ان کی تصحیح کرنا چاہتا ہے۔

اسسٹنٹ اسٹیٹ اٹارنی فوری طور پر اسپیشل بوٹ کے ذریعے جیل پہنچا۔ تنہائی میں دو دن تک اس کی الکپون سے ملاقاتیں جاری رہیں۔ الکپون کے سینے پر جیسے بہت بڑا بوجھ تھا جسے وہ اتار پھینکنا چاہتا تھا۔ اسٹیٹ اٹارنی کے اسسٹنٹ نے اس کا جو بیان قلمبند کیا، وہ پچاس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں الکپون نے یہ اعتراف بھی کر لیا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے کس کس کو قتل کیا تھا اور ٹیکس چوری کے لئے کیا کیا تدبیریں اختیار کی تھیں۔

ستم ظریفی یہ تھی کہ اس وقت الکپون کی سزا ختم ہونے میں صرف دو سال باقی رہ گئے تھے۔

اسسٹنٹ اٹارنی جب کاغذات لے کر واپس پہنچا تو قانون اور انصاف کے محکموں میں نئے سرے سے ہلچل مچ گئی۔ اس دوران الکپون کی بیوی مے اس سے ماہانہ ملاقات کے لئے پہنچی تو اسے اس سے ملنے نہیں دیا گیا کیونکہ الکپون کی طبیعت بہت خراب تھی۔ وہ الٹیاں کر رہا تھا اور اس پر جنون سا طاری تھا۔ وہ گارڈز کو مارنے کے لئے دوڑ رہا تھا۔

بڑی مشکل سے اسے اسپتال منتقل کیا گیا۔ اس کے بہت سے ٹیسٹ لئے گئے۔ ڈاکٹر کو شبہ تھا کہ اسے سفلس (آتشک) کا مرض لاحق ہے۔ اس کی کچھ علامات تو موجود تھیں لیکن ان میں دوسرے امراض کی علامات بھی گڈمڈ تھیں۔

آخر کار الکپون کی اپنی اجازت سے اس کی ریڑھ کی ہڈی سے مواد لے کر اس کا تجزیہ کیا گیا تو ڈاکٹر کے شبے کی تصدیق ہو گئی۔ اسے واقعی سفلس لاحق تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کے اعصاب میں بھی زبردست توڑ پھوڑ جاری تھی۔

یہ مرض اسے بہت پہلے اس کی منظور نظر نوجوان یونانی لڑکی سے لگا تھا اور علاج کے بعد یہی محسوس ہوا تھا جیسے وہ صحت یاب ہو گیا ہو لیکن درحقیقت مرض دب گیا تھا۔ اب پہلے سے زیادہ شدت سے ابھر آیا تھا۔

الکپون کا علاج تو شروع ہو گیا لیکن اس کی حالت میں کچھ زیادہ بہتری دیکھنے میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ کچھ ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں گویا پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلنے لگا تھا۔ کبھی کبھی وہ بالکل سنکی اور خبطی دکھائی دیتا اور کبھی گارڈز وغیرہ سے الجھ پڑتا لیکن کبھی کبھار وہ بالکل ٹھیک دکھائی دیتا۔

ادھر شکاگو میں اس کے اعتراف نامے کی بنیاد پر نئے مقدمے چلنے لگے تھے۔ عین ممکن تھا کہ ان مقدمات کی بنیاد پر اس کی تمام جائیداد ضبط ہو جاتی اور اسے موت کی سزا ہو جاتی لیکن اس کے بھائی رالف نے قابل ترین وکیلوں کی مدد سے ان مقدمات کی عمدہ طریقے سے پیروی کی اور الکپون کی جائیداد کے علاوہ اسے سزائے موت سے بچانے میں بھی کامیاب رہا تاہم اسے بہت بڑی رقوم جرمانوں کے طور پر دینی پڑیں۔

دراصل اس کے وکیلوں نے یہ نکتہ پکڑ لیا کہ یہ بیان قلمبند کراتے وقت اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت سے وہ واقعی ماہر نفسیات کے زیر علاج تھا، یہ چیز اس کے کام آ گئی۔ ماہرین نفسیات کی گواہی نے اسے بچا لیا۔

آخر کار وہ وقت بھی آ گیا جب اس کی سزا ختم ہو گئی۔ حکومت کے نمائندوں نے اسے نہایت رازدارانہ انداز میں اس کے میامی والے مکان تک پہنچایا کیونکہ رپورٹر اس کے منتظر تھے اور اس سے نہ جانے کیا کیا پوچھنا چاہتے تھے۔ پچھلے ایک سال کے دوران وہ اس قسم کی خبریں چھاپتے رہے تھے کہ الکپون جیل میں پاگل ہو گیا ہے، اسے زنجیروں میں باندھ کر رکھا جا رہا ہے اور اس کی حالت خراب ہے۔

الکپون کا علاج گھر پر بھی جاری رہا۔ پنسلین کی ایجاد کی وجہ سے سفلس کے مرض سے شفایابی کی امید بہت بڑھ گئی تھی۔ الکپون کا علاج بھی پنسلین کے ذریعے کیا جا رہا تھا جس سے اس کی حالت میں بہت بہتری آ گئی تھی پھر وہ وقت بھی آیا جب ڈاکٹروں نے اسے صحت مند قرار دے دیا۔ پنسلین کی ایجاد کے بعد سے شاید یہ دوا سب سے زیادہ مقدار میں الکپون پر ہی استعمال ہوئی تھی۔

اس کی صحت بہت اچھی تو نہیں تھی، اسے اب بھی تشنج کے سے دورے پڑتے تھے لیکن زیادہ تر وہ ٹھیک ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ اب سمندر کے کنارے چہل قدمی کے لئے بھی جانے لگا تھا جہاں لوگ سرِراہ اس سے مخاطب ہوتے تو وہ انہیں خوش خلقی سے جواب دیتا۔ کبھی کبھی اس کی یادداشت جواب دے جاتی۔

ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ اس پر ایک ساتھ کئی بیماریاں حملہ آور ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک بیماری ایسی بھی تھی جس میں اس کے اعصاب تباہ ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ شخص جسے آہنی اعصاب کا مالک سمجھا جاتا تھا، اب کبھی کبھی اچانک اس ننھے بچے کی طرح تھر تھر کانپنے لگتا جس نے کوئی خوفناک چیز دیکھ لی ہو۔

وہ بہترین ڈاکٹروں کے زیر علاج رہتا تھا۔ اس کی بیوی اور بیٹا بیماری کے دوران اس کے پاس ہی تھے۔ اس کی بیوی مے کا بھائی اور اس کی بیوی بھی اس کے میامی والے مکان میں ہی رہ رہے تھے۔ اس کے کاروبار کا ایک بڑا حصہ اس کے برادرِ نسبتی نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔

اس دوران اس کا بیٹا سنی کالج میں اپنے آپ کو الکپون کا بیٹا کہلانے پر شرمانے لگا۔ الکپون کے لمبے چوڑے خاندان میں شاید وہی اکلوتا شخص تھا جسے خالص شریف اور باعزت انسان کہلانے کی تمنا تھی۔

یہ تمنا دل میں لئے وہ فرانس چلا گیا اور اس نے نوٹرے ڈیم کی ایک درسگاہ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں اس نے اپنی شناخت ذرا سی بدلنے اور چھپانے کی تدبیر کر لی تھی لیکن اس کی یہ تدبیر زیادہ کارگر نہ رہی۔ نوٹرے ڈیم میں بھی لوگ کچھ عرصے بعد جان گئے کہ وہ درحقیقت کون ہے اور کس کا بیٹا ہے تب وہ واپس آ گیا۔

اطالویوں کی روایات کے مطابق اس نے بھی جلدی شادی کر لی۔ اس وقت اس کی عمر بائیس سال تھی۔ شادی کے بعد وہ الگ گھر میں رہنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تین بچیوں کا باپ بن گیا۔ الکپون گو کہ لاغر ہو چکا تھا لیکن وہ ٹہلتا ہوا بیٹے کے گھر آ جاتا اور دیر تک اپنی پوتیوں کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ اپنی پوتیوں کے ساتھ کھیل کر وہ بہت خوش ہوتا۔

اس کی جسمانی حالت میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا تھا۔ کبھی وہ چلتا پھرتا دکھائی دیتا۔ کبھی بستر پر گر جاتا۔ کبھی صحت کچھ بہتر دکھائی دینے لگتی۔ کبھی بالکل لاغر ہو جاتا۔

اخباری رپورٹر اب بھی اس کے پاس آتے رہتے تھے لیکن وہ ان سے کوئی خاص بات نہ کرتا۔ اگر کوئی رپورٹر کہتا۔ ”آپ نے ایک ہنگامہ خیز زندگی گزاری ہے، اس کے بارے میں کچھ تو بتایئے۔“ تو وہ خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگتا۔

کوئی اس سوال پر زیادہ اصرار کرتا تو وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتا۔ ”ہنگامہ خیز زندگی......؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ تم کیا جاننا چاہتے ہو؟“

”آپ کا پچاس صفحات پر مشتمل ایک بیان منظر عام پر آیا تھا، اس میں تو آپ نے بہت کچھ کہا تھا؟“ رپورٹر کہتا۔

”بیان......؟ کیسا بیان؟ میں نے تو کوئی بیان نہیں دیا۔“ وہ معصومیت سے کہتا۔

رپورٹر سر کھجاتا رہ جاتا اور الکپون کے تاثرات سے کچھ ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ دل ہی دل میں اس کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

اس کی صحت اور شکل صورت چونکہ اب اچھی نہیں رہی تھی شاید اس لئے اب وہ اپنی تصویر کھنچوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ اگر کوئی رپورٹر یا فوٹو گرافر اس کی تصویر کھینچنے کی کوشش کرتا تو اس کا پرانا غصہ عود کر آتا۔

”اگر کسی نے میری تصویر کھینچنے کی کوشش کی تو میں اسے جان سے مار دوں گا۔“ وہ غیظ و غضب سے دھاڑتے ہوئے کہتا۔ اس وقت اس کی شخصیت میں اسی الکپون کی جھلک دکھائی دینے لگتی جس سے کبھی نہ جانے کتنے لوگ ڈرتے تھے۔

کسی زمانے میں اسے اپنے لباس اور حلیے کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اسے نہایت خوش لباس لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا لیکن اب اسے لباس کی کوئی خاص فکر نہیں رہی تھی۔ اکثر وہ شکن آلود سلیپنگ سوٹ اور چپلوں میں گھر سے نکل جاتا اور سمندر کے کنارے چہل قدمی کے لئے بھی اسی حلیے میں چلا جاتا۔ اس کے کئی پڑوسی بھی اسے کہیں نہ کہیں اس حلیے میں دیکھ چکے تھے۔

ایک بار پھر یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ پنسلین بھی اس کے لئے صحیح طور پر شفا بخش ثابت نہیں ہو سکی تھی۔ وہ جب بھی بستر پر گرتا، اس کے بارے میں افواہیں اڑنے لگتیں کہ وہ قریب المرگ ہے لیکن وہ پھر اٹھ کھڑا ہوتا اور زندگی کے راستے پر گھسٹنے لگتا۔ اس کی ذہنی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی۔

ایک بار اس کے ڈاکٹر نے پیشگوئی کی۔ ”مجھے اندیشہ ہے اس کی حالت ایسی ہو جائے گی کہ لوگ اسے دیکھ کر اس پر ترس کھایا کریں گے۔“

اب بھی شکاگو میں کسی گروہ کا کوئی خاص آدمی قتل ہوتا تو بہت سے لوگ کہتے۔ ”اسے الکپون نے مروایا ہے۔“

الکپون کا ڈاکٹر یہ سن کر متاسفانہ انداز میں سر ہلاتا اور کہتا۔ ”وہ کسی کو کیا مروائے گا، اس کی تو اپنی زندگی اس وقت قابل رحم ہے، اس کی ذہنی حالت بارہ سال کے بچے جیسی ہے، اسے تو اب صحیح طور پر معلوم بھی نہیں ہے کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔“

اس وقت الکپون کی عمر 48 سال سے صرف چار دن ہی اوپر ہوئی تھی جب صبح چار بجے اسے عجیب سا دورہ پڑا پھر وہ کوما میں چلا گیا۔ اسپتال کے بہترین ڈاکٹر اسے طبی امداد دینے کے لئے دوڑ پڑے۔ پہلے اسے گھر پر ہی طبی امداد دی گئی پھر اسپتال لایا گیا۔

وہ آٹھ گھنٹے کوما میں رہا لیکن پھر اسے ہوش آ گیا اور رفتہ رفتہ اس کی حالت بہتر ہونے لگی لیکن ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ اس پر جو دورہ پڑا تھا، ابھی ڈاکٹر اس کی نوعیت ہی جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس میں نمونیے کی علامات نمودار ہونے لگیں۔ جلد ثابت ہو گیا کہ وہ نمونیے میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس دوران اس کی بیوی مے اور اس کا بیٹا سنی اس کے بیڈ کے پاس سے نہیں ہٹے تھے۔

رات تک ایسا دکھائی دینے لگا جیسے اس کا نمونیہ بگڑ گیا تھا پھر رات کے ساڑھے سات بجے اس کی نبض ساکت ہو گئی۔ اس روز جنوری کی 25 تاریخ تھی اور سن 1947ء تھا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ نمونیے کے باعث اس کی موت واقع ہوئی ہے لیکن مزید چیک اپ وغیرہ کے بعد پتہ چلا کہ وہ حرکت قلب بند ہونے سے مرا تھا۔ اسے اتنی بہت سی بیماریاں لاحق ہوئیں لیکن وہ دل کا مریض کبھی نہیں رہا تھا اس کے باوجود حرکت قلب بند ہونا اس کی موت کا سبب بنا۔

ان گنت لافانی انسانوں کی طرح اسے بھی ایک قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اس قبرستان کو ”ماؤنٹ کارمل“ کہا جاتا تھا۔ اس کی قبر کے سرہانے آٹھ فٹ اونچا ماربل کا کتبہ نصب کیا گیا جس پر اس کے آباؤ اجداد کے ناموں کے بعد آخر میں اس کا نام درج تھا۔ اس کی پیدائش کا سن 1899ء اور وفات کا 1947ء تھا۔

چند ماہ بعد آوارہ گردوں نے اس کی قبر کا یہ اونچا کتبہ گرا دیا۔ اس کی بیوی اور بیٹے نے اسے دوبارہ نصب کرایا۔ یہ عمل کئی بار دہرایا گیا پھر جب آنے والے برسوں میں اس کا بھائی، بیوی اور بہن مر گئی تو اس کی قبر بے نشان ہو نے لگی۔ یکے بعد دیگرے اس کے گروہ کے خاص لوگ بھی قتل ہو گئے یا جیل چلے گئے۔ آخر کار گروہ کا شیرازہ بالکل ہی بکھر گیا۔

یہ سب باتیں اب قصۂ پارینہ ہو چکی ہیں۔ الکپون کی داستان پرانی ہو چکی ہے مگر امریکی تاریخ سے الکپون کا نام کبھی مٹ نہیں سکے گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ اسے تاریخ کے کون سے صفحات پر جگہ ملی ہے...... لیکن اس کا نام اور اس کی داستان حیات بہر حال امریکی تاریخ کا حصہ ہے۔ اس پر کتابیں لکھی گئیں۔ فلمیں بنیں۔ ٹی وی سیریلز چلیں ...... لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے لئے وہ خود اس دنیا میں موجود نہیں تھا۔

(ختم شد)